بک فورٹ 100 سیریز

THE FAMOUS TRAVELERS
OF THE WORLD AND THEIR TRAVEL BOOKS

دُنیا کے 100 نامور سیّاح اور اُن کے سفر نامے

زمانہ قبل از مسیح سے عصرِ حاضر تک

دنیا کے مختلف خطوں کی سیاحت کرنے والے 100 سیاحوں کا احوال
اور ان کے سفر ناموں کے متعلق بیش قیمت معلومات
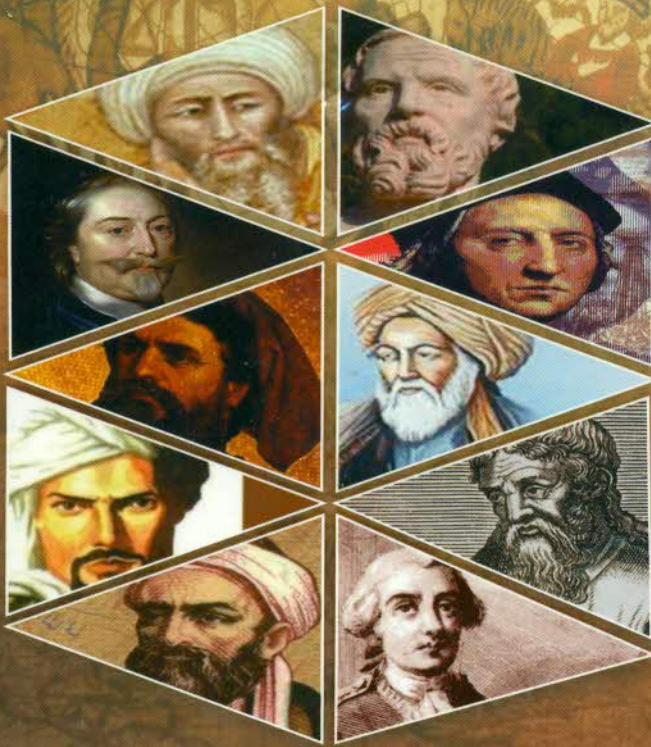
ترجمہ و تحقیق: اخلاق احمد قادری

THE FAMOUS TRAVELERS OF THE WORLD
AND THEIR TRAVEL BOOKS

دُنیا کے 100 نامور سیّاح اور اُن کے سفر نامے

زمانہ قبل از مسیح سے عصرِ حاضر تک

دنیا کے مختلف خطوں کی سیاحت کرنے والے 100 سیاحوں کا احوال
اوران کے سفرناموں کے متعلق بیش قیمت معلومات

ترجمہ و تحقیق:
اخلاق احمد قادری

بک فورٹ
ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز
ہاؤس نمبر 9، سٹریٹ نمبر 32، غنی محلہ، سنت نگر، لاہور۔
E-mail : zmdin786@hotmail.com

نام کتاب: دنیا کے 100 نامور سیاح اور ان کے سفرنامے
زمانہ قبل از مسیح سے عصر حاضر تک

تحقیق و ترتیب: اخلاق احمد

سرورق: احسن گرافکس

ناشر: زاہد محی الدین

اشاعت: 2018ء

پرنٹرز: ہاشم اینڈ حماد پریس، لاہور

قیمت: -/700 روپے

ملنے کا پتہ: بک فورٹ، ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، ہاؤس نمبر 9، سٹریٹ نمبر 32،
غنی محلہ، سنت نگر، لاہور۔ فون نمبر: 0300-4931320

Email: bookfort.zmdin@gmail.com

فہرست

پیش لفظ

یہ فطرتِ انسانی ہے کہ انسان کو ماحول کی یکسانیت سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی ہے اور یہی اکتاہٹ اسے ماحول کو تبدیل کرنے پر مجبور کردیتی ہے اور وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر آمادۂ سفر ہو جاتا ہے اور نئے نئے مقامات کی سیاحت کے لیے نکل کھڑا ہوتا ہے۔ یہ سیر و سیاحت اس کی اُکتاہٹ اور ماحول سے بے زاری کو دُور کردیتی ہے۔ نئے ممالک کی تاریخ اور جغرافیہ اور اقوام عالم کے اخلاق و عادات، رسوم و رواج اور تہذیب و ثقافت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی خواہش بھی ایک ایسی خواہش ہے جو انسان کو دُور دراز کے سفر کرنے پر مجبور کردیتی ہے؛ تاہم سرگرمِ سفر رہنا بھی ہر شخص کے بس کے بات نہیں اس لیے جو لوگ سفر نہیں کرسکتے، وہ دوسرے سیاحوں کے سفری مشاہدات اور تجربات سے استفادہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ سیاحوں کی بیان کردہ سفری داستانیں ان کے ذوقِ سفر کی تسکین کرتی ہیں۔ باذوق حضرات کی اسی دلچسپی کے پیشِ نظر انسان نے سفرنامہ نویسی کا آغاز کیا تھا۔ دنیا کے اوّلین سفر نامہ نگار کے بارے میں کچھ یقین سے تو نہیں کہا جاسکتا مگر قدیم مصری ادب میں وینامون نامی شخص کی سفری رپورٹ ہی محققین کے نزدیک دنیا کا اوّلین سفری احوال یا سفرنامہ ہے جو اس قدیم سیاح نے تقریباً تین ہزار برس پہلے قلم بند کیا تھا۔ مغربی مؤرخین وینامون کی سفری رپورٹ کی دریافت سے پہلے بابائے تاریخ ہیروڈوٹس کو دنیا کا اوّلین سفرنامہ نگار قرار دیتے تھے مگر قدیم مصری سفرنامہ کی دریافت کے بعد اسے ثانوی حیثیت دی گئی ہے۔ ہماری قومی زبان اردو میں پہلا سفرنامہ یا اس صنف کی پہلی کتاب کا آغاز انیسویں صدی کے وسط میں یوسف خان کمبل نے ''عجائبات فرنگ'' یا ''تاریخ یوسفی'' لکھ کر کیا تھا۔ یہ سفرنامہ 1847ء دہلی میں شائع ہوا تھا۔

ذکر سفرناموں کا ہو رہا ہو تو بھلا مارکو پولو اور ابن بطوطہ کے سفرناموں کو کون فراموش کرسکتا ہے۔ ان دونوں عالمی سیاحوں کے سفرنامے آج بھی انتہائی دلچسپی کا باعث ہیں۔

اردو زبان بلکہ عالمی سفرناموں میں پہلے پہل تاریخ و جغرافیہ کے علوم کا غلبہ تھا۔ ابتدائی سفرنامہ نگاروں نے مختلف ملکوں اور اقوام عالم کے متعلق ہر قسم کی تہذیبی، سیاسی اور ثقافتی معلومات فراہم کیں اور دنیا کے بیشتر معاشروں کی

سماجی اور معاشیاتی تصویر بھی پیش کی اور یہ معلومات پیش کرتے ہوئے انھوں نے غیر ضروری تخلیق کاری سے پرہیز کیا مگر آہستہ آہستہ سفرناموں نے ادب کی ایک جدید صنف کی شکل اختیار کرلی اور بیسویں صدی کے نصف اول میں اردو اور دیگر عالمی زبانوں میں جو سفرنامے تحریر کے گئے ان میں اگر چہ تاریخی اور جغرافیائی معلومات ہی پیش کرنے کی کوشش کی گئی مگر اس دور میں سفرنامہ نگار اپنے ذات کو سفرنامے سے علیحدہ نہیں رکھ سکے اور وہ سفرناموں میں اپنی پسند و ناپسند کا اظہار برملا طور پر کرنے لگے بلکہ سفرناموں میں افسانوں جیسی چاشنی تک پیدا کردی گئی۔ عالمی سفرناموں اور سیاحوں کے متعلق مجھ جیسے ناچیز کی یہ ادنیٰ سی کوشش ہے جس میں دنیا کے نامور سیاحوں اور ان کے سفرناموں کا مختصر احوال درج کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اردو زبان میں اگر چہ یہ اس قسم کا پہلا کام تو نہیں مگر اتنے سیاحوں کا تذکرہ ایک ہی جلد میں ایک قابلِ توجہ کوشش ضرور ہے۔ ''گر قبول افتدز ہے عزوشرف''

اخلاق احمد

ملتان

Mobil:03337619827

E.mail-ikhlqaqadri@gmail.com

سفر نامہ اور اس کی ابتدا

سفر نامہ ایک قدیم بیانیہ صنفِ ادب ہے جو انسان کی متلون مزاجی کی وجہ سے ظہور میں آئی۔ سفر نامہ نگار دورانِ سفر یا سفر سے واپسی پر اپنے سفری مشاہدات اور تجربات اور تاثرات واحساسات کو ترتیب دے کر تحریری شکل دیتا ہے۔ یہی رپورتاژ سفر نامہ کہلاتا ہے۔ سفر کی طرح سفر نامہ کی بھی کئی اقسام ہی جنھیں موضوع، مواد اور اسلوب کے اعتبار سے تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ایک تو وہ ہے جس میں سیاح کسی ملک کے جغرافیہ پر اتنا زور دیتا ہے کہ جغرافیہ دوسرے موضوعات پر حاوی ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے سفرناموں میں موسم کے حال، میدان، پہاڑ، ندی، مناظر اور مظاہر کے بیان پر زیادہ سے زیادہ وقت صرف کیا جاتا ہے۔ سفرنامے کی دوسری قسم وہ ہے جس میں سفر نامہ نگار جغرافیہ کے بجائے اپنے قصے بیان کرتا ہے ار ذاتی مشاہدات کے بارے میں بتاتا ہے۔

سفرنامے کا تاریخی ارتقا:

سفرنامے کی صنف کی ابتدا کا سراغ لگانا اگرچہ دشوار ہے مگر اس کی ابتدا ہمیں مسافروں کی سفر بیتیوں میں ملتی ہے جو زبانی قصوں کی شکل میں تھیں۔ انھیں قصوں نے رفتہ رفتہ ڈائریوں، روزناموں اور خطوط کے توسط سے سفری داستانوں کی شکل اختیار کرلی۔ یاد رہے کہ سفرناموں میں سب سے پہلے بحری سفر کے واقعات، روزنامچوں اور گائیڈ بکوں میں لکھے گئے جیسے کہ قدیم مصری سیاح وینامون کی سفر گزشت جس کا تعلق 1000 قبل از مسیح ہے۔ اس کے بعد جس شخص کو دنیائے مغرب نے اوّلین سیاح تسلیم کیا ہے وہ ہیروڈوٹس ہے جو یونان سے مصر اور مشرق وسطیٰ کی سیاحت پر نکلا اور اس نے مصر و بابل کی سیاحت کی۔ اس نے اپنی مشہور تصنیف ''تواریخ'' اسی سفر کے بعد مرتب کی تھی۔

مشہور یونانی ادیب زینوفون نے بھی چوتھی صدی قبل از مسیح میں عراق سے ایشیائے کوچک کا سفر کیا اور اپنی محاذ جنگ سے پسپائی کو ایک سفرنامے کی شکل دی۔

303 قبل از مسیح میں میگا ستھینز نامی ایک یونانی سیاح نے ہندوستان کا سفر بطور ایلچی یا سفیر کے کیا اور چندر

گپت موریہ کے عہد میں ہندوستان آیا اور کئی سال تک ہندوستان کے اس وقت کے دارالحکومت پاٹلی پترہ میں مقیم رہا۔ میگا ستھینز ایک دانشور انسان تھا۔ اس نے اس عہد کے ہندوستان کو بہت قریب سے دیکھا اور ہندوستان کی تہذیب ومعاشرت کا مطالعہ کیا۔ اسی وجہ سے میگا ستھینز کا سفرنامہ چندر گپت موریہ کے عہد کی ایک تاریخی ستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا اسے من وعن اپنے سفرنامے میں بیان کر دیا تھا۔

ہندوستان آنے والے سیاحوں میں فاہیان اور ہیون تسانگ بھی بہت مشہور سیاح ہیں جو بدھ مت کی تعلیمات اور کتابیں حاصل کرنے ہندوستان آئے تھے۔ ان کے سفرنامے بھی اس عہد کے ہندوستان کی قلمی تصاویر ہیں اور زمانے کے تاریخی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی مسلمانوں کی تاریخ کا عہد زریں ہے۔ مسلمانوں نے قرآن کریم کی آیت "سیروا فی الارض" کی توضیح میں دنیا کے گوشے گوشے کے سفر کیے۔ اس کے علاوہ خود اسلام، بانی اسلام ﷺ نے سفر ہجرت کے بعد ہی دنیا کے کونے کونے میں پھیلا۔ مسلمان سیاحوں میں ہمیں ابوزید سیرانی، ابن رستہ، حکیم ناصر خسرو، ابن جبیر اور ابن بطوطہ جیسے بڑے نام ملتے ہیں جنھوں نے اپنی زندگیوں کے بڑے حصے سیاحت زمین میں گزارے اور بہت خوبصورت سفرنامے لکھے۔ احمد بن فضلان کا سیاحت نامہ روس یا ابن خوقل کی تصنیف "المسالک والممالک" سب کی ان سفری داستانوں پر مبنی ہیں۔

مسلم دنیا کے مشہور ترین سیاح ابن بطوطہ نے اپنی عمر عزیز کے چھبیس قیمتی برس مشرق ومغرب کی سیاحت میں بسر کیے۔ ابن بطوطہ کو نہ صرف مختلف علوم پر دسترس حاصل تھی بلکہ وہ دوررس نگاہ بھی رکھتا تھا۔ اس نے بہت سے ممالک کی سیاحت کی اور کئی بادشاہوں کے درباروں سے وابستہ رہا۔ اس نے ہر ملک کے علمی، ادبی، سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کا مطالعہ بڑی گہری نظر سے کیا۔ اس کا سفرنامہ اسی وجہ سے اس دور کی بیش بہا معلومات کا خزانہ ہے۔

ابن بطوطہ سے پہلے بھی عرب وعجم میں شوقِ سیاحت عام تھا اور ابن بطوطہ سے پہلے بھی بہت سے مسلمان سیاح سیاحت پر نکلے جیسا کہ پہلے ذکر آیا مسلمان سیاحوں کے سفرناموں نے اس صنفِ ادب کو شہرت، عزت اور وقار کی بلندیوں تک پہنچایا۔ ازمنہ متوسطہ کے یہ سفرنامے آج بھی بڑے ذوق وشوق سے پڑھے جاتے ہیں۔

اردو سفرنامے کا آغاز انیسویں صدی کے وسط میں یوسف خان کمبل پوش کے سفرنامے "تاریخ یوسفی (عجائبات فرنگ)" سے ہوتا ہے۔ اس سفرنامہ کو اردو کا اولین سفرنامہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ سرزمین انگلستان کا یہ سفرنامہ 1847ء میں دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اردو سفرنامے میں ابتدائی دور کے سفرناموں میں محققین نے نواب کریم خان کے "سیاحت نامہ" اور سید فدا حسین کے "تاریخ افغانستان" واجد علی شاہ کے حسرت ناک سفر اور محی الدین

علوی کے ''سفر اودھ'' کو قابل ذکر قرار دیا جاتا ہے۔انیسویں صدی کے آخر میں سر سید احمد خان کے سفر نامے ''مسافران لندن''، محمد حسین آزاد کے ''سیر ایران''، شبلی نعمانی کے ''سفر نامہ روم ومصر و شام'' نواب حامد علی خان کے ''سیر حامدی'' وغیرہ اہم ترین سفر نامے ہیں۔

بیسویں صدی کے آغاز میں منشی محبوب عالم کا ''سفر نامہ یورپ'' اور سفر نامہ بغداد'' بھی اہم ہیں۔ڈاکٹر محمد حسین کا 1907 کا جاپان'' عطیہ فیضی کا ''زمانہ تحصیل'' شیخ عبدالقادر کا سفر نامہ مقام خلافت، خواجہ غلام الثقلین کا ''روزنامچہ سیاحت، خواجہ حسن نظامی کا ''سفر نامہ خواجہ حسن نظامی'' قاضی عبدالغفار کا ''نقش فرنگ'' بھی بہت اہم ہیں۔

اسی طرح عالمی یا انگریزی زبان کے سفر نامہ نگاروں میں ہمیں انیسویں صدی میں واشنگٹن اروِنگ، جان لوئیس، برکھارٹ، سر فرانسس رچرڈ برٹن، چارلس مونٹیگ ڈفٹی اور سر چارلس ڈارون جیسے اہم نام ملتے ہیں جنھوں نے سفر نامہ نگاری کی عالمی روایت کو برقرار رکھا بیسوی صدی کے سفر نامہ نگاروں میں انگریزی زبان کے کئی مشہور ادیب بھی شامل ہیں جن میں سمرست ماہم، ڈی ایچ لارنس، چارلس لنڈ برگ اور گراہم گرین جیسے اہم لوگ شامل ہیں۔بیسوی صدی کی آخری دہائیوں میں بھی سفر نامہ نگاری کی روایت کو برقرار رکھا گیا ہے اور ہمیں جہاں اردو میں محمود نظامی، مستنصر حسین تارڑ اور ابن انشا، بیگم اختر ریاض جیسے اہم نام ملتے ہیں وہیں انگریزی زبان میں پال تھیروکس، مچل پالن، بل برائسن جیسے لوگوں نے اپنے سفر ناموں سے سفر نامے کی عالمی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔اسی طرح اردو زبان میں بھی کئی اہم سفر نامے شائع ہوئے ہیں جن میں ڈاکٹر انور سدید کا ''دلی دور نہیں'' جاوید چوہدری کا ''جب برف گرے گی'' تابندہ بتول کا ''شالیمار سے تاج محل تک'' سائرہ ہاشمی کا ''کیمبرج او کیمبرج'' رضا علی عابدی کا ''سیر دریا'' ریل کہانی'' ڈاکٹر سلیم اختر کا ''عجیب سیر تھی'' اور دیگر بہت سے سفر نامے شامل ہیں

(1)

ویناموں اور اس کی سفری سرگذشت

دنیائے قدیم کے اوّلین مصری سیاح کا تحریری احوال

دنیا کے قدیم دور کی تاریخ

ویناموں (Wenamun) قدیم مصر سے تعلق رکھنے والا دنیا کا ایسا اوّلین سیاح ہے جس کے سفر کی روئیداد ہمیں Report of Wenamun کے نام سے ہیروغلافی رسم الخط میں ایک پیپرس پر لکھی ہوئی Al-Hibah مصر سے 1890ء میں دریافت ہوئی تھی۔اسے قاہرہ میں ایک روسی ماہر مصریات ولادیمیر گولنسکیف (Vladimir Goleniscev) نے ایک مصری سے خریدا تھا۔ یہ پیپرس ایک مرتبان میں محفوظ تھا اور اس کے ساتھ Onomasticon of Amenope اور Tale of Woe نامی تحریریں بھی ملی تھیں۔ یہ پیپرس آج کل پشکن میوزیم آف آرٹس ماسکو میں محفوظ ہیں اور اسے سرکاری طور پر Papyrus Pushkin120 کا کوڈ نام دیا گیا ہے۔ 1960ء میں ایک روسی ماہر Korostovce نے اس کا ترجمہ شائع کیا تھا جبکہ ہیروغلافی Hieroglyphi کا متن گارڈینر نے 1932ء میں شائع کیا تھا۔

ویناموں آمن رع دیوتا کا ایک پجاری تھا۔اس نے ایک مصری تاجر کی حیثیت سے 11ویں صدی قبل از مسیح میں لبنان (فونیقیہ) کے شہر بائبلوس (Byblos) کا ایک بحری سفر کیا تھا۔ان دنوں مصر میں رعمسیس XI کا عہد تھا۔اسی کے ایما پر اس نے یہ سفر کیا تھا۔ادھر بائبلوس کی شہری ریاست پر ان دنوں شاہ زکربعل کی حکومت تھی۔وہ مصر سے بائبلوس لبنان کی مشہور اور قیمتی لکڑی Cedar کی تجارت کے سلسلے میں بائبلوس جا رہا تھا کہ راستہ میں ڈور کی بندرگاہ پر اسے لٹیروں نے لوٹ لیا۔ مقامی بادشاہ شاہ بیدر Beder نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ نہ صرف ان لٹیروں کو گرفتار کرے گا بلکہ ویناموں کو اس کے اس نقصان کی تلافی بھی کرے گا،مگر کافی دن گزرنے کے باوجود بادشاہ اس معاملے میں کچھ نہ کرسکا۔ ڈور کی سلطنت شام میں واقع تھی اور اس کے حکمران فرعون رعمسیس XI کے باجگوار تھے۔اس واقعہ

کے رونما ہونے سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ مصر کی باج گزاری سے آزاد ہونے کے لیے جلد ہی مصر کے خلاف بغاوت کرنے والے تھے۔

بائبلوس کے سفر کی یہ سرگذشت اس موڑ پر آ کر رُک جاتی ہے کیونکہ کہانی کے اس موڑ سے محسوس ہوتا ہے کہ ویناموں خود قزاقی میں مصروف ہو جاتا ہے اور اپنے نقصانات کی تلافی کے لیے چاندی سے بھرا ہوا ایک بیگ کسی سے چھین لیتا ہے۔ اس کے بعد ویناموں بائبلوس کے سفر پر دوبارہ روانہ ہو جاتا ہے۔ بائبلوس پہنچنے پر وہ عام مروجہ لکڑی برآمد کرنے سے انکار کر دیتا ہے جس سے مصری حکمرانوں کے مشرقی ممالک پر اثر و نفوذ کا پتہ چلتا ہے۔ اس زمانے میں مصر سمندری راستے سے کیے گئے ایک حملہ سے دوچار ہو جاتا ہے اور بالآخر بحری حملہ آوروں کو مار بھگانے میں کامیاب ہو جاتا ہے، تاہم وہ اس جھگڑے سے کمزور پڑ جاتا ہے۔ یہ بحری یا سمندری حملہ آور مغرب سے آئے ہوئے پراسرار لوگ ہیں جو اس قدیم زمانے میں بھی مغربی استعمار کی غمازی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان لوگوں نے بحر روم کے مشرقی کناروں پر واقع شہروں کا محاصرہ 1175 ق م میں کیا تھا۔ مصر میں ہونے والی جنگ ڈیلٹا میں یہ سمندری حملہ آور اپنے بحری جہازوں میں آتشیں تیروں سے مسلح نظر آتے ہیں۔ اسی جنگ کے بعد مصری سلطنت زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔ یوں ویناموں جو ایک سیاح ہے اس کی یہ سرگذشت اس دور کی تاریخ بن جاتی ہے۔ ان بدلتے ہوئے حالات میں بائبلوس کا بادشاہ زکربعل ویناموں سے 29 دن تک بات کرنے کا روادار نہیں بنتا اور صرف اس وقت بات کرنے کے لیے رضامند ہوتا ہے جب مصری دیوتا آمن کا ایک پجاری اسے متنبہ کرتا ہے کہ اگر اس نے ویناموں سے بات نہ کی تو اس کی سلطنت بدشگونیوں کا شکار ہو جائے گی، تاہم وہ ویناموں کو بلاقیمت اشیائے تجارت یا قیمتی لکڑی دینے سے انکار کر دیتا ہے جس کی وجہ سے ویناموں بائبلوس میں ایک سال تک قیام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور مصر سے اشیائے تجارت کی قیمت منگواتا ہے۔ اس موقع پر شاہ بائبلوس قیمتی لکڑی کو مصر بھیجنے کے لیے اکٹھا کرنے کا حکم دیتا ہے اور ویناموں کو یقین دلاتا ہے کہ اس سے سابقہ مصری تاجروں کی مقابلے میں بہتر سلوک کیا جائے گا جبکہ سابقہ مصری تاجروں کو اس نے 17 سال قید میں رکھا تھا اور وہ دورانِ قید ہی مر گئے تھے۔ شاہ بائبلوس ویناموں کو ان مصری تاجروں کی قبریں دکھانے کی دعوت دیتا ہے مگر وہ انکار کر دیتا ہے۔

ویناموں کی یہ سرگذشت جزیرہ قبرص پر عوام کے حملے پر ختم ہو جاتی ہے۔ اُسے اس ہنگامے سے جزیرہ قبرص کی ملکہ مداخلت کر کے بچاتی ہے اور مصری ترجمان کے ذریعے اس سے بات چیت کرتی ہے۔

قدیم مصر کی ایک تاریخی دستاویز

ویناموں کی یہ سفری سرگذشت یا رپورٹ اس زمانے کی تاریخ ہے یا تاریخی افسانہ، اس کا فیصلہ محققین نہیں

کر سکے، تاہم اس سفر سرگذشت میں بتائے گئے مقامات بالکل حقیقی اور صحیح ہیں۔ ویناموں کی یہ رپورٹ یا سفرنامہ قدیم مصر کی ایک تاریخی دستاویز ہے اور کانسی کے عہد میں مصری حکومت کے زوال کا شکار ہونے کے متعلق بتاتی ہے۔ مصر اور بحر روم کے مشرقی کناروں پر واقع شہروں پر بحری قزاقوں کے حملے اور مصر کے تجارتی معاہدوں عمل درآمد نہ ہونا مصری حکومت کے زوال کا شکار ہونے کی غمازی کرتے ہیں اور اس کی کمزوری کی عکاسی کرتے ہیں، تاہم یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ ویناموں کی سرگذشت دنیا کا اولین سفرنامہ ہے جو قدیم مصر سے تعلق رکھتا ہے۔

(2)

300ق م - میگا ستھنیز

ہندوستان کا اوّلین مغربی سیاح

"انڈیکا" کے اقتباسات اتنے مفصل ہیں کہ موجودہ زمانے کا قاری بعض امور میں چندر گپت موریہ کے زمانے کے معالات سے زیادہ تر واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔ بہ نسبت اکبر اور ملکہ ایلزبتھ کے زمانے کے۔

ہندوستان کی سیاحت پر آنے والا پہلا مغربی سیاح

میگا ستھنیز چندر گپت موریہ کے دربار میں یونانی حکمران سلیوکس I کا سفیر تھا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی سیاحت پر آنے والا پہلا مغربی سیاح تھا جس نے اپنے مشہور زمانہ تصنیف INDICA میں اس وقت کے ہندوستان کی ایک دل نشین تصویر پیش کی ہے۔ اس کی چندر گپت موریہ کے دربار میں سفیر کی حیثیت سے تعیناتی کی صحیح تاریخ تو مؤرخین نے نہیں دی ہے مگر وہ 298ق م سے پہلے سلیوکس کی طرف سے ہندوستان میں سفیر مقرر کیا گیا تھا۔

زمانہ حال تک سب سے زیادہ مستند کتاب

مشہور یونانی مؤرخ آرین نے لکھا ہے کہ میگا ستھنیز آراکوسیا Arachosia میں رہتا تھا۔ اس نے ہندوستان میں اپنی سیاحت کا احوال اپنی کتاب انڈیکا میں درج کیا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب اپنی اصل حالت میں تو موجود نہیں مگر اس کے اقتباسات دوسرے یونانی مؤرخین کی کتابوں میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ میگا ستھنیز نے چندر گپت موریہ کی وسیع سلطنت میں جو کچھ مشاہدہ کیا وہ اس دور کے ہندوستان کے بارے میں جغرافیائی، سیاسی اور معاشیاتی طور پر انتہائی بیش قیمت معلومات ہیں۔ میگا ستھنیز کی نظر گہری اور انتہائی نکتہ رس تھی۔ اس نے جو کچھ لکھا انتہائی اہم اور سوچ سمجھ کر لکھا۔ میگا ستھنیز نے ایک مدت تک دارالحکومت پاٹلی پترا (پٹنہ) میں قیام کیا اور اپنا تمام وقت ہندوستان کے جغرافیہ، پیداوار اور نظم و نسق کے متعلق اپنی بیش بہا کتاب تالیف میں صرف کیا۔ اس کی یہی تالیف زمانہ حال تک سب سے زیادہ

مستند کتاب خیال کی جاتی ہے۔ اگر چہ بسا اوقات سنی سنائی باتوں کولکھ لینے سے اسے مغالطہ ہوا لیکن اس کے باوجود میگا ستھنیز ان معاملات کے متعلق جو خود اس کی آنکھوں کے سامنے پیش آئے ایک نہایت سچی اور معتبر سند ہے۔ چندر گپت موریہ کے فوجی اور ملکی انتظام کے متعلق اس کا صاف اور روشن بیان بلا تامل صحیح اور درست مانا جاتا ہے۔ انڈیکا کے اقتباسات اتنے مفصل ہیں کہ موجودہ زمانے کا قاری بعض امور میں چندر گپت موریہ کے زمانے کے معالات سے زیادہ تر واقفیت حاصل کرسکتا ہے۔ بہ نسبت اکبر اور ملکہ ایلز بتھ کے زمانے کے۔

ضابطہ فوجداری انتہائی سنگین

اس کے باوجود مؤرخین کچھ سوالات کا جواب نہیں دے سکے مثلاً کیا میگا ستھنیز چندر گپت موریہ سے ذاتی طور پر ملا تھا؟ یونانی تواریخ میں سکندر اعظم کا ہم عصر ہندوستانی حکمران ایک سندر کوٹ نامی شخص کو دیا گیا۔ ایک مغربی محقق میکس ملر (Max Nuller) نے سندر کوٹ کو میگا ستھنیز کا چندر گپت موریہ قرار دیا ہے جس کی تاج پوشی 320 ق م میں ہوئی تھی، تاہم ہمیں انڈیکا کے اقتباسات میں کہیں چندر گپت موریہ کے مشہور مشیر کوتلیہ کا ذکر نہیں ملتا جو اس کے عہد کی مشہور شخصیت تھا۔ انتظامی امور کے متعلق میگا ستھنیز نے صرف پاٹلی پترا کے میونسپل انتظام کی تفصیلات قلم بند کی ہیں تاہم ہم آسانی سے یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ سلطنت کے دوسرے بڑے شہروں میں بھی دارالحکومت کے نمونہ پر ہی انتظام رائج ہوگا۔ میگا ستھنیز ہمیں بتاتا ہے کہ شہر کا انتظام چھ بورڈوں کے ایک کمیشن کے ماتحت تھا جن میں سے ایک کے پانچ رکن ہوتے تھے۔ کاریگروں کی مزدوری تک بھی یہی بورڈ مقرر کرتا تھا۔ اگر کوئی شخص کسی کاریگر کا ہاتھ توڑ دیتا تو اس کو سزائے موت دی جاتی تھی۔

چونکہ سلطنت کافی وسیع تھی اس لیے انتظامی سہولت کی بنیاد پر اسے کئی صوبوں میں منقسم کردیا گیا تھا۔ اندرونی صوبے براہ راست راجکماروں (شہزادوں) کے سپرد ہوتا تھا۔ میگا ستھنیز اور کوتلی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ موریہ سلطنت کا ضابطہ فوج داری انتہائی سنگین تھا۔ عام طور پر ملزموں کو جرمانے کی سزا دی جاتی تھی۔ دروغ گوئی پر ہاتھ کاٹنے کی سزا رائج تھی۔ مزید براں ملزمین ومجرمین سے اقبال جرم کرانے کے لیے جسمانی اذیت دی جاتی تھی۔

ہندوستانی سماج کی سات طبقات یا ذاتوں میں تقسیم

میگا ستھنیز نے ہندوستانی سماج کے بارے میں بھی بڑی دلچسپ معلومات فراہم کی ہیں۔ وہ ہندوستانی سماج کو سات طبقات یا سات ذاتوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلا طبقہ یا ذات فلسفیوں کی تھی۔ یہ تعداد میں بہت کم تھی لیکن زیادہ عزت واحترام اسی کا کیا جاتا تھا۔۔ عام طور پر اس طبقے میں برہمن اور سنیاسی لوگ شامل تھے۔ دوسرا طبقہ کاشتکاروں کا تھا جو تعداد میں زیادہ تھے۔ تیسرا طبقہ شکاریوں اور چرواہوں کا تھا چوتھے طبقے میں تاجر اور بیوپاری،

کاریگر اور ہنر مند شامل تھے۔ چھٹے طبقے میں اور ساتویں طبقے میں جاسوس اور مشیر آتے تھے جبکہ پانچواں طبقہ فوجیوں یا چھتریوں کا تھا۔

100 ستونوں کا محل

میگا ستھنیز کے مطابق چندر گپت موریہ بڑی شان وشوکت سے زندگی گزارتا تھا۔ اس نے اپنے رہنے کے لیے ایک عالیشان محل تعمیر کیا ہوا تھا۔ اس محل کی زیبائش طلائی ستونوں سے کی گئی تھی۔ چندر گپت کے محل میں تقریباً سو ستون تھے۔ بہرحال اگر میگا ستھنیز کی کتاب انڈیکا کے اقتباسات موجود نہ ہوتے تو چندر گپت موریہ کے عہد کی تفصیلات اس قدر شاندار نہیں ہو سکتی تھیں۔

(3)

399ق م ۔ کسینوفون

اندرون ملک کی طرف سفر

یونانی فوجیوں کی اس طویل پسپائی کے سفر کی روئیداد صرف سفر نامہ ہی نہیں بلکہ قدیم تاریخ کا ایک اہم باب بھی ہے۔

عراق سے ایشیائے کوچک میں بحیرہ اسود کے ساحلوں تک کامیاب پسپائی کا سفر Xinophon یونانی مؤرخ، نثر نگار اور پسپائی کی روئیداد بیان کرنے والا یہ یونانی جرنیل ایتھنز کے مضافات میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین ایتھنز کے متمول لوگوں میں تھے۔ تمام ایتھنز کے نوجوانوں کی طرح اسے بھی شہسواری اور گھوڑے پالنے کا سوق تھا جو اسے بڑھاپے تک رہا۔ اگر چہ اسے سقراط کے درس سننے اور اس کے قریب اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملا مگر مؤرخین اسے سقراط کا شاگرد تسلیم نہیں کرتے۔

کرائے کے فوجیوں میں بھرتی

401ق م میں کسینوفون، سقراط جیسے دانشور کے مشوروں کو ٹھکرا کر ان دس ہزار یونانی کرائے کے فوجیوں میں بھرتی ہو گیا جو ایرانی شہزادے کوروش خرد نے اپنے بھائی اردشیر دوم کو شکست دے کر تاج و تخت پر قبضہ کرنے کے لیے یونان سے بھرتی کیے تھے۔ اس یونانی لشکر نے ایشیائے کوچک کے شہر ساردس سے عراق کی طرف پیش قدمی کی اور کنا کسا نامی مقام تک جا پہنچا جو مشہور عراقی قدیم شہر بابل کے قریب واقع تھا۔ شاہ اردشیر دوم کی فوج نے ان کرائے کے یونانی فوجیوں کو شکست دی اور جنگ کے دوران شہزادہ کوروش مارا گیا۔ چند روز بعد ایرانی فاتحین نے جنگ بندی کی تفصیلات طے کرنے کے بہانے سے شکست خوردہ یونانی لشکر کے سالاروں کو اپنے ہاں بلایا اور دھوکے سے قتل کر دیا۔ اس پر یونانی فوج میں افراتفری مچ گئی تاہم انھوں نے ہوش مندی سے کام لیتے ہوئے دو نئے قائدین کا انتخاب کیا۔ یہ تھے کسینوفون اور خی ری سوفوس۔ ان دونوں نے بڑی سمجھ داری اور اولوالعزمی سے کام لیتے ہوئے باقی یونانیوں کی جان بچا کر لے

جانے کے لیے بحیرہ اسود کے ساحلوں تک ایک طویل اور پرخطر پسپائی اختیار کی اور وہ بحیرہ اسود کے جنوبی کنارے واقع یونانی نوآبادیوں تک انتہائی کامیابی سے پہنچ گئے۔

اپنے وطن ایتھنز کے خلاف بغاوت

ایشیائی عسکری مہم سے واپس آنے کے بعد کسینوفون نے سپارٹا کے بادشاہ اگے سلاؤس کے پاس ملازمت کرلی اور سپارٹا کے سپاہیوں کی کمان خود اپنے وطن ایتھنز کے خلاف کی یہ ایک سنگین جرم تھا۔ اس لیے اہل ایتھنز نے کسینوفون کو غدار قرار دے گیا اور ایتھنز میں اس کی واپس کو ناممکن بنا دیا۔ ادھر سپارٹا والوں کی مہربانی سے اسے پیلوپونیسوس کے شمال مغرب میں ایک جاگیر عطا ہوئی اور وہ تقریباً اگلے تیس سال تک وہاں مقیم رہا۔ پھر جب تھیبائی نے سپارٹا کے اقتدار پر چوٹ لگائی تو کسینوفون کو یہ جاگیر چھوڑ کر انتھوس میں پناہ لینی پڑی۔ ادھر تھیبائی کی طرف سے خطرہ لاحق ہو جانے کی وجہ سے سپارٹا اور ایتھنز اپنی پرانی رنجشوں کو بھلا کر متحد ہو گئے اور یوں کسینوفون کی خطا معاف ہو گئی البتہ مؤرخین نے یہ نہیں لکھا کہ وہ واپس ایتھنز لوٹا کہ نہیں۔ کسینوفون کو یونان کا مستقبل اہل سپارٹا کے ہاتھوں میں نظر آتا تھا اس لیے وہ مرتے دم تک سپارٹا کے حق میں ہی رہا۔

اپنی کتاب کی اشاعت فرضی نام سے

مؤرخین نے لکھا ہے کہ کسینوفون نے کم از کم چالیس کے لگ بھگ کتابیں تصنیف کی تھیں۔ اس کی تصنیف میں سب سے اہم ''اناباسیس'' اندرون ملک کی طرف سفر ہے جو دراصل عراق سے ایشیائے کوچک تک کی پسپائی کا احوال یا سفرنامہ ہے۔ اناباسیس میں اس نے اس ناکام عسکری مہم کی روئیداد بیان کی ہے جو عراق سے پسپائی پر ختم ہوئی تھی۔ اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ کہ بیانیہ میں کسینوفون نے اپنا ذکر ضمیر غائب سے کیا ہے اور پہلے پہل خود اناباسیس کا مصنف تک ظاہر نہیں کیا اور یہ کتاب ایک فرضی نام سے شائع کی تھی۔

صرف سفرنامہ ہی نہیں بلکہ قدیم تاریخ کا ایک اہم باب

یونانی فوجیوں کی اس طویل پسپائی کے سفر کی روئیداد صرف سفرنامہ ہی نہیں بلکہ قدیم تاریخ کا ایک اہم باب بھی ہے۔ پسپائی کے دوران یونانیوں کو پہلے ایرانیوں کے خلاف اپنا دفاع کرنا پڑا۔ اس کے بعد یہ یونانی جنگجو کوہستانی قبائل سے لڑتے بھڑتے ہوئے دشوار گذار پہاڑی سلسلوں میں سے گذرے۔ ان پہاڑی سلسلوں میں جہاں غضب کی سردی تھی اور برفباری کی مصیبتیں تھیں وہیں راستے سے بھٹک جانے کا بھی اندیشہ تھا۔ جب یہ خیال کیا جائے کہ اس پرصعوبت سفر میں یونانیوں کی عورتیں بھی ساتھ تھیں تو سفر میں پیش آنے والی آفات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس روئیداد سفر میں کسینوفون کے ذاتی تجربے کی گرماہٹ ہر طرف نظر آتی ہے۔ بحثیت مصنف کسینوفون کو منظر نگاری کا بڑا سلیقہ تھا اور وہ جنگی حکمت عملی کی

باریکیوں سے بھی خوب واقف تھا۔ اس لیے مؤرخین نے کسینوفون پر یہ الزام بے سبب عائد نہیں کیا تھا کہ وہ عام سپاہی کو ضرورت سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ اس سفرنامے میں وہ ہمارے سامنے ایک ایسے آدمی کے روپ میں آتا ہے کہ جس کی شخصیت سادگی، وفاشعاری اور دوست داری سے عبارت ہے جو خوش تدبیر بھی ہے اور غیر معمولی حد تک بردبار بھی۔

زمانہ قدیم کا سفرنامہ

اناباسیس نے اپنے زمانے میں اپنے قارئین پر بہت دوررس اثر مرتب کیا تھا۔ کسینوفون اس کتاب میں یہ باور کرانے میں کامیاب نظر آتا ہے کہ ایرانی شہنشاہی کی روکارے بے شک بارعب اور مہیب سہی مگر پر مغالطہ ہے۔ اناباسیس ایک نیم سفرنامہ یا سرگذشت اور نیم تاریخ ہے۔ اس لیے قدیم زمانے سے دلچسپی سے پڑھا جارہا ہے۔

(4)

450ق م ۔ ہیروڈوٹس

دنیا کا اوّلین جہاں نورد سیاح جو بابائے تاریخ بھی کہلاتا ہے

بابائے تاریخ

ہیروڈوٹس (Herodotus) (تقریباً 484ق م۔تقریباً420ق م) مشہور زمانہ یونانی مؤرخ اور دنیا کے ان اولیں سیاحوں میں سے ایک جنھوں نے اپنے سیاحت نامے کو احاطہ تحریر میں لانے کی کوشش کی۔ ہیروڈوٹس ایشیائے کوچک کی ساحلی شہر ہالی کارنوسوس (Hali Carnosus) میں پیدا ہوا۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس نے اپنے شہر کو غیر ملکی حکمرانوں کے ظلم واستبداد کے چنگل میں پایا۔ ہالی کارناسوس کے ان ڈکٹیٹروں میں آرتیمیسیا نامی آمر نے بڑی شہرت پائی۔ جب کسرئ ایران خشایارشاہ Xexex نے یونان پر یلغار کی تو آرتیمیسیا نے ایرانی فوجوں کا ساتھ دیا۔ ادھر ہالی کارناسوس کے لوگوں کو بھی ان غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف انقلاب لانے کی سوجھی مگران کی یہ بغاوت دبادی گئی اور نوجوان ہیروڈوٹس کو جس نے انقلابیوں کا ساتھ دیا تھا اپنا وطن چھوڑ کر فرار ہوتے بنی اور وہ کچھ مدت تک جزیرہ ساموس Samos پر قیام پذیر رہا۔ ادھر چند برس بعد انقلابیوں نے پھر بغاوت کی تو ہیروڈوٹس ان سے واپس آن ملا۔ اس بار یہ انقلاب یا بغاوت کامیاب رہی مگر اس کے باوجود ہیروڈوٹس نے وہاں اب رہنا پسند نہ کیا اور ایتھنز چلا آیا جوان دنوں یونان کا علمی مرکز تھا۔ ان دنوں ایتھنز میں سوفسطائی فلسفی شہر کی ذہنی فضا پر انقلابی اثرات مرتب کر رہے تھے مگر ہیروڈوٹس ان کے خیالات سے متاثر نہ ہوا۔ البتہ ایتھنز میں اسٹیج پر پیش کیے جانے والے المیہ ڈراموں Tragedies کا اس کی تحریروں پر اثر واضح نظر آتا ہے مشہور یونانی ڈرامہ نگار سوفوکلیز اس کا دوست بن گیا تھا۔ سوفوکلیز نے ہیروڈوٹس کے بارے میں ایک نظم بھی کہی تھی مگر وہ ناپید ہے۔

ایتھنز میں قیام کے دوران ہی ہیروڈوٹس نے دنیا کے اولین جہاں نورد سیاح کا روپ دھارا اور وہ اس وقت کی معلوم دنیا کی سیاحت پر نکلا۔ اس نے اردگرد کے بہت ملکوں اور خطوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، بابل (عراق) اسکوتھیا

(جنوبی روس) ایشیائے کوچک اور بحر اسود کے ساحلی شہروں کے ساتھ ساتھ بر اعظم افریقہ کی شمالی ساحلی نوآبادیوں کی خاک چھانی اور خود یونان کی شہری ریاستوں کی بھی سیاحت کی۔ اس کے ان سفروں میں سے بعض کے ساتھ اس کی تاجرانہ اغراض وابستہ تھیں لیکن اس عالمی سیاحت سے اس کا سب سے بڑا مقصد اپنی تصنیف ''تواریخ'' کے لیے معلومات اور تاریخی مواد اکٹھا کرنا تھا۔

تھورآئی کے ایک چوک میں اس کی اصلی یا فرضی قبر

ہیروڈوٹس کا تعلق خاص جنوبی اٹلی میں واقع یونانی نوآبادی تھورآئی Thurii سے بھی رہا جو تقریباً 444ق م میں قائم ہوئی تھی۔ مؤرخین کے مطابق یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ ابتدائی نوآبادکاروں کے ساتھ وہاں گیا تھا یا بعد میں وہاں پہنچا تھا۔ البتہ اسے وہاں کی مکمل شہریت سے نوازا گیا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تھورآئی کے ایک چوک میں اس کی اصلی یا فرضی قبر بھی موجود تھی۔

تواریخ

ہم تک پہنچنے والی ہیروڈوٹس کی واحد تصنیف ''تواریخ The Histories'' ہے۔ اسی میں اس نے اپنی سیاحتوں کی معلومات کو بھی سمو دیا ہے۔ تواریخ نو ابواب یا کتابوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ ناقدین ادب کہتے ہیں کہ اس کی اس ترتیب میں بھی ہیروڈوٹس کا ہاتھ نہیں ہے بلکہ اسکندریہ کے یونانی عالموں نے اس کے متن کو نو حصوں میں بانٹ دیا تھا تاکہ ہر حصہ کو شاعری کی یونانی دیویوں میں سے کسی ایک کے نام معنون کیا جاسکے، تاہم ناقدین کے مطابق تواریخ کی یہ تقسیم بری نہیں ہے اور اس سے مرتبین کی ذہانت کا ثبوت ملتا ہے۔

اپنی تباہی کا آپ سامان

تواریخ کے پہلے ہی صفحہ پر ہیروڈوٹس نے واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ وہ یونانیوں اور ایشیائیوں کے کارناموں کو احاطۂ تحریر میں لاکر ماضی کو محفوظ کرنا چاہتا ہے۔ اس نے ایشیائی اور یونانی اقوام کو مابین تصادم کی وجوہات سے پردہ اٹھانے کی کوشش بھی کی ہے اور شائد اسی وجہ سے اس نے ان علاقوں کی سیاحت کی تھی کہ وہ اس راز سے پردہ اٹھائے۔ اس کی اس تصنیف کی وجہ سے مشہور رومی انشاء پرداز سسرو Cisro نے اسے ''بابائے تاریخ'' کا لقب دیا تھا۔ تواریخ کی پہلی کتاب یا پہلے باب میں ہیروڈوٹس نے لودیا کے بادشاہ کروئے سوس کی کہانی دی ہے جس نے ایرانی شہنشاہ کوروش اعظم سے ٹکر لے کر اپنی تباہی کا آپ سامان کیا تھا۔ اسی ضمن میں اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ کوروش اعظم کی سربراہی میں ایران کس طرح اس زمانے کی ایک بڑی طاقت بن کر ابھرا تھا۔

فرعون خوفو نے اپنی بیٹی کو قحبہ خانے میں بٹھا دیا

تواریخ کی دوسری کتاب یا باب میں مصر کا حال درج کیا گیا اور مصر کی سیاحت کے دوران ہیروڈوٹس نے وہاں جو کچھ دیکھا وہ بھی اس نے من وعن اسی باب میں درج کر دیا ہے۔ مصر کے عظیم اہرام کو اس نے بھی کھنڈرات کی شکل میں پایا تھا۔ اس نے 450 ق م میں اس عظیم اہرام کی سیاحت کی تھی۔ اس وقت اس اہرام کو تعمیر ہوئے دو ہزار سال گذر چکے تھے۔ ہیروڈوٹس نے اس عظیم مصری اہرام کی تعمیر پر اٹھنے والے اخراجات کا ایک تخمینہ بھی پیش کیا ہے اور یہاں تک بتایا کہ فرعون خوفو نے اس اہرام کی تعمیراتی خرچ کو پورا کرنے کے لیے حکومتی ذرائع کے علاوہ اپنی بیٹی کو قحبہ خانے میں بٹھایا تھا۔

تواریخ کا تیسرا باب یا کتاب ایران اور اس کے شہنشاہوں کے متعلق ہے جبکہ چوتھی کتاب یا چوتھا باب جنوبی روس، اسکوتھیا اور شمالی افریقہ کے حالات اور اسکوتھی قبائل پر شہنشاہ ایران داریوش کی چڑھائی کے ذکر پر مشتمل ہے۔

پانچویں کتاب میں آیونیا میں آباد یونانیوں کے ایران کے خلاف بغاوت کی تفصیل دی گئی ہے جو ایرانی حاکموں کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے۔

چھٹی کتاب یا باب میں جنگ میراتھن کا ذکر کیا گیا ہے۔

ساتویں میں ایرانی شہنشاہ خشیار شاہ کین پر یلغار اور تھرموپلائی کے معرکے کا ذکر ہے۔

آٹھویں کتاب میں آرتے می سیون اور سالامس کی جنگوں کا احوال درج ہے۔

نویں اور آخری کتاب پلاٹیہ اور موکالے کی لڑائیوں کے احوال پر مشتمل ہے۔

ہیروڈوٹس نے اپنی اس مشہور زمانہ تصنیف میں نہ صرف اپنی سیاحت سے استفادہ کیا تھا بلکہ اس سے پہلے بھی جو سیاح ہو گذرے تھے ان کے سفری احوال اور زبانی روایات بھی اس نے اکٹھی کی تھیں۔ ناقدین کے مطابق ''تواریخ'' کو محض تاریخ کے خانے میں ہی نہیں رکھا جا سکتا بلکہ ہیروڈوٹس نے اس میں کسی سیاحت نامے ہی کی طرح جغرافیائی، معاشرتی، تعمیراتی بلکہ ہر طرح کی چونکا دینے والی معلومات بھی جمع کر دی ہیں۔ اس لیے محققین اسے اس کا سفرنامہ بھی کہتے ہیں۔

(5)

140 عیسوی ۔ پاؤسانیاس

دنیا کا اولین مغربی سیاح

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ پائو سانیاس کا سفر نامہ ''بیان یونان'' اپنی طرز کی اولین تصنیف تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی سیاحوں کی رہنمائی کے لیے اسی انداز کی رہنما کتابیں لکھی جا چکی تھیں تاہم جو شہرت ''بیان یونان'' کے حصے میں آئی وہ کسی اور سفر نامے کو اس وقت تک حاصل نہ ہو سکی تھی۔

کتاب کی تکمیل میں بیس سال

پاؤسانیاس (تقریباً 110 عیسوی سے 180 عیسوی) Pausanias ایک یونانی سیاح اور جغرافیہ نگار، ایشیائے کوچک کی یونانی نوآبادی لودیا کا رہنے والا تھا۔ اس نے مزاج انتہائی سیلانی پایا تھا چنانچہ اس لیے اس نے بحر روم کے اطراف میں واقع بہت سے خطوں کی سیاحت کی۔ یونان کے علاوہ شام، فلسطین، مصر اور اٹلی کا چکر بھی لگایا۔ یونان کی سرزمین کی سیاحت کے دوران اسے جو کچھ دیکھنے کا اتفاق ہوا اسے مدنظر رکھتے ہوئے اس نے اپنے سیاحت نامے کو ''بیان یونان'' کا نام دیا۔ اس کتاب کو مکمل کرنے میں اسے تقریباً بیس سال لگے۔ بیان یونان (Description of Greece) اس کا وہ سیاحت نامہ ہے جو اس کی وجہ شہرت ہے۔ یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے۔ پاؤسانیاس کے بارے میں مزید معلومات نہیں ملتی بس اس کتاب میں اس نے اپنے بارے میں جو کچھ بتا دیا، اسی پر سب کچھ منحصر ہے۔ ''بیان یونان'' سرزمین یونان کی بے مثال عمارتوں، مشہور فن پاروں اور قابل دید مقامات کا سادہ سا احوال ہے۔ پاؤسانیاس نے رومی شہنشاہ ''انتونی نیوس'' کے عہد حکومت میں سرزمین یونان کا سفر یا سیاحت کی تھی۔ خوش قسمتی سے اس زمانے، دوسری صدی عیسوی کے نصف اول تک یونان کے شاندار ماضی کی یادگاریں اور نشانات اپنی اصلی حالت میں نہ سہی مگر بڑی حد تک محفوظ ضرور تھے۔ خود شہنشاہ انتونی نیوس کو بھی فن تعمیر سے شغف تھا اور اس نے یونان میں کئی معبد اور تھیٹر تعمیر کیے تھے۔

''بیان یونان'' اپنی طرز کی اولین تصنیف

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ پاؤ سانیاس کا سفرنامہ ''بیان یونان'' اپنی طرز کی اولین تصنیف تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی سیاحوں کی رہنمائی کے لیے اسی انداز کی رہنما کتابیں لکھی جا چکی تھیں تاہم جو شہرت ''بیان یونان'' کے حصے میں آئی وہ کسی اور سفرنامے کو اس وقت تک حاصل نہ ہو سکی تھی۔ اسی طرح زمانہ قدیم کے مغربی سیاحوں میں جو شہرت خود پاؤ سانیاس کے حصے میں آئی وہ کسی اور سیاح کو نصیب نہ ہو سکتی تھی۔ اس کی بڑی وجہ محققین نے یہ بتائی ہے کہ دوسروں کے لکھے ہوئے پر تکیہ کرنے کی بجائے پاؤ سانیاس نے آنکھوں دیکھا حال لکھنے کو ترجیح دی تھی جو آئندہ زمانوں کے سفرناموں کی بنیاد ثابت ہوئی ہے۔ پاؤ سانیاس دوسری صدی عیسوی کے ان چند مصنفین میں سے ایک تھا جن کا طرز بیان سپاٹ ہونے کی حد تک سیدھا اور بے رنگ تھا۔ بیان یونان میں اس نے کسی تمہیدی تکلف سے کام نہیں لیا بلکہ یک لخت ہی کتاب کا آغاز کر دیا۔ پہلے باب میں ایتھنز، اٹیکا اور میگارا کی سیاحت کا ذکر ہے۔ دوسرا باب کو انتھوس اور ارگوس اور ان کے نواح و مضافات کے لیے وقف ہے۔ تیسرے میں سپارٹا کا احوال دیا گیا ہے۔ چوتھے میں میسینیا کا پانچویں اور چھٹے میں ایلس اور اولمپیا کا، ساتویں باب میں اخائیا، آٹھویں میں ارکادیا، نویں میں تھیبائی اور بوئے اوتیا اور دسویں باب میں فوکس اور ڈیلفی کا حال درج ہے۔

سیاحوں کا ہدایت نامہ

پاؤ سانیاس کی یہ کتاب کسی جگہ کے جغرافیائی حال اور طبعی خدوخال کو بیان نہیں کرتی بلکہ ایک قسم کا سیاحوں کا ہدایت نامہ ہے، جس میں اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ کہاں پر کونسا قابل دید مقام واقع ہے۔ پاؤ سانیاس زیادہ توجہ رسوم، توہمات، اساطیر، لوک کہانیاں اور مقامی داستانیں بیان کرنے پر دیتا ہے مگر اس کے باوجود ''بیان یونان'' کی حیثیت ایک بیش بہا معلوماتی ذخیرے کی ہے۔ وہ قدرتی مناظر کو اہمیت نہیں دیتا بلکہ اس کی نظریں یادگار عمارتوں، مقبروں، مجسموں اور دیگر فن پاروں پر جمی رہتی ہیں۔ وہ ان کے بارے میں بھرپور معلومات فراہم کرتا ہے۔ درحقیقت وہ اس کتاب میں کسی قسم کی پابندی قبول نہیں کرتا بلکہ جو چاہتا ہے لکھتا چلا جاتا ہے۔ اگر بات ایتھنز میں بطلیموس، لوی ماخوش اور پرہوس کے مجسموں کی ہوتی ہے تو وہ سکندر اعظم کی وفات کے بعد اس کے سپہ سالاروں میں جنگ کیسے ہوئی بتاتا جاتا ہے۔ پاؤ سانیاس کے اس سفرمانے میں اسکی فراہم کردہ معلومات بڑی حد تک معتبر ہیں اور اس نے جو کچھ دیکھا، سنا اسے وہ صحیح طور پر بیان کرتا ہے۔ یونان قدیم کی یادگاریں اور باقیات دیکھ کر اس کی نظر میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ بیسویں صدی میں یونان میں آثاریاتی تحقیق میں گراں قدر پیش رفت ہوئی مگر بہت سی نئی دریافتوں نے پاؤ سانیاس کے مشاہدے کی تصدیق کی ہے۔ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ ''بیان یونان'' کے عدم موجودگی کی صورت میں پتہ بھی نہیں چل سکتا تھا کہ یونان کے بہت سے کھنڈر اصل میں کہاں واقع ہیں۔

بیان یونان میں یادگار عمارتوں، مقبروں، مجسموں اور دیگرفن پاروں پر مکمل معلومات

وہ ان ندیوں، سڑکوں اور دیہاتوں کا ذکر بھی کرتا ہے جو اس کے راستے میں آ جاتے ہیں۔ بعض مرتبہ وہ مختلف علاقوں میں خاص طور پر دستیاب ہونے والی اشیا کے نام بھی گنوا دیتا ہے مثلاً اس نے ہومیتیس کے شہد، فوکس میں کے فی سس کے مقام پر نظر آنے والے تلواروں، شاہ بلوط کے درختوں اور دیوہیکل کچھوؤں کا ذکر کیا ہے تاہم اسے عام طور پر کسی جگہ کے باشندوں یا معاشاتی پہلوؤں سے بہت کم دلچسپی ہے۔ اس کا زیادہ لگاؤ نرالی رسومات یا توہمات سے ہے اوران کی تفصیلات سے یہ سفرنامہ بھرا پڑا ہے جیسے جدید دور کے سفرنامے بعض اوقات عشقیہ افسانوں سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

(6)

399ء۔فاہیان

بدھ مت کا نمائندہ سیاح

پانچویں صدی عیسوی کا مشہور چینی سیاح جس نے اپنی سیاحت کے حالات کو ایک سفر نامے کی شکل دی جو ایک تاریخی دستاویز بن گیا......

فاہیان ایک چینی سیاح کا مذہبی نام ہے۔اس سیاح نے پانچویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہندوستان کا سفر کیا تھا۔یہ بدھ مت کا پیروکار تھا اور چین کے صوبے شانسی میں پیدا ہوا۔اس کا اصل نام سنی ہی تھا مگر مذہب سے لگاؤ کی وجہ سے وہ چین میں فاہیان اور فاہیانگ کے عرفی نام سے اور برصغیر پاک وہند میں صرف فاہیان کے نام سے جانا جاتا ہے۔

تین سو سال گذرنے کے باوجود بدھ مت کی علمی اور مذہبی معلومات کی کمی

جب فاہیان پیدا ہوا اس وقت چین میں بدھ مت کو متعارف ہوئے اگر چہ تین سو سال کا عرصہ گذر چکا تھا اور اس کے پیروکاروں کی تعداد بھی کافی بڑھ چکی تھی۔سب سے بڑھ کر یہ کہ اس مذہب کو فاہیان کے زمانے میں چین میں سرکاری سرپرستی حاصل تھی جو بعد کے زمانے میں مفقود رہی۔تین سو سال گذرنے کے باوجود اس کی علمی اور مذہبی معلومات لوگوں میں بہت کم تھیں۔اس کی وجہ یہ تھی کہ بدھ مت کا تعلق ہندوستان سے ہونے کی وجہ سے اس کے متعلق زیدہ تر کتب سنسکرت زبان میں تھیں اور چین میں بہت کمیاب تھیں جس کی وجہ سے چین میں لوگ بدھ مت کے بارے میں سنی سنائی باتوں پر یقین رکھتے تھے جس سے یہ مذہب عجیب وغریب بدعتوں کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔

سفر کرنے کا مقصد

انھیں حالات کی وجہ سے فاہیان نے، جو اس مذہب سے بے حد لگاؤ رکھتا تھا، ہندوستان کا سفر کرنے کا ارادہ کیا تا کہ بدھ مت کے متعلق سنسکرت زبان کی کتابیں اکٹھی کر کے چین لائے جن سے چینی لوگوں کو بدھ مت کے عقائد کے بارے میں صحیح معلومات فراہم ہوں اور وہ اپنے عقائد درست کر سکیں تاہم اس زمانے میں چین سے ہندوستان تک کا سفر بھی جوئے شیر

سے کم نہیں تھا اگرچہ چین ہندوستان کا ایک ہمسایہ ملک ہے لیکن ان دونوں کے درمیان کا فاصلہ بہت ہے۔ دوسرے فاہیان کے زمانے میں دونوں ملکوں کے درمیان سفر کرنے کا کوئی وسیلہ یا شاہراہ موجود نہیں تھی۔ راستے انتہائی پرخطر اور پہاڑی تھے۔ اگر ایک انسان ایسے سفر کے لیے کمر باندھتا تو اسے یہ خوف لاحق رہتا کہ شاید اسے واپس گھر لوٹنا نصیب نہ ہو سکے گا۔

صحرا میں بدروحوں کی موجودگی

فاہیان کے راستے میں یہ یہ سب رکاوٹیں موجود تھیں۔ سب سے بڑی مشکل صحرائے گوبی کو عبور کرنا تھا جسے طے کیے بغیر ہندوستان پہنچنا ناممکن تھا۔ یہ صحرا چین میں جنوبی مانچوریا سے صوبہ سنکیانگ تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کا رقبہ چار لاکھ اسی ہزار مربع کلومیٹر ہے جو پاکستان کے پورے رقبے کے برابر ہے۔ یہ لق و دق صحرا ہے اور ہر زمانے میں اسے عبور کرنا انتہائی مشکل کام رہا ہے۔ فاہیان کے زمانے میں بھی ایسا ہی تھا۔ فاہیان نے اپنے سفرنامے میں اس صحرا کے بارے میں لکھا ہے کہ اس صحرا میں ہر قسم کی بدروحیں پائی جاتی ہیں۔ تیز ہوائیں، آندھیوں کی شکل میں چلتی ہیں جن کا مقابلہ آسان نہیں اور اکثر مسافران حالات سے دو چار ہو کر مر جاتے ہیں۔ دو دو دن تک انسان تو انسان کوئی چرند پرند بھی نظر نہیں آتا۔

دنیا کی چھت

فاہیان 399 عیسوی میں ہندوستان کے سفر پر نکلا۔ اس وقت چین پر شہنشاہ یوہسنگ کی حکومت تھی۔ فاہیان مختلف شہر سے گذرتا ہوا صحرائے گوبی میں داخل ہو گیا اور ہزار ہا میل کا پرخطر سفر طے کر کے چین کے شہر ختن پہنچا۔ یہ شہر اس زمانے میں صحرا کے کنارے آباد تھا۔ اس شہر کا ہم نام دریائے ختن ہے جو اس شہر کو سیراب کرنے کے بعد آگے جا کر صحرا کی ریت میں جذب ہو جاتا ہے۔ ختن سے ہوتا ہوا فاہیان یارقند اور کاشغر پہنچا۔ یہاں سے بلند و بالا اور دشوار گذار پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہوا جن پر موسم گرما میں بھی برف جمی رہتی ہے۔ تاہم صحرا کی طرح یہاں راستہ غائب تو نہ تھا مگر اتنا دشوار گذار تھا کہ اس پر چلنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ یہ دنیا کی چھت کہلانے والے پامیر کے پہاڑوں کا سلسلہ تھا۔ ہر قدم پر ایک نئی مشکل کا سامنا پڑتا تھا۔ کہیں کوئی اونچی چٹان راستہ روکے کھڑی تھی تو کہیں برفانی گلیشیر راستہ کو دشوار گذار بناتے تھے۔

پاکستان کے علاقے میں دو سالہ قیام

تاہم فاہیان ان مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے آگے بڑھتا رہا اور پامیر کے سلسلہ کوہ کے بعد اس نے ہندوکش کے دشوار گذار پہاڑ کو سر کیا۔ آخر تین سال کے طویل اور کٹھن سفر کے بعد وہ برصغیر میں داخل ہوا۔ پاکستان کے شمالی علاقے صوبہ سرحد اور سوات اشوک اعظم کے زمانے میں بدھ مت کے مرکز چلے آتے تھے۔ فاہیان پشاور میں کافی عرصہ ٹھہرا جو اس زمانے میں پرشاپور کہا جاتا تھا۔ پھر پشکل وتی (چارسدہ) سے ہوتے ہوئے وہ ٹیکسلا پہنچا۔ فاہیان دو سال یہاں رہا۔

حضرت آدمؑ کے قدموں کا نشان

قدیم پاکستان میں بدھ مت کے متبرک مقامات کی زیارت کرتا ہوا فاہیان پنجاب سے گذر کر وسطی ہندوستان پہنچا وہاں اس نے بدھ مت کے پیروؤں کی حالت اچھی نہ پائی جیسے قدیم پاکستان کے علاقوں میں تھی۔ ہندوستان پر ان دنوں گپتا خاندان کی حکومت تھی۔ فاہیان وسطی ہند کے شہر پاٹلی پتر میں تقریباً دو سال قیام پذیر رہا۔ یہاں اس نے سنسکرت سیکھی اور بدھ مت کے متعلق سنسکرت کی کئی کتابوں کا ترجمہ بھی چینی زبان میں کیا پھر وہ بنگال کی سیاحت کے لیے گیا جو، اب بنگلا دیش ہے۔ یہاں وہ مدنا پور کے شہر ''تمرلی پتی'' میں ٹھہرا۔ یہاں اس نے بدھ مت کی کئی کتابیں پڑھیں اور مہاتما بدھ کے مجسموں کے خاکے تیار کیے۔ بنگال سے فاہیان سری لنکا پہنچا۔ یہ جنوبی ہندوستان کے ساحل کے قریب ایک مشہور جزیرہ ہے۔ سری لنکا ان دنوں بدھ مت کا مرکز تھا۔ اس لیے فاہیان نے یہاں دو سال قیام کر کے بدھ مت کے متعلق علم کا اکتساب کیا۔ کہتے ہیں سری لنکا میں مہاتما بدھ کے پاؤں کا نشان ایک پہاڑ پر موجود ہے جبکہ مسلمان اسے حضرت آدمؑ کے قدموں کا نشان کہتے ہیں۔ فاہیان نے اس کی زیارت خصوصی طور پر کی۔ فاہیان نے گپتا دور کے ہندوستان کی جو تصویر اپنے سفرنامے میں پیش کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ کہ ان دنوں برصغیر میں خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ اس نے بدھوں اور ہندوؤں میں کھچاؤ کا ذکر بھی کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے ہندو اس زمانے میں بھی دوسرے مذہبوں کے بارے میں تنگ دل تھے۔

فاہیان دو سال سری لنکا میں ٹھہرنے ے بعد سمندر کے راستے وطن واپس ہوا۔ راستے میں اس کا بحری جہاز ایک سمندری طوفان میں گھر گیا اور تباہ ہوگیا۔ یہ طوفان اسے انڈونیشیا کے جزیرے سماٹرا لے گیا جہاں سے وہ چین روانہ ہوا۔ 14 سال تک وہ برصغیر کی سیاحت کے بعد 413ء میں واپس چین پہنچا اور اپنے ساتھ بدھ مت کے متعلق سینکڑوں کتابیں ترجمہ کر کے ساتھ لے گیا۔ اس کا یہ سفر اس وجہ سے اہم تسلیم کیا جاتا ہے کہ کہ وہ بدھ مت کے بارے میں بہت سا مواد اس کے ساتھ چین پہنچ گیا۔

(7)

602ء - ہیون سانگ

دنیا کا ایک اور مشہور چینی سیاح

سری لنکا کے سفر میں اسے بحری قزاقوں نے گرفتار کر لیا۔ وہ کالی دیوی کے پجاری تھے۔ وہ اسے کالی دیوی کی بھینٹ چڑھانا چاہتے تھے۔ قریب تھا کہ وہ اسے ذبح کر دیں کہ اس نے عبادت کرنے کی مہلت مانگی۔ ابھی عبادت سے فارغ نہ ہوا تھا کہ سمندر میں طوفان آ گیا اور بحری قزاقوں نے اسے چھوڑ دیا۔

ہیون سانگ ایک اور مشہور چینی سیاح کا نام ہے۔ اس چینی سیاح نے ساتویں صدی عیسوی میں برصغیر پاک و ہند کی سیاحت کی تھی اور وہ یہاں کئی سال تک مقیم بھی رہا تھا۔ اس نے برصغیر کے تقریباً تمام شہروں کو خوب گھوم پھر کر دیکھا تھا۔ اس نے ایک سفرنامہ بھی لکھا تھا جو اس زمانے کے ہندوستانی معاشرے کی ایک صاف اور واضح تصویر کی حیثیت رکھتا ہے۔

مذہب کی تبدیلی

ہیون سانگ کو چین میں یوآن چانگ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ وہ 604ء میں چین کے صوبہ ہونام کے ایک مقام چن لیو، موجودہ کیفنگ میں پیدا ہوا اور اس نے 664ء میں چنگن کے قریب ایک خانقاہ میں وفات پائی۔ اس کا تعلق چین کے ایک علمی خاندان سے تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ایسے لوگوں کی صحبت نصیب ہوئی جو علم سے محبت کرتے تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ چین کے ایک مقبول عام کنفیوشس مت کا پیروکار بن گیا مگر اس کے بڑے بھائی کی کوششوں سے اس نے چند سال بعد بدھ مت کو قبول کر لیا اور بدھ مت کی تعلیم کے حصول کے لیے چین کے کئی شہروں کا سفر بھی کیا۔

بدھ مت کے علمی مسائل کا حل صرف ہندوستان میں

ہیون سانگ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو اس زمانے میں چین کی بادشاہت میں تبدیلی رونما ہوئی۔

پرانے شاہی خاندان کی جگہ ایک نیا شاہی خاندان برسراقتدار آ گیا جس کے بعد ملک میں بدامنی پھیل گئی۔ ہیون سانگ کو اپنے بھائی کے ساتھ اپنا گاؤں چھوڑ کر ایسے علاقے کی طرف ہجرت کرنا پڑی جہاں بدامنی نہ تھی۔ یہ دونوں بھائی کئی شہروں کے بعد شوچی نامی شہر میں آباد ہو گئے۔ اس شہر میں ہیون سانگ کو بدھ مت کے متعلق کتابیں پڑھنے کا موقع ملا اور مذہب کے بارے میں اس کا علم بہت وسیع ہو گیا مگر چونکہ بدھ مت نے ہندوستان میں جنم لیا تھا اس لیے اس مذہب کا کتابی علم اب بھی ہندوستان میں بہت زیادہ تھا۔ ہیون سانگ نے مذہب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے یہ ضرورت محسوس کی کہ اسے ہندوستان کے ذخیرہ علم سے بالضرور استفادہ حاصل کرنا چاہیے۔ اس کے نزدیک بدھ مت کے علمی مسائل کا حل صرف ہندوستان میں موجود تھا۔ اس لیے اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ہندوستان جا کر نہ صرف بدھ مت کے متعلق مزید کتابیں پڑھے بلکہ انھیں ترجمہ کر کے چین لائے۔

مغربی پاکستان کے شمالی علاقوں کا سفر

اس زمانے میں ہندوستان پہنچنا کوئی آسان کام نہ تھا اور ہزاروں کلومیٹر کا پرخطر سفر کر کے ہندوستان پہنچا جا سکتا تھا۔ ہیون سانگ کو اس سفر کے طویل اور پرخطر ہونے کا علم تھا مگر وہ ان مشکلات سے ڈر کر بددل نہ ہوا اور ایک دن بدھ بھکشوؤں کا زرد زعفرانی لباس پہن کر وہ چین کے شہر لان چاؤ سے اپنے سفر پر نکل کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے سفر کا آغاز دیوارِ چین کے مغربی کونے سے کیا تھا۔ اس سفر میں اس کے ہم سفر اس کا گھوڑا اور مختصر سفری سامان کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس کے دل میں بدھ مت کی محبت اور علم کی لگن بھی اس کی ساتھی تھی۔ لان چاؤ سے روانہ ہو کر وہ قدیم تجارتی شاہراہ ریشم پر سفر کرتا ہوا تان شان کے پہاڑی سلسلے کو عبور کر کے صحرائے گوبی پہنچا اور وہاں سے ختن، یارقند اور کاشغر سے گزرتے ہوئے اس نے پامیر کے کوہستانی سلسلے کو عبور کیا اور کوہ ہندوکش کے دشوار گزار راستوں پر سفر کرتا ہوا مغربی پاکستان کے شمالی علاقوں تک پہنچا۔

فاہیان اور ہیون سانگ کے درمیانی زمانے میں صحرائے گوبی کے خطرات میں کچھ کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ صرف رونما ہونے والی واحد تبدیلی یہ تھی کہ چین کے شہنشاہوں نے صحرائے گوبی میں جہاں جہاں نخلستان واقع تھے وہاں وہاں حفاظتی برج تعمیر کر دیے تھے۔ یہ برج خصوصی طور پر غیر ملکیوں کے چین میں داخل ہونے پر نظر رکھنے کے لیے تعمیر کیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ یہ صحرا میں سفر کرنے والے مسافروں کی راہنمائی بھی کرتے تھے اور مسافر ان برجوں سے اپنا راستہ پہچان لیتے اور ستا لیتے تھے۔

سوتیلی ماں کی سازش

ہیون سانگ کو بھی اس طویل سفر میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ لکھتا ہے کہ ایک نخلستان میں جب

وہ پانی کے چشمے سے پانی لینے کے لیے جھکا تو ایک تیر سنسناتا ہوا اس کے پاس سے گذرا۔ یہ تیر ایک حفاظتی برج میں سے ایک محافظ نے چلایا تھا۔ جب برج کے محافظوں کو بطور بھکشو اس نے اپنی پہچان کرائی تو انھوں نے اس کی تکریم کی اور دوسرے برج کے محافظوں کے نام خط بھی دیے۔ پھر ان سب خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہیون سانگ 633 عیسوی میں پرش پور یعنی پشاور پہنچا۔ یہاں کچھ دن ٹھہر کر اس نے اردگرد کے علاقے میں بدھ مت کی پرانی خانقاہوں کی زیارت کی اور پھر ٹیکسلا کا رخ کیا۔ ٹیکسلا اس زمانے میں ہندوؤں کے ہاتھوں برباد ہو چکا تھا۔ ہیون سانگ ٹیکسلا کے برباد گلی کوچوں میں اور خانقاہوں اور اسٹوپوں میں اس کی نشان اور عظمت کے آثار تلاش کرتا رہا۔ وہ اس تالاب پر بھی گیا جہاں اشوک کے بیٹے کنال کی آنکھیں اس کی سوتیلی ماں کی سازش سے نکالی گئی تھیں۔ اس زمانے میں ہندوستان پر راجہ ہرش وردھن کی حکومت تھی۔ یہ راجہ بدھ مت کا پیروکار تھا۔ اسی کے عہد میں ہیون سانگ وسطی ہند کے سفر کے دوران نالندہ پہنچا اور وہاں اس نے وہاں کی یونیورسٹی میں قیام کیا۔ اس نے بنگال، آسام، راجھستان اور جنوبی ہند تک کی سیاحت کی۔ نالندہ میں رہ کر سنسکرت زبان پر عبور حاصل کیا۔ راجہ ہرش ہیون سانگ کو پریاگ لے گیا۔ پریاگ آج کل الٰہ آباد کہلاتا ہے۔ کچھ عرصہ ہندوستان رہ کر آخر ایک دن ہیون سانگ نے واپسی کا سفر اختیار کیا مگر اس سے پہلے اس نے بھی سری لنکا کی سیاحت کی۔ سری لنکا کے سفر میں اسے بحری قزاقوں نے گرفتار کرلیا۔ وہ کالی دیوی کے پجاری تھے۔ وہ اسے کالی دیوی کی بھینٹ چڑھانا چاہتے تھے۔ قریب تھا کہ وہ اسے ذبح کر دیں کہ اس نے عبادت کرنے کی مہلت مانگی۔ ابھی عبادت سے فارغ نہ ہوا تھا کہ سمندر میں طوفان آ گیا اور بحری قزاقوں نے اسے چھوڑ دیا۔

چین واپسی کا سفر کرنے سے کچھ پہلے اسے ایک حادثہ پیش آ گیا جس میں وہ بے موت مرنے سے ایک بار پھر بچا۔ دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے اس کی کشتی الٹ گئی اور اس کی کتابوں کا بڑا حصہ پانی کی نذر ہو گیا پھر بھی بہت سی کتابیں بچ گئیں جن کو لے کر وہ چین واپس پہنچا۔ ان کتابوں کے علاوہ اس کے ساتھ مہاتما بدھ کی دوسری یادگاریں بھی تھیں۔

(8)

838ء اینن کا سفر نامہ یا روزنامچہ

یہ پابندیاں صرف بدھ مت کے خلاف ہی نہیں بلکہ دوسرے ایسے مذاہب کے خلاف بھی عائد کی گئی تھیں جو بیرونی دنیا سے چین آئے تھے۔ ان مذاہب میں زرتشت، نسطوری عیسائیت بھی شامل تھی جبکہ اسلام اور کنفیوشیش ازم ان پابندیوں سے ماوراء تھے۔

دنیا کا پہلا جاپانی سیاح جو تانگ عہد کے چین کی سیاحت پر نکلا

بدھ مت سے تعلق رکھنے والا ایک جاپانی سیاح اینن Ennin تھا۔ اس نے اپنے چین کے سفر کو اپنے چار جلدوں پر مشتمل ایک روزنامچہ میں تحریر کیا۔ اس نے نویں صدی عیسوی کے تانگ شاہی سلطنت کے چین کی سیاحت کی تھی۔ اینن ان نو جاپانی راہبوں میں سے ایک تھا جنھوں نے اس عہد کے چین میں بدھ مت کی تعلیم پائی تھی۔ وہ چین کے سفر پر بدھ مت کے اہم مندروں کی زیارت کے لیے نکلا تھا اور اس نے 838ء سے 847ء تک تقریباً ساڑھے نو سال تک چین کی سیاحت کی تھی اور یہاں قیام کیا تھا۔ اس کے جاپانی زبان میں لکھے ہوئے اس روزنامچہ یا سفر نامے کا ترجمہ ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر علم التاریخ ایڈون اوریشور (Edwin O. Reischauer) نے کیا تھا اور اس کا عنوان اینن کا روزنامچہ Ennin`s Diary رکھا ہے جس کے ساتھ ذیلی عنوان The Record of A Pilgrimage for law یہ انگریزی ترجمہ 1955ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کتب کی دوسری جلد کا عنوان Ennin`s Travels in Tang China یا تانگ عہد کے چین کی سیاحت ہے۔ پہلی جلد میں اینن کے روزنامچے سے اقتباسات دیے گئے جبکہ دوسری جلد اس کے سیاحت نامے پر مشتمل ہے۔

چین کے متعلق ایک دستاویز کی حیثیت

اینن کی یہ کتاب ایک قیمتی تاریخی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ تاریخی سقم بھی پائے گئے

ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ جاپانی ابن بطوطہ کا سفر نامہ ہے۔ یہ اس زمانے کے چین کے متعلق ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے جس میں ایک غیر ملکی نے اس زمانے کے چین کے معاشرے کی تصویر پیش کی ہے۔ اینن نے اس زمانے کے چین کی مذہبی حالت اور عام شہری کی زندگی کے مختلف پہلو بیان کیے ہیں۔ اس کا یہ سفر نامہ اس زمانے میں چین میں بدھ مت کی حالت کا کھلا بیان ہے۔ اینن نے اس زمانے میں منعقد ہونے والی کئی مذہبی تقریبات کا آنکھوں دیکھا حال بھی درج کیا ہے جس سے ہمیں نویں صدی عیسوی میں بدھ مت کی مروجہ رسومات کے متعلق معلومات ملتی ہیں۔ اینن چین سے واپس جاتے ہوئے چینی زبان کی بدھ مت کے متعلق بہت سی کتابیں بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس کے علاوہ اسے اپنے سفر چین کے دورن تانگ حکومت کی طرف سے بدھ مت پر عائد کردہ پابندیوں کا سامنا بھی کرنا پڑا تھا۔ بدھ مت کے خاف یہ پابندیاں چین میں 842ء سے 846ء تک نافذ العمل رہی تھیں۔ اس کی کتابوں میں ہمیں اس زمانے کے کوریا کے بارے میں بھی معلومات ملتی ہیں۔ ان دنوں شمال مشرقی چین اور کوریا میں تجارت زوروں پر تھی۔ کوریا نے اس زمانہ میں مشرقی چین اور جاپان کے درمیان ہونے والی تجارت میں بھی اہم رول ادا کیا تھا۔

بدھ مت کے خلاف عائد کردہ پابندیاں

بدھ مت کا بائیکاٹ یا اس کے خلاف پابندیاں 845ء میں تانگ شہنشاہ ووزونگ (Wuzong) نے عائد کی تھیں۔ ان پابندیوں سے اس کا مقصد جنگ کے لیے سرمایہ حاصل کرنا اور چین کو غیر ملکی اثرات سے پاک کرنا تھا۔ یہ پابندیاں صرف بدھ مت کے خلاف ہی نہیں بلکہ دوسرے ایسے مذاہب کے خلاف بھی عائد کی گئی تھیں جو بیرونی دنیا سے چین آئے تھے۔ ان مذاہب میں زرتشت، نسطوری عیسائیت بھی شامل تھی جبکہ اسلام اور کنفیوشیش ازم ان پابندیوں سے ماوراء تھے۔ ان پابندیوں سے مراد بدھ مت کو بدعتوں سے پاک کرنا تھا اس کو مٹا دینا نہیں تھا۔ بدعتی ملزمان کو بدھ مت کے مذہبی عہدوں سے برخاست کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ جیسے جیسے تانگ شہنشاہ ووزونگ تاؤازم سے متاثر ہوا تھا اس کے دل میں بدھ مت کے خلاف نفرت پیدا ہوتی گئی تھی۔ اسی وجہ سے 844ء میں تانگ حکومت نے بدھ مت کو مٹا دینے کی کوششوں کا آغاز کیا تھا۔

رہبانیت کا امتحان

بدھ راہب اینن کا تعلق ایک جاپانی علم دوست خاندان میبو Mibu سے تھا۔ اس نے تعلیم کے حصول کے لیے ایک بدھ خانقاہ میں داخلہ لیا اور تقریباً 14 سال کی عمر میں رہبانیت کا امتحان پاس کر لیا۔ تقریباً 838ء میں وہ زائرین کی اس جماعت میں شامل ہو گیا جو چین میں بدھ مت کے متبرک مقامات کی زیارت کے لیے جا رہی تھی۔ اس جماعت میں کچھ ایسے جاپانی حکام بھی شامل تھے جو تانگ شاہی دربار میں سفیر مقرر کیے گئے تھے۔ ان کا چین تک کا یہ

بحری سفر انتہائی دلچسپ واقعات پر مشتمل ہے۔اس نے چین میں پانچ کردو چینی عالموں سے بدھ مت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور وہ کچھ عرصہ چینی صوبے شانکسی کے ایک پہاڑی علاقے Wutaishan میں مقیم رہا۔ یہ علاقہ بدھ مت مندروں کی وجہ سے مشہور تھا۔اس کے بعد وہ چین کے اس وقت کے دارالحکومت Chang`A.N کی سیاحت پر نکلا۔اس نے اپنے اس سیاحت میں بحر جنوبی چین میں ایک بحری سفر کا بھی ذکر کیا ہے۔ اینن چین میں ہی تھا کہ بدھ مت کے خلاف تانگ شہنشاہ ووزونگ 840ء میں تخت نشین ہوا۔اینن نے اپنے باقی ایام سیاحت اسی شہنشاہ کے عہد میں بسر کیے اور بدھ مت پر لگائی جانے والی پابندیوں کا سامنا کیا۔ 847ء میں وہ واپس جاپان پہنچا اور 854ء میں وہ جاپان میں بدھ مت کے ایک اعلیٰ مذہبی عہدے پر فائز کیا گیا۔اس عہدے پر فائز ہوکر اس نے ایسی مذہبی عمارات تعمیر کرائیں جن میں چین سے لائے گئے تبرکات اور کتابیں محفوظ کی گئیں۔

(9)

550ء ۔ کوماس

بازنطینی سیاح ہند

اس نے اپنی کتاب مقام نگاری میں دنیا کے متعلق جو کچھ لکھا ہے ان میں سے ایک اہم نظریہ یہ ہے کہ اس زمانے تک دنیا کو گول تسلیم نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اسے فلیٹ Flat مانا جاتا تھا اور آسمانوں کو ایک ابھرے ہوئے ڈھکن والے صندوق کی شکل کا سمجھا جاتا تھا۔

550ء میں بحر قلزم اور بحر ہند میں کیے گئے سفروں کی روئیداد

لاطینی زبان کے لفظ Indicopleustes کے معنی سیاح ہند یا مسافر ہند Indian voyager کے بنتے ہیں۔ یہ چھٹی صدی عیسوی کے ایک بازنطینی جغرافیہ نگار کوماس راہب Comas The Monk کے نام کا لاحقہ ہے۔ اس کی کتاب مسیحی جغرافیائی مقام نگاری Christian Topography بہت مشہور ہے۔ کوماس ایک بازنطینی تاجر تھا۔ اس نے چھٹی صدی عیسوی میں بحیرہ قلزم Red Sea کے راستے ہندوستان تک کئی تجارتی سفر کیے تھے۔ قسطنطنیہ یا بازنطیم میں ان دنوں شہنشاہ جسٹینین Justinian کی حکومت تھی۔ یہ کوماس مشہور زمانہ شامی انشاپرداز پلوٹارک ابا کا شاگرد تھا۔ اور مشرقی کلیسا پر ایمان رکھتا تھا۔

سفر

تقریباً 550 عیسوی کے لگ بھگ اس نے بحیرہ قلزم کے راستے کیے جانے والے ہندوستان سفروں پر ایک کتاب ''مقام نگاری'' Topography رقم کی تھی۔ یہ بحر ہند اور بحیرہ قلزم میں کیے گئے اس کے ذاتی تجارتی سفروں کا مرقع ہے۔ اس نے اپنی اس کتاب مین چھٹی صدی کے ہندوستان اور جزیرہ سراندیپ (سری لنکا) کی جو تفصیلات دی ہیں وہ مؤرخین کے لیے بہت بیش قیمت ہیں۔ کوماس نے اپنے ان تجارتی سفروں کے دوران براعظم افریقہ کے ساحل پر واقع ملکوں حبشہ اور افریقی سلطنت آکسوم Axum کی بھی سیاحت کی تھی۔

جہاں کالی مرچ اُگتی ہے

کلاسیکی ادب کے فن پاروں سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم ہندوستان اور سلطنت روما کے درمیان تجارتی روابط قائم تھے اور تقریباً پہلی صدی قبل از مسیح سے ہندوستان اور روما کے درمیان باضابطہ طور پر تجارت کی جارہی تھی۔ کوماس کی مرتب کردہ یہ کتاب ایک ایسے سیاح کا سیاحت نامہ ہے جس نے ذاتی طور پر ہندوستان کے یہ سفر کیے تھے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے ہندوستان کے مقامات اور حالات کا مشاہدہ کیا اور پھر پوری سچائی سے انھیں صفحات پر منتقل کردیا۔ 522 عیسوی میں اس نے ہندوستان کے مالابار ساحل کی سیاحت کی جو جنوبی ہندوستان کا ساحل ہے۔ وہ دنیا کا پہلا سیاح ہے جس نے ہندوستان کے آج کے صوبے کیرالا میں شامی عیسائیوں کو آباد دیکھا تھا۔ اس نے جزیرہ سراندیپ (سری لنکا) میں بھی ایک مسیحی عبادت گاہ یا چرچ دیکھا تھا۔ اس کے علاوہ وہ لکھتا ہے جہاں کالی مرچ اُگتی ہے ان جزائر پر بھی عیسائی رہتے تھے۔ اس نے اپنی کتاب مقام نگاری میں دنیا کے متعلق جو کچھ لکھا ہے ان میں سے ایک اہم نظریہ یہ ہے کہ اس زمانے تک دنیا کو گول تسلیم نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اسے فلیٹ Flat مانا جاتا تھا اور آسمانوں کو ایک ابھرے ہوئے ڈھکن والے صندوق کی شکل کا سمجھا جاتا تھا۔ وہ ہمیں یونانی ماہرین فلکیات جن میں بطلیموس اور کئی دوسرے شامل ہیں اکتایا ہوا نظر آتا ہے کیونکہ وہ زمین کو گول مانتے تھے۔ وہ اپنی کتاب میں اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ مسیحی عہد سے پہلے جو جغرافیہ نگار یا ماہرین فلکیات ہو گذرے ہیں وہ سب مسیحی نظریات کے مقابلے میں غلط نظریات کے حامل تھے اور اسی وجہ سے زمین کو گول سمجھتے تھے جبکہ یہ حقیقتاً یہ توریت میں بیان کردہ چوکور تابوت کی شکل کی ہے تاہم آج ہم جانتے ہیں کہ اس کے نظریات خود غلط تھے۔ شاید اسی وجہ سے اس کی تحریر متاثر کن نہیں رہی۔ اس کے ہم عصروں میں جان فلوپونس (John Philo Ponus) اس کے نظریات سے متفق نہیں تھا۔ اسی طرح اس دور کے کئی مسیحی فلسفی بھی اس کے نظریات سے متفق نہیں تھے مگر ان غلط نظریات کو پیش کرنے کے باوجود کوماس جغرافیائی طور پر بہترین راہنمائی کرتا ہے اور اس کی جغرافیہ نگاری انتہائی دلچسپ اور قابل بھروسہ ہے۔ وہ ہمیں اپنی آنکھوں سے ایک ایسا دنیا دکھاتا ہے جو آج موجود نہیں ہے۔ اس نے بحیرہ قلزم کے ساحل پر واقع آج کے اریٹریا Eritrea کی بھی سیاحت (525ء) کی تھی۔ اس زمانہ میں وہاں کا بادشاہ اکثوم کسی جنگی مہم کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ وہ یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس پر حملہ کرنا چاہتا تھا جو مسیحیوں پر ظلم وتشدد روا رکھے ہوئے تھا۔

(10)

941ء-951ء المسعودی

مسلم مؤرخ اور سیاح کا دورِ سیاحت

ایک تو وہ عجائبات عالم دیکھنا چاہتا تھا اور سیر و فی الارض کی عملی تفسیر پیش کرنے کا قائل تھا۔ دوسرے
اس کا نظریہ یہ تھا کہ حقیقی علم صرف ذاتی تجربے اور سفری مشاہدے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

عہدِ اسلامی کا ہیروڈوٹس جس نے سیاحت بھی اسی کی طرح کی اور تاریخ بھی لکھی۔

ابوالحسن علی ابن الحسین ابن علی المسعودی ایک مسلم مؤرخ کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، تاہم وہ ایک سیاح بھی تھا اور اس نے نہ صرف دنیائے اسلام بلکہ مشرق بعید کے ملکوں کی سیاحت بھی کی۔ المسعودی کے تذکرہ نگاروں کے مطابق وہ 896ء میں بغداد میں پیدا ہوا اور اس نے مصر کے مشہور شہر الفسطاط میں وفات پائی۔ مؤرخین کے مطابق اس نے ستمبر، اکتوبر 957ء میں وفات پائی تھی۔

المسعودی نے نوعمری ہی میں سیاحت کا آغاز کر دیا تھا۔ وہ بغداد سے تقریباً 915ء میں روانہ ہوا اور اس نے بقیہ زندگی سیر و سیاحت میں گذار دی۔ 941ء تک وہ خراسان، سجستان، کرمان، فارس، قومیس، جرجان، طبرستان، جبال (میڈیا) خورستان عراق، الجزیرہ (میسو پوٹیما کے نصف شمالی) کی سیاحت کر چکا تھا۔ 941ء سے 956ء کے درمیانی عرصہ میں اس نے شام، یمن، حضر موت شحر اور مصر کا سفر کیا۔ اس کے علاوہ وہ سندھ، ہند اور مشرقی افریقہ کے سفر پر بھی نکلا اور اس نے عالمی سمندروں میں سے بحیرہ خزر (Copaian Sea) بحیرۂ احمر (Red Sea) بحرہ روم (Meditrenian) اور بحیرہ عرب (Arabian Sea) کے پانیوں کی سیاحت بھی کی۔ اگرچہ اس کی دستیاب تصنیفات سے اس کے ہند چینی، چین اور جاوا کے سیاحت کے دعوؤں کی تصدیق نہیں ہوتی مگر یہ واقعہ ہے کہ اس عالمی سیاح نے کرہ ارض کے ان حصوں کی ہی نہیں بلکہ بعض محققین کے مطابق سری لنکا (جزیرہ سراندیپ)، مڈغاسکر اور تبت

کی سیر بھی کی تھی۔ المسعودی نے اپنی عمر کا آخری حصہ مصر میں بسر کیا۔ اس کی سفری مہمات کے دو بڑے محرکات سامنے آتے ہیں۔ ایک تو وہ عجائبات عالم دیکھنا چاہتا تھا اور سیر و فی الارض کی عملی تفسیر پیش کرنے کا قائل تھا۔ دوسرے اس کا نظریہ یہ تھا کہ حقیقی علم صرف ذاتی تجربے اور سفری مشاہدے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

کثیر التصانیف (30 جلدوں کا) مصنف

المسعودی کی دستیاب تصانیف سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک کثیر التصانیف مصنف بھی تھا اور اس نے کم و بیش 37 کتابیں تصنیف کی تھیں۔ مصنف کی حیثیت سے وہ ایک وسیع المشرب شخصیت ہے اور تاریخ اور جغرافیہ سے لے کر علوم فقہ اور دینیات، علم الانساب اور فن نظامت و حکمرانی تک کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کی تمام تر تصانیف میں سے صرف دو ہم تک پہنچی ہیں۔ ان میں سے ایک اس کی شہرۂ آفاق تصنیف مروج الذہب و معاون الجواہر" ہے جو نومبر دسمبر 947ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی تھی اور اپنی ذاتی زندگی کے آخری سال یعنی 956ء میں نے اس پر نظر ثانی کی تھی۔ المسعودی کی دوسری تصنیف جو دستیاب ہے وہ "التنبیہ والاشراف" ہے جو المسعودی کی وفات سے ایک سال پہلے مکمل ہوئی تھی۔ المسعودی کا سب سے بڑا علمی کارنامہ "کتاب اخبار الزمان و من آبادہ لحد ثان" ہے۔ اس کتاب میں اس نے اپنی سیاحت کے نچوڑ کے طور پر دنیا کی تاریخ اور جغرافیہ عالم کا جائزہ پیش کیا ہے۔۔ یہ کتاب تیس جلدوں میں تصنیف کی گئی تھی جن میں سے صرف جلد اول زمانے کی دستبرد سے محفوظ رہ گئی ہے جو آسٹریا کے دارالحکومت ویانا کی ایک لائبریری میں محفوظ ہے جبکہ برلن، جرمنی میں بھی اس کے ایک قلمی نسخے کا سراغ لگا ہے۔

المسعودی معتزلہ مکتب فکر سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا جھکاؤ شیعہ ازم کی جانب زیادہ تھا۔

انسانی نسلوں کی تاریخ کا احاطہ

المسعودی بحیثیت مؤرخ قرن وسطی کے عرب مؤرخین میں سب سے ممتاز ہے۔ اس کا نظریہ تھا کہ کسی قوم کی تاریخ کی حقیقی اور معروضی عکاسی کے لیے مؤرخ کو اس ملک میں دستیاب بنیادی ذرائع سے اکتساب کرنا چاہیے اور زبانی روایات پر انحصار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان سے حقائق کے مسخ ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اپنی تاریخ عالم قلم بند کرتے ہوئے اس نے نہ صرف عربی کتب تاریخ سے استفادہ کیا بلکہ اس نے اپنی سیاحت کے دوران مختلف ممالک اور ان کے بادشاہوں کے متعلق جو معلومات اکٹھی کی اس کو بھی مواد کے طور پر اس میں شامل کیا۔ وہ طلوع اسلام سے چوتھی صدی ہجری تک کی اسلامی تاریخ پر روایتی انداز میں بحث کرنے کے ساتھ ساتھ قبل از اسلام کی اہم اقوام عالم اور انسانی نسلوں کی تاریخ کا جائزہ بھی لیتا ہے۔ اس نے بازنطینی سلطنت، یورپی اقوام، ہندوستان اور چین کی ہم عصر تاریخ کا احاطہ کرنے کی بھی بھی المقدور کوشش کی ہے۔ علم تاریخ کے ضمن میں وہ سائنسی اور معروضی زاویہ نگاہ رکھتا تھا۔

جغرافیائی حالات سے مکمل آگاہی

المسعودی چونکہ ایک سیاح تھا اس لیے وہ کسی خطے کی تاریخ لکھنے سے پہلے اس خطے کے جغرافیہ کے خدوخال ضرور پیش کرتا ہے اور تاریخ عالم کو بیان کرنے سے پہلے جغرافیہ عالم کا بالتفصیل جائزہ لیتا ہے۔ وہ اس جغرافیائی نظریہ کی حمایت کرتا ہے کہ کسی خاص خطے کے جغرافیائی حالات اس خطے کے جانوروں اور پودوں کے کردار، مزاج، ساخت اور رنگ وروپ سے تعبیر ہیں۔ وہ عربی مترجموں کی وساطت سے یونان، ایران اور ہندوستان کے جغرافیائی حالات، نظریات وتصورات سے مکمل آگاہی رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے عہد کے جغرافیائی عربی لٹریچر سے خوب واقفیت حاصل کی تھی۔ اس نے اپنے عہد کے جغرافیہ دانوں کی پیدا کردہ الجھنوں کی جابجا تصحیح بھی کی۔ وہ خیال کرتا تھا کہ بحر ہند سوائے مشرق کے تمام اطراف سے خشکی سے گھرا ہوا ہے اور مشرق میں وہ ایک آبنائے سے بحر الکاہل سے مل جاتا ہے۔

(11)

973ء۔ابن حوقل

مشہور زمانہ عرب سیاح اور مصنف

ابن حوقل کی مشہور زمانہ کتاب ''صورۃ الارض'' پہلی اسلامی اٹلس

ابوالقاسم محمد بن الحوقل کے حالات زندگی مکمل تفصیلات سے نہیں ملتے۔اس کے بارے میں صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ترکی کے موجودہ شہر نصیبین میں پیدا ہوا تھا۔اس کی زندگی کا بیشتر حصہ دسویں صدی عیسوی کے نصف دوم میں گذرا۔وہ ایک جغرافیہ دان اور سیاح کے طور پر مشہور ہے۔

معلومات کا تبادلہ

پیشہ کے اعتبار سے ابن حوقل ایک سوداگر تھا اور مختلف اشیا کی خرید وفروخت کے لیے شہر شہر قریہ قریہ گھومتا تھا۔ بعض تذکرہ نگاروں کے نظریہ کے مطابق وہ ایک فاطمی مبلغ دین تھا اور فاطمی مسلک کی تبلیغ کے لیے دوردراز کے علاقوں کا سفر کرتا تھا۔اس کے علاوہ بعض مؤرخین نے اسے ایک فاطمی یا اسمٰعیلی جاسوس بھی بتایا ہے۔اس نے اپنے طویل سیاحتی سفر کا آغاز 043ء میں کیا اور اس وقت کی دنیائے اسلام کے تفصیلی دورے پر نکلا۔ 947ء اور 951ء کے درمیانی عرصے میں وہ شمالی افریقہ کی سیاحت پر تھا۔اس دوران اس نے صحارا اور سپین کے کچھ حصوں کی سیاحت بھی کی۔سپین میں اس کی ملاقات ایک یہودی طبیب حسدائی ابن شپروت سے ہوئی جو عبدالرحمٰن الثالث کا وزیر تھا۔اس نے ابن حوقل کو شمالی یورپ کے ممالک کے متعلق جغرافیائی معلومات فراہم کی جبکہ اس کے عوض مشرق میں بسنے والے یہودیوں اور خزروں کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔955ء کی درمیانی مدت میں اس نے ایران وعراق کا سفر کیا۔اس کے بعد وہ وسطی ایشیا میں ماوراءالنہر اور خوارزم کی سیاحت کرنے کے لیے پہنچا۔973ء میں وہ سسلی یا صقلیہ میں تھا۔اس نے برصغیر پاک وہند میں ملتان اور دیگر شہروں کی سیاحت بھی کی۔

ابن حوقل نے علم جغرافیہ پر ایک کتاب ''کتاب المسالک والمما لک'' لکھی تھی۔اسے کتاب ''کتاب

صورۃ الارض World, Map of the کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ محققین نے اسے اولین اسلامی اٹلس قرار دیا ہے۔ یہ کتاب اس کے پیشرو جغرافیہ دان الاصطخری کی کتاب سے بہت مشابہ ہے۔ غالباً الاصطخری کی کتاب سے ہی ابن حوقل اپنی کتاب لکھنے کی طرف مائل ہوا تھا۔ دراصل وہ الاصطخری کی تصنیف پر نظرثانی کرنا چاہتا تھا، تاہم اس کی اس تصنیف کا بیانیہ حصہ پہلے مصنفین کی کتابوں سے بہت بہتر ہے۔ ابن حوقل نے کتاب صورۃ الارض میں سوڈان، ترکی، تو بیہ اور جنوبی اٹلی کے غیر مسلم خطوں کی جغرافیائی تفصیلات بھی شامل کی ہیں۔ واقعات کے تسلسل اور ان کی تاریخوں کے تسلسل کے ضمن میں اس نے بعض اغلاط کی تصحیح بھی کی ہے۔ خام اشیا اور ان کے معاشی مفاد کے متعلق معلومات بھی فراہم کی ہیں۔ معاشی یا اقتصادی ایک ایسا موضوع ہے جو اس کے پیشرو مصنفین کی تصانیف میں نہیں ملتا، تاہم اپنی اس کتاب میں شامل کردہ نقشوں کو ترتیب دیتے وقت ابن حوقل نے اس امر کو ملحوظ نہیں رکھا کہ ان نقشوں کی مدد سے اس کا قاری کتاب میں ذکر کیے گئے خطوں اور سمندروں کے محل وقوع کے متعلق کیسے جان سکے گا۔ یاد رہے کہ کتاب صورۃ الارض میں ابن حوقل نے دنیائے اسلام اور دنیا کے دیگر خطوں کے جو نقشے دیے ہیں وہ اولین اسلامی نقشہ نویسی کے نمونے ہیں۔ ان کے ساتھ اس نے ان کی تفصیلات بھی درج کی ہیں۔ ابن حوقل کی اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ جس پر سن کتابت 1086ء درج ہیں استنبول میں توپ قپی میوزیم کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

ابن حوقل اور الاصطخری کی کتابوں میں جو واضح فرق ہے وہ یہ ہے کہ ابن حوقل بازنطینی سلطنت کے بعض حصوں کے ساتھ ساتھ سپین، سسلی اور شمالی افریقہ کے متعلق بھی جغرافیائی معلومات فراہم کرتا ہے جبکہ الاصطخری زیادہ تر اسلامی ممالک تک محدود رہتا ہے۔ اس کے علاوہ ابن حوقل نے شام اور مصر کے متعلق بھی اپنی کتاب میں بڑی تفصیلات درج کی ہیں جو الاصطخری کی کتاب میں نہیں ملتیں۔ اصطخری کا کام محض نقشوں پر تبصرے کے مترادف ہے جبکہ اس کی دلچسپی بھی صرف نقشوں تک محدود تھی۔ جب اس کی ملاقات ابن حوقل سے ہوئی تو دونوں نے اپنے تیار کردہ نقشوں کا تقابلی جائزہ لیا۔ ابن حوقل کے مطابق اصطخری کے تیار کردہ نقشوں میں بہت سے سقم رہ گئے تھے۔ اسی وجہ سے اصطخری نے اپنی کتاب ابن حوقل کو نظرثانی کرنے کے لیے دی تھی مثلاً اصطخری کے تیار کردہ سندھ کا نقشہ پر از نقائص تھا جبکہ ابن حوقل کا تیار کردہ آذربائیجان کا نقشہ بالکل ٹھیک تھا۔ پھر ابن حوقل نے اصطخری کے نقشوں پر تبصرہ نگاری کرنے کی بجائے اگلا قدم اٹھایا اور ہر خطے کی باقاعدہ جغرافیائی معلومات اپنی کتاب میں درج کیں جس سے وہ علم جغرافیہ کی ایک بہترین کتاب کی شکل اختیار کرگئی۔

(12)

922ء - ابن فضلان

شمالی یورپ اور اسکینڈے نیویا کا پہلا مسلم سیاح

ابن فضلان نے لکھا ہے کہ خود شاہ بلغار بھی اسلامی طریق پر عبادت کرنے یا نماز کی ادائیگی میں غلطی کا مرتکب ہوا تھا، ابن فضلان کے مطابق چونکہ وہ ایک فقیہ تھا اس لیے اسے غلط طریق پر عبادت کرنے پر سخت غصہ آیا تھا۔ اس کے مطابق یہ لوگ گمراہی کا شکار تھے۔

وولگا کے بلغاری بادشاہ کے دربار میں بھیجا جانے والا سفیر

احمد بن فضلان ابن العباس بن راشد بن حماد، عرب مصنف اور اس سفارت کے حالات کے مؤلف جسے خلیفہ المقتدر نے وولگا Volga کے بلغاری بادشاہ کے دربار میں خود اس کی سرکردگی میں بھیجا تھا۔ ابن فضلان چونکہ خلیفہ المقتدر باللہ اور فاتح مصر محمد بن سلیمان کے متوسلین میں سے تھا، لہٰذا مؤرخین نے یقین سے لکھا ہے کہ وہ عربی النسل نہیں تھا۔ بظاہر وہ خلیفہ کی طرف سے بھیجی گئی اس سفارت میں ایک فقیہ اور مسائل مذہبی کے ایک مقتدر عالم کی حیثیت سے شریک تھا، اس لیے کہ حکومت کی طرف سے سفارت کار کے فرائض دراصل سوس الرسی نامی ایک شخص انجام دے رہا تھا جو فذیر الحرمی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ یہ سفارت 11 صفر 309ھ / 21 جون 921ء کو بغداد سے روانہ ہوئی۔ اول وسطی ایشیا کے مشہور شہر بخارا پہنچی، پھر خوارزم اور آخرکار بلاد بلغار پہنچی جہاں سلطنت میں اس کا ورود 12 محرم 310ھ / 12 مئی 922ء کو ہوا۔ یہ سفارت کب اور کس راستے سے بغداد واپس پہنچی اس کے متعلق تاریخ خاموش ہے۔ اس طرح اس سفارت کے متعلق سفرنامہ لکھنے والے مصنف یعنی ابن فضلان کے حالات زندگی پر بھی تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ چوتھی صدی ہجری / دسویں صدی عیسوی کا ابتدائی زمانہ تھا، جب الاصطخری اور المسعودی نے اس

سفر نامے یا رسالے سے استفادہ کیا۔ یاقوت نے اپنی کتاب میں بالصراحت اس کے حوالوں کے علاوہ اس کے اقتباسات بھی درج کیے ہیں۔ باشغرد، بلغار، خزر، خوارزم وروس کے مادے سے اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ بعد کے مصنفین کو اس تصنیف کا علم ان اقتباسات کے ذریعے سے ہوا تھا۔

شاہ بلغار کی خلیفہ کو اپنے ملک میں تبلیغی وفد بھیجنے کی اجازت

ابن فضلان نے شاہ بلغار کے دربار میں خلیفہ کا مراسلہ با آواز بلند پڑھ کر سنایا اور خلیفہ کی جانب سے بھیجے گئے تحائف اس کو پیش کیے۔ خلیفہ نے چونکہ شاہ بلغار کو امدادی رقم نہیں بھجوائی تھی جس کی مدد سے اس نے اپنے دشمنوں سے اپنی مملکت کے بچاؤ کے لیے ایک قلعہ تعمیر کیا تھا، اس لیے شاہ بلغار نے ابن فضلان اور اس کے ساتھیوں پر تنقید کی۔ شاہ بلغار خلیفہ سے فوجی امداد حاصل کر کے اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنا چاہتا تھا اور اس کے بدلے میں اس نے خلیفہ کو اپنے ملک میں تبلیغی وفد بھیجنے کی اجازت دی تھی تا کہ اس کے ملک میں اسلام لانے والوں کو اسلامی قوانین کی تعلیم دی جا سکے۔ ابن فضلان نے لکھا ہے کہ خود شاہ بلغار بھی اسلامی طریق پر عبادت کرنے یا نماز کی ادائیگی میں غلطی کا مرتکب ہوا تھا، ابن فضلان کے مطابق چونکہ وہ ایک فقیہ تھا اس لیے اسے غلط طریق پر عبادت کرنے پر سخت غصہ آیا تھا۔ اس کے مطابق یہ لوگ گمراہی کا شکار تھے۔

وائیکنگز (اسکینڈے نیوین لٹیرے)

ابن فضلان نے اپنے سفرنامے کے بڑے حصے میں ملک روس اور اس میں آباد لوگوں کا حال بیان کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ روسی لوگ زیادہ تر تاجر تھے جو دریائے بلغار اور دوسرے دریا کے کنارے پر اپنے اسباب تجارت کی دکانیں لگاتے تھے۔ اس نے ان لوگوں کو دراز قد بتایا ہے۔ یہ لوگ اپنے ناخنوں سے سر تک اپنے جسم پر نقش و نگار گدواتے تھے۔ یہ لوگ کلہاڑوں سے مسلح ہوتے تھے اور ان کے پاس تلواریں اور خنجر بھی ہوتے تھے۔ وہ اپنے سر میں کنگھا کرتے تھے۔ ابن فضلان نے اپنے سفرنامے میں وائیکنگز کا احوال بھی درج کیا جو اس زمانے میں یورپ کے ممالک کے ساحلوں پر اکثر لوٹ مار کرتے تھے۔

ایک لمبے عرصے تک ابن فضلان کا ایک نامکمل احوال یاقوت کی معجم البلدان" کے مختلف مقالات میں ملتا تھا۔ کہیں جا کر 1923ء میں اس سفرنامے کا ایک مکمل نسخہ ذکی ولیدی طوغان نامی ایک ترک شخص نے آستانہ قدس میوزیم مشہد مقدس ایران کی لائبریری سے دریافت کیا تھا۔ یہ نسخہ 13ویں صدی سے تعلق رکھتا تھا اور 420 صفحات پر مشتمل تھا۔ دیگر جغرافیائی مقالات کے ساتھ ساتھ اس میں ابن فضلان کے سفرنامے کی تفصیلات بھی درج تھیں۔ ایک روسی عالم سی۔ ایم۔ فرحان نے اس سفرنامے کا پہلے پہل عربی سے جرمنی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔

یاجوج ماجوج

ابن فضلان نے اپنے اس سفرنامے میں یاجوج ماجوج جیسی وحشی مخلوق کو وائیکنگو سے مشابہ قرار دیا ہے جو اس کے نزدیک اس زمانے کی بدترین مگر خوبصورت مخلوق تھے۔

ابن فضلان پہلا مسلمان سیاح جو براعظم یورپ کے شمالی علاقے اسکینڈے نیویا Scandi Navia تک پہنچا تھا۔

ابن فضلان کے سفرنامے پر 1999ء میں ایک انگریزی فلم 13th Warrior بنائی گئی تھی جو ایک شاہکار فلم ہے۔

(13)

985۔ بشاری مقدسی

مشہور عرب سیاح اور جغرافیہ داں، مصنف احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم

وہ اپنے پیشرو مسلم جغرافیہ دانوں، ابو زید بلخی، ابن الفقیہ اور ابن خرداذبہ جیسے جانے پہچانے لوگوں کے کام سے مطمئن نہیں تھا۔ اس نے ان تمام کے کاموں پر تنقید کی ہے۔

شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البنا الشامی المقدسی البشاری۔ اس کے ولادت اور وفات کے سال متعین نہیں ہیں۔ اندازاً وہ 946ء کے قریب بیت المقدس میں پیدا ہوا۔ اور دسویں صدی کے آخر میں اس نے وفات پائی۔ المقدسی کی شہرت اس کی سیاحت، جغرافیہ نگاری اور نقشہ کشی کی وجہ سے ہے۔

مسلم جغرافیہ دانوں میں ممتاز مقام

المقدسی نے بیت المقدس ہی میں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ اس کے بعد وہ اندلس (جنوبی ہسپانیہ) سندھ، ملتان اور بجستان (جنوبی افغانستان) کے علاوہ دیگر ممالک اسلامیہ کی سیاحت پر نکلا۔ وہ بحر روم میں واقع جزیرہ صقلیہ Sisley بھی گیا جہاں اس وقت اسلامی حکومت قائم تھی۔ اس نے اپنے سفروں اور مشاہدات و تجربات سیاحت کو کتابی شکل میں قلم بند کیا ہے۔ اسی کتاب کی وجہ سے اسے مسلم جغرافیہ دانوں میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ اس کی یہ کتاب ''احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم'' کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کتاب المقدس نے شیراز میں تقریباً 985ء میں مکمل کی تھی۔ یہ کتاب بنیادی طور پر جغرافیائی معلومات پر مشتمل ہے لیکن اس کے مطالعہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ المقدسی اسلامی فقہ پر بھی دسترس رکھتا تھا اور حنفی فقہ کا ایک عالم تھا۔

اپنے پیشرو مسلم جغرافیہ دانوں کے کام پر تنقید

ازمنہ وسطی کے جغرافیہ داں، اکثر چاہے مشرق سے تعلق رکھتے ہوں یا مغرب سے، اپنی کتب میں جغرافیائی

جزئیات بیان کرنے پر زور دیتے ہیں۔ اسی جزئیات نگاری کی وجہ سے ان کی کتابیں بیانیہ جغرافیہ سے تعلق رکھتی ہیں اور تجارتی شاہراہوں اور سلطنتوں کے متعلق معلومات فراہم کرتی ہیں۔ المقدسی نے اس جزئیات نگاری سے ہٹ کر اپنے لیے ایک نئی راہ نکالی تھی۔ وہ اپنے پیشرو مسلم جغرافیہ دانوں، ابوزید بلخی، ابن الفقیہ اور ابن خرداذبہ جیسے جانے پہچانے لوگوں کے کام سے مطمئن نہیں تھا۔ اس نے ان تمام کے کاموں پر تنقید کی ہے۔ اس کے نزدیک وہ حکمرانوں کے مقاصد کو سامنے رکھ کر لکھی گئی تھیں یا پھر حکومتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے لکھی گئی تھیں یا پھر ان میں انتہائی اختصار پایا جاتا ہے جس سے کوئی علمی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ ان سب خیالات کو سامنے رکھ کر اس نے ایک ایسی کتاب تصنیف کرنے کا ارادہ کیا جو معاشرہ کے مختلف طبقات مثلاً تاجروں، سیاحوں اور اہل ثقافت وغیرہ کی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کر سکے اور دلچسپ اور مفید علمی معلومات بھی فراہم کرے۔ المقدسی کو اس حقیقت سے مکمل آشنائی تھی کہ علم جغرافیہ ایک ایسا علم ہے جس میں بادشاہ اور رعایا دونوں دلچسپی رکھتے ہیں اور فقیہ اور قاضی بھی استفادہ کرتے ہیں۔

جغرافیہ کے موضوع کو ایک نیا رخ

المقدسی نے یہ سب کچھ سامنے رکھ کر جغرافیہ کے موضوع کو ایک نیا رخ دیا اور اس میں معاشرتی کوائف شامل کر کے اسے مزید وسعت دی تاہم وہ اپنے پیشرو جغرافیہ دانوں کی روایت کو بھی قائم رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک بلخی جغرافیہ دانوں نے اپنی تحریروں میں صرف اسلامی ممالک کو ملحوظ رکھا ہے اور اپنے جغرافیائی نظریات کو قرآن و حدیث کے علم سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ اس کی ایک مثل سمندروں کے بارے میں المقدسی کے اس بیان سے مل سکتی ہے کہ قرآن مجید میں دو سمندروں کے سنگم پر واقع جس مقام برزخ کا ذکر کیا گیا ہے وہ دراصل خاکنائے سویز پر بحیرہ روم اور بحر ہند کے ملاپ کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں الفرما اور القلزم کے درمیانی خطے کو البرزخ کہا گیا ہے۔

البتہ ابوزید بلخی کی طرح خود المقدسی نے بھی اپنی تحریریں صرف اسلامی ممالک کی حدود تک ہی محدود رکھیں اور جزیرہ نما عرب کے حالات سے شروع ہو کر مسلم ممالک پر ہی اختتام کیا۔ اپنی کتاب "احسن التقاسیم" میں المقدسی نے اعتراف کیا ہے کہ وہ نہ تو کبھی غیر مسلموں کے ملک کی سیاحت پر گیا اور نہ اسے اب ان علاقوں کا جغرافیہ بیان کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ المقدسی نے اپنی کتاب "احسن التقاسیم" کا آغاز مختلف موضوعات پر عمومی اثرات پیش کر کے کیا ہے جن میں سمندر اور دریا جگہوں کے نام اور ان کے متبادلات، مختلف علاقوں کی امتیازی خصوصیات، اسلام کے مختلف فرقوں اور اسلامی دنیا کے غیر مسلم باشندوں کے بارے معلومات اور اپنے ذاتی سفری تجربات پیش کیے ہیں۔

پوری دنیائے اسلام کی چودہ اقالیم یا خطوں میں تقسیم

المقدسی نے اس وقت کی دنیائے اسلام کو خاص نقشہ میں پیش نہیں کیا بلکہ پوری دنیائے اسلام کو چودہ اقالیم یا خطوں

میں تقسیم کیا ہے۔ان میں سے چھ کو اس نے عرب اقالیم کا نام دیا ہے جن میں جزیہ نما عرب، عراق، اقدر یا شمالی بین النہرین، شام، مصر اور مغرب اقصیٰ کے خطے شامل ہیں۔ باقی آٹھ خطوں یا اقالیم کو اس نے "دنیائے عجم" کا نام دیا ہے جس میں المشر ق (سامانیوں کی مملکت) الالم (گیلان اور بحیرہ خزر) الرحاب (آذربائیجان، ایرانا ور آرمینا) کرمان اور سندھ کے خطے شامل ہیں۔ المقدسی نے ان اقالیم سے ہر ایک کا نقشہ بھی مرتب کا ہے جس میں سرحدی راستے دریا، سمندر اور پہاڑوں کو الگ الگ رنگوں سے نمایاں کیا گیا ہے۔

(14)

البیرونی ۔ 1010ء

البیرونی کا اصل نام ابوریحان محمد بن احمد تھا لیکن وہ استاد البیرونی کے لقب سے مشہور ہوا۔ وہ خوارزم کا باشندہ جو وسطی ایشیا کے لق و دق میدانوں میں واقع ہے۔ خوارزم کو پہلی صدی ہجری کے آخر میں مسلمانوں نے فتح کیا تھا۔ البیرونی کا تعلق خوارزم کے ایک متمول خاندان سے تھا۔ بچپن میں اس کی سرپرستی آل عراق کے حکمرانوں نے کی تھی جن میں سے ابونصر منصور بن علی عراق نے سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔ آل عراق کا عہد حکومت 995 عیسوی تک رہا۔ پھر جب آل عراق کی سلطنت ختم ہوگئی تو البیرونی نے خوارزم کو چھوڑ کر باقی ماندہ زندگی افغانستان اور ہندوستان کے ملکوں میں گزاری اور وہ محمود غزنوی کے دربار سے وابستہ ہوگیا۔ محمود غزنوی نے فتح ہندوستان کی مہمات میں البیرونی کو اپنے ساتھ رکھا اور اسے وہ بلاد ہند میں اپنے ساتھ لے گیا اور البیرونی کو ہندوستان میں رہ کر نہ صرف یہاں کی سیاحت بلکہ علوم ہند کی تحصیل کا موقع بھی ملا۔

سیاحت پنجاب

محمود غزنوی کو البیرونی کی علم ریاضی، علم تاریخ، علم جغرافیہ، علم کیمیا اور علم ہیئت میں تحقیقات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کی نظر میں البیرونی کی قدر و منزلت صرف ایک نجومی کی حیثیت سے تھی اور وہ اس کے نجوم کی بڑی قدر کرتا تھا۔ جس وقت البیرونی نے ہندوستان میں قدم رکھا مغربی ہندوستان میں محمود غزنوی کے حملوں کی وجہ سے سخت پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ جنگ و جدل کے سبب اہل ہند کے دلوں میں حملہ آوروں اور دیگر مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلی ہوئی تھی مگر البیرونی نے اپنے اخلاق و اطوار سے اہل ہند کو اپنی طرف مائل کر لی۔ اس پرآشوب زمان میں اس نے ہندوستان میں قیام کر کے علوم ہند کی تحصیل کی اس زمانے میں علوم ہند کے مرکز بنارس اور کشمیر تھے اور وہاں تک پہنچنا مسلمانوں کے لیے مشکل تھا۔ اس لیے البیرونی مجبور تھا کہ وہ اپنی سیاحت پنجاب میں ملتان تک محدود رکھے۔ البیرونی نے اپنی کتاب

''کتاب الہند'' میں ان مقامات کا ذکر کیا ہے جہاں جہاں وہ پہنچا تھا چنانچہ ایک موقع پر لکھتا ہے کہ میں نے خود لاہور کے قلعے کے عرض بلد کی پیمائش کی تو 34 درجے اور 3 دقیقے پر پایا۔ قصبہ کشمیر اور لاہور کے درمیان 300 میل کا فاصلہ ہے۔

عرض البلد کی دریافت

نصف راستہ مشکل ہے۔ البیرونی نے جن اور مقامات کے عرض بلد دریافت کیے وہ یہی ہیں۔ غزنی...... 35.23، کابل...... 36.33، کندی...... 35.33، لمعان...... 33.24، پشاور...... 34.34، جہلم...... 30.23، قلعہ نندنا 30.23، سیالکوٹ...... 32.32، ملتان...... 31.57۔ ملتان اور قلعہ نندنا کے درمیان تقریباً 200 میل کا فاصلہ ہے۔ ان سب مقامات میں سے البیرونی نے ملتان کا ذکر سب سے زیادہ کیا ہے۔ اور وہاں کی آب و ہوا، باشندوں اور مقامی حالات سے وہ خوب واقف تھا۔ البیرونی ہندوستان سے غزنہ 420ھ کے قریب واپس لوٹا۔ ہندوستان سے واپسی کے بعد البیرونی کو غزنی دربار میں زیادہ مدت ٹھہرنے کا موقع نہیں ملا۔ 1020ء میں محمود غزنوی کا انتقال ہو گیا اور مسعود غزنوی تخت نشین ہوا۔ ان دنوں البیرونی علمی مشاغل میں مصروف رہا اور ''کتاب الہند'' لکھتا رہا۔ مسعود غزنوی علما کا قدر دان تھا اس کا سلوک البیرونی سے نہایت مشفقانہ تھا۔ ''قانون مسعودی'' البیرونی نے مسعود غزنوی کے نام پر معنون کی تھی۔ وہ ہندوستان میں صرف پندرہ برس رہا۔ جب ہندوستان سے واپس گیا تو اسکی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ 11 ستمبر 1048ء کو البیرونی ے غزنہ میں وفات ئی اور وہیں مدفون ہوا۔

(15)

حکیم ناصر خسرو ۔ 1061ء

ایران سے تعلق رکھنے والا فارسی شاعر، ماہر موسیقی اور مصنف "سفر نامہ" جس نے ایک الہامی خواب دیکھنے کے بعد سیاحت عالم پر نکلنے کا فیصلہ کیا

پیدائش اور ابتدائی حالات

ابو معین ناصر بن خسرو بن حارث فارسی کا مشہور شاعر 394ھ/1003ء میں ایران کے شہر قبادیان میں پیدا ہوا جو بلخ کے نزدیک واقع تھا۔ ایرانی مؤرخین اسے علوی لکھتے ہیں تاہم اسکے معنی یہ ہرگز نہیں کہ وہ علوی سادات میں سے تھا، ہاں وہ مسلک شیعہ تھا۔ اس کا والد بلخ کے علاقے کا چھوٹا سا زمیندار تھا۔ ناصر نے تعلیم اچھی پائی اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے تک مروجہ اسلامی علوم وفنون سے بخوبی واقف ہوگیا۔

الہامی خواب

پانچویں صدی ہجری کے سنہ 32 اور گیارھویں صدی عیسوی کے سنہ 40 اور 50 کے درمیان وہ خراسان کے شہر مرو میں کسی سرکاری عہدے پر فائز تھا اور اپنے ہی الفاظ کے مطابق ایک لاابالی زندگی گذار رہا تھا۔ 1045ء میں اس کے مزاج میں اچانک ایک انقلاب آیا جس کے اصل اسباب کا علم نہیں ہوسکا، لیکن ناصر خسرو خود اس کا سبب ایک الہامی خواب بتاتا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اپنی ملازمت اور عیش ونشاط کی زندگی کو خیرآباد کہہ کر حج کے لیے جائے۔ چنانچہ مکہ پہنچ کر اس نے خانہ کعبہ کی زیارت چار مرتبہ کی۔ اس کے بڑے اہم نتائج مرتب ہوئے۔ وہ ایران سے ایسے پرآشوب زمانے میں نکلا جبکہ یہاں مختلف بادشاہوں میں جنگ ہورہی تھی اور اس جنگ وجدل سے ملک تباہ ہورہا تھا۔ اپنی سیاحت کے دوران اس نے لکھا ہے کہ اس نے ایسے ہی حالات واطوار دیگر اسلامی ممالک میں بھی پائے۔ ان حالات سے صرف ایک ملک مصر مستثنیٰ تھا جسے دیکھ کر ناصر خسرو کو خوشی ہوئی۔ مصر میں ناصر خسرو نے خوشحالی دیکھی، مال و

اسباب سے بھرے ہوئے بازار اسے اس ملک کے شہروں میں نظر آئے اور یہاں معاشرتی ہم آہنگی کے ساتھ امن و سکون پایا۔

مسلک کی تبدیلی کی وجہ سے پریشانی کا سامنا

اس زمانے میں مصر میں اسمٰعیلی خاندان برسر اقتدار تھا۔ ناصر نے نتیجہ اخذ کیا کہ اسلام کی راہ سے لوگ انحراف کر چکے ہیں اور سچے مومنوں کے لیے تباہی ناگزیر ہے اور انھیں اس تباہی سے کوئی چیز نہیں روک سکتی اور اگر کوئی چیز انھیں اس تباہی سے محفوظ رکھ سکتی ہے تو وہ صرف اسمٰعیلی مذہب ہے۔ مصر میں قیام کے دوران ناصر خسرو نے متعدد اسمٰعیلی امراء اور جلیل القدر لوگوں سے مراسم پیدا کیے اور اس مسلک سے وابستہ ہو گیا اور آخر میں فاطمی خلیفہ المستنصر باللہ، ابو تمیم معد (1036ء تا 1094ء) سے اپنے وطن مالوف خراسان میں اس مذہب کی نشر و اشاعت کے لیے اجازت اور تبریک حاصل کی۔ اسمٰعیلی فرقہ کے درجات و مراتب میں اسے حجتہ کے عہدے پر سرفراز کیا گیا جو خاصا بڑا عہدہ تصور کیا جاتا تھا۔ بلخ واپس آ کر اس نے بڑی عقیدت اور سرگرمی کے ساتھ اپنے آپ کو اسمٰعیلی مسلک کی تبلیغ و اشاعت کے لیے وقف کر دیا، لیکن سلجوقیوں نے جو اس زمانے میں اس علاقے کے حکمران تھے ناصر کی ان سرگرمیوں کو اپنی حکومت کے لیے باعث خطرہ سمجھتے ہوئے اس کی ان سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی جس کی وجہ سے اسے بلخ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ پہلے وہ مارژندران گیا لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ یہ جگہ بھی اس کے لیے محفوظ نہیں تو آخر کار حالت بیچارگی میں اس نے وادی یمگان میں جا کر پناہ لی جو بدخشاں کے دشوار گذار پہاڑوں میں واقع تھی۔ وہاں کے غیر مہمان نواز ماحول میں اس سیاح و شاعر نے اپنی زندگی کے آخری سال گذارے اور وہیں اس نے اپنی اہم کتابیں تصنیف کیں اور وہیں اس کا انتقال 452ھ/ 1060ء میں ہوا۔ آج بھی اس علاقے میں لوگوں کا ایک چھوٹا سا فرقہ موجود ہے جو اس کے نام پر "ناصریہ" کہلاتا ہے۔ اس فرقہ کی بنیاد اس فرقہ کے ایک بزرگ "شو ناصر" نے رکھی تھی۔ فرقہ بانی کے متعلق لوگوں میں عجیب و غریب داستانیں پھیلی ہوئی تھیں۔

نامکمل اور محرف تصانیف

ناصر خسرو کی تصانیف غالباً بہت سی تھیں لیکن وہ ہم تک کچھ مکمل اور کچھ محرف صورت میں پہنچی ہیں۔ ان تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور اس کا "دیوان" ہے جو اس نے اپنے ایام مصیبت اور جلاوطنی کے زمانے میں مرتب کیا تھا۔ ناصر کی نثری کتابوں میں سب سے بہترین اور مشہور کتاب اس کا "سفرنامہ" ہے جس میں اس نے اپنے سفر مکہ کے حالات و کوائف بیان کیے ہیں اور یہ کتاب مختلف قسم کی بیش بہا معلومات کا ایک نایاب ذخیرہ ہے، تاہم بدقسمتی سے یہ قیمتی تصنیف ہم تک نہایت ناقص حالت میں پہنچی ہے مگر اس کتاب کے اردو اور انگریزی زبان کے علاوہ کئی دیگر زبانوں

میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔ ''سفرنامہ'' میں حکیم ناصر خسرو نے اپنے سات سالہ دور سیاحت کے حالات رقم کیے ہیں جس کے دوران اس نے اسلامی دنیا کے درجنوں شہروں کی سیاحت کی۔ وہ 1046ء میں اس سفر پر نکلا تھا اور اس کی واپسی 1052ء میں ہوئی تھی۔ اپنے سفرنامہ میں اس نے اسلامی شہروں میں واقع مدارس، کارواں سرائے، مساجد، دیگر عمارات، شاہان ملک اور اس زمانے کے اسلامی سائنس دانوں کے متعلق بڑی تفصیلات مہیا کی ہیں۔ اس کے علاوہ اس کی پیش کردہ جغرافیائی معلومات بھی بڑی اہم ہیں۔ اس نے مختلف شہروں کا محل وقوع اور ان کی آبادی کے متعلق بڑے صحیح اعداد و شمار بھی پیش کیے ہیں۔ گذشتہ سو برس سے اس کا یہ سفرنامہ فارسی زبان کی بڑی تعداد میں پڑھی جانے والی کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ ناصر خسرو نے اس کے علاوہ فلسفہ پر بھی ایک تصنیف چھوڑی ہے۔

(16)

1080ء۔ ابوحامد غرناطی

چھٹی صدی ہجری / بارہویں صدی عیسوی کا ایک اندلسی سیاح اور طالع آزما محمد بن عبد الرحمن بن سلیمان المازنی القیسی، ایک اندلسی سیاح اور جامع "عجائب" اور مغربی رحالتہ کا مکمل نمونہ جسے علم کی خواہش اور طالع آزمائی کا ذوق بلاد اسلامیہ کی انتہائی حدود تک کشاں کشاں لے گیا۔

زندگی بھر کے لیے سیاحت سے وابستگی

اس کی زندگی کے حالات سے متعلق بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ اگرچہ اپنی طالع آزما زندگی کی اہم تاریخیں اس نے خود اپنی تصانیف میں دے رکھی ہیں۔ وہ 473ھ / 1080ء میں غرناطہ میں پیدا ہوا اور وہیں تعلیم پائی۔ کچھ عرصہ اقلیش میں قیام پذیر رہا۔ جب وہ تیس سال کی عمر کو پہنچا تو اپنا آبائی وطن چھوڑ کر سیاحت پر نکل کھڑا ہوا اور پھر زندگی بھر وطن واپس نہ آ سکا۔ شروع میں اس نے چھ سال افریقہ کی خاک چھانتے ہوئے گذارے اور پھر سمندری راستے سے 511ھ / 1117ء میں مصر کے مشہور شہر اسکندریہ پہنچا اور پہلے وہیں اور بعد ازاں 515ھ / 1121ء تک قاہرہ میں مقیم رہا۔ وہاں سے دمشق میں مختصر قیام کے بعد بغداد پہنچا اور چار سال تک وہیں قیام پذیر رہا اور بغداد کے گلی کوچوں کی سیاحت کی۔ 524ھ / 1130ء میں وہ ایران کے شہر ابہر میں موجود تھا اور بعد ازاں وہاں سے دریائے وولگا Volga کے دھانے تک پہنچا۔ اس کے خاصے عرصے کے بعد وہ مشرقی یورپ کے ملک ہنگری گیا اور تین سال یعنی 648ھ / 1153ء تک وہاں رہا اور اس یورپی ملک کی معاشرت کا مطالعہ کرتا رہا پھر مشرقی یورپ کے دیگر ممالک اور سسلی کی سیاحت کرتے ہوئے خوارزم پہنچا۔ وہاں سے حج کے لیے براستہ بخارا، مرو، نیشاپور، رے، اصفہان اور بصرہ بلاد عرب میں وارد ہوا۔ عرب دنیا میں اس بار بغداد میں اس نے مستقل سکونت اختیار کی لیکن چھ سال کے بعد وہ موصل

چلا گیا۔اس کے بعد اس نے ملک شام کے شہروں کا رخ کیا اور حلب میں کچھ عرصہ قیام کے بعد وہ دمشق پہنچا اور وہیں سکونت پذیر ہوگیا۔اس اسلامی سیاح اور طالع آزمانے دمشق ہی میں 565ھ/1169ء میں وفات پائی اور غرناطہ میں پیدا ہونے والا یہ سیاح دمشق میں مدفون ہوا۔

کتابوں پر مشروح تراجم

ابوحامد غرناطی نے اپنے قیام بغداد اور پھر موصل میں دو کتابیں تصنیف کیں۔انھیں کتابوں پر اس کی شہرت کا دارومدار ہے۔516ھ/1122ء میں بغداد میں اس نے مشہور وزیر یحییٰ بن محمد بن ہیرہ کے لیے اپنی کتاب ''المعرب عن عن بعض عجائب المغرب'' یا ''عجائب البلدان'' تصنیف کی اور موصل میں اپنے سرپرست اور مربی ابوحفص الاردبیلی کے ایما پر اپنی کتاب ''تحفۃ الالبب وتحبۃ الاعجاب'' لکھی جس کے حوالے مشرق اور مغرب کے مسلم مصنفین نے اپنی کتابوں میں بکثرت درج کیے ہیں۔۔یہ دونوں کتابیں جن کے کئی مخطوطے آج بھی محفوظ ہیں نہ صرف دلچسپ معلومات اور صحیح بیانیات پر مشتمل ہیں بلکہ اسطوری یا فوق العادۃ چیزوں کے متعلق بھی معلومات ان میں درج ہیں۔ان پر بہت سے مقالے لکھے گئے ہیں، متن بھی مدون ہوا ہے اور اس کا مشروح ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔مشہور مستشرق جوفران G.Ferran نے ہسپانوی ترجمے کے ساتھ بمعہ ایک تنقیدی مطالعے شائع کیا تھا۔کتاب تحفہ میں شہر روم کا جو احوال درج ہے اس کا ترجمہ علیحدہ طور پر 1900ء میں مغرب میں شائع ہوا تھا۔یہ کتاب سسلی کے شہر پلمور میں شائع ہوئی تھی۔

ابوحامد کی کتاب ''تحفہ'' بالکل الگ کتاب ہے۔یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے۔پہلا حصہ اس دنیا اور اس میں بسنے والے انسانوں اور ذی روحوں سے متعلق ہے۔اس میں سوڈان میں سونے اور نمک کی تجارت کے بارے میں دلچسپ اور مفصل بیان اور معلومات درج ہیں۔دوسرے حصے میں اہرام مصر اور اسکندریہ کے مینارہ نور کی تفصیلات درج ہیں۔

(17)

1183ء۔ابن جبیر اندلسی

اندلس کا ایک عرب ادیب جو حج کے لیے نکلا اور دنیائے مشرق میں کھو گیا

اسکندریہ میں قیام کے دوران ابن جبیر اور اس کے ساتھی نے اس شہر کے قابل دید مقامات کی سیر کی اور پھر 3 اپریل 8 ذی الحجہ کو اسکندریہ سے روانہ ہو کر قاہرہ کے مضافات میں مصر نامی ایک آبادی میں قیام پذیر ہوئے۔ اس آبادی میں ان کا قیام حضرت عمرو بن العاصؓ کی مسجد کے قریب چرواہوں کے ایک کوچے میں تھا۔ قاہرہ اور اس آبادی کی عمارات اور صحابہ کرام کے مقام نے بن جبیر کے دل پر گہرا اثر چھوڑا۔

ابن جبیر ابوالحسن محمد بن احمد کنانی (1145ء۔1217ء) غرناطہ کا ایک عرب ادیب تھا جو 578ھ / 1183ء میں حج کعبہ کے لیے غرناطہ سے نکلا اور بحیرۂ روم کے راستے سے مصر پہنچا جہاں ان دنوں سلطان صلاح الدین ایوبی کی حکومت تھی۔ ابن جبیر نے اس سفر میں چھٹی صدی ہجری کے بہت سے اسلامی ممالک مصر، شام، عراق وغیرہ کے سیاسی اور معاشرتی حالات کے متعلق آگاہی حاصل کی اور پھر اسے ایک سفرنامہ کی شکل دی۔

اندلس میں مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگیاں

ابن جبیر کا دنیائے اسلام کے مشرق کا یہ سفرنامہ ازمنہ وسطیٰ کی ان پرکشش سرگذشتوں میں سے ایک ہے جو زمانے کی دستبرد کے ہاتھوں برباد نہیں ہوئیں اور صحیح وسالم ہم تک پہنچی ہیں۔ یہ سفرنامہ ابن جبیر نے 1183ء سے 1185ء کے درمیانی عرصے میں ترتیب دیا اور اس کو اپنے سمندر اور خشکی کے انتہائی پراز صعوبت سفر کے دوران ہی تحریر کیا۔ بارہویں صدی میلادی کا یہ زمانہ دنیائے اسلام میں ایک نہایت اہم اور پرآشوب دور تھا۔ اندلس میں مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگیاں شروع تھیں مگر ابھی ان کے اس سرزمین سے قدم نہیں اکھڑے تھے یورپ میں تمدن کی شمعیں روشن کیے ہوئے تھے۔ مشرق وسطیٰ میں بیت القدس پر عیسائیوں کا قبضہ تھا اور مجاہد اسلام سلطان صلاح الدین ایوبی بیت

المقدس کو صلیبی عساکر سے آزاد کرنے میں مصروف جہاد تھا۔ مسیحی یورپ ازمنی وسطی کی تاریکی سے نکل کر آہستہ آہستہ تہذیب وتمدن کے اجالے کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہاں سائنسی ترقیوں کی ابتدا ہونے والی تھی۔ ابن جبیر کے سفرنامہ میں وہ تاریخی حقائق ملتے ہیں جو بعد کے مؤرخین کی مستند تاریخوں میں بھی نہیں ملتے۔ مارکو پولو اور ابن بطوطہ کی طرح ابن جبیر بھی ایک بڑا سیاح تھا اور وہ انسانی تاریخ ومعاشرت پر گہری نگاہ رکھتا تھا۔ اس نے اپنے سفرنامے میں اپنے تاثرات بڑے دل نشین پیرائے میں بیان کیے ہیں جس سے اس زمانے کے معاشرت اور طرز معاشرت کی ایک واضح تصویر قاری کے ذہن میں ابھرتی چلی جاتی ہے۔

گورنر کی نگاہ میں ایک خاص مقام

ابن جبیر غرناطہ کے ایک شہر بلنسیہ میں پیدا ہوا اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد اپنی ذہانت اور خداداد قابلیت کی بنا پر غرناطہ کے گورنر ابوسعید ابن عبدالمومن کی نگاہوں میں ایک خاص مقام حاصل کرلیا تھا۔ ابوسعید کا تعلق الموحدوں سے تھا جو المرابطین کے بعد اندلس کے حکمران بنے تھے۔ فروری 1183ء میں ابن جبیر نے گورنر غرناطہ سے حج پر جانے کی اجازت حاصل کی اور مسافرت کا عصا ہاتھ میں تھام لیا۔ وہ غرناطہ کے ایک طبیب ابوجعفر احمد بن حسین کے ہمراہ اپنے اس مبارک مگر کٹھن سفر پر نکلا۔ ایک پہر دن چڑھنے کے بعد وہ غرناطہ کے خوبصورت دروازہ سے باہر نکلے اور راستے میں کئی جگہ پڑاؤ کرتے ہوئے سبتہ کی بندرگاہ پر پہنچے۔ سبتہ کی بندرگاہ سے اس دن جنیوا کے رومی جہاز رانوں کا ایک جہاز روانہ ہونے والا تھا جو مصر کی بندرگاہ اسکندریہ جارہا تھا۔ وہ دونوں اس جہاز پر سوار ہوگئے اور افریقہ کے بربری ساحلوں کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے 26 مارچ کو اسکندریہ پہنچے اور صابن سازی کے کارخانوں کے قریب واقع ایک کارواں سرائے میں قیام پذیر ہوئے۔ وہ سرائے ٹھیٹھروں کی سرائے کہلاتی تھی۔

اسکندریہ آمد

اسکندریہ میں اس زمانے میں بھی جدید زمانہ کی طرح ہی کسٹم والے سیاحوں سے بداخلاقی اور اور جبر ستانی سے پیش آتے تھے۔ اس پر ابن جبیر اور دوسر مسافر تلملائے مگر وہ اس بدسلوکی پر دانت پیسنے کے سوا کیا کرسکتے تھے۔ سرکاری کارندوں نے مسلمان مسافروں سے زکوٰۃ وصول کی اور کسٹم بھی وصول کرلیا۔ اسکندریہ میں قیام کے دوران ابن جبیر اور اس کے ساتھی نے اس شہر کے قابل دید مقامات کی سیر کی اور پھر 3 اپریل 8 ذی الحجہ کو اسکندریہ سے روانہ ہوکر قاہرہ کے مضافات میں مصر نامی ایک آبادی میں قیام پذیر ہوئے۔ اس آبادی میں ان کا قیام حضرت عمرو بن العاصؓ کی مسجد کے قریب چرواہوں کے ایک کوچے میں تھا۔ قاہرہ اور اس آبادی کی عمارات اور صحابہ کرام کے مقام نے بن جبیر کے دل پر گہرا اثر چھوڑا۔ اس نے ان عمارات کی تفصیل رقم کی ہے۔

سرزمینِ حجاز کے لیے روانگی اور عمرہ ادائیگی

مصر کے شہر عیذاب سے وہ 25 ربیع الاول مطابق 18 جولائی کو وہ جدہ جانے کے لیے حلبہ میں سوار ہوئے۔ سمندری سفر کے دوران ان کا پالا ایک سمندری طوفان سے بھی پڑا۔ اس طوفان نے ان کے جہاز کو اصل راستے سے بھٹکا دیا مگر آخر کار وہ سرزمین حجاز پر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ جدہ ان دنوں ابن جبیر کے بیان کے مطابق ایک معمولی ساحلی بستی تھی۔ یہاں سے وہ مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ جمعرات 13 ربیع الآخر/4 اگست کو ایک پہر دن چڑھے وہ باب عمرہ سے مکہ میں داخل ہوئے اور لبیک اللھم لبیک کی صداؤں میں انہوں نے عمرہ ادا کیا۔ مکہ معظمہ کے متعلق ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں مرصع اور سحر انگیز زبان استعمال کی ہے اور مقامات اور واقعات کی حیرت انگیز تفصیلات مہیا کی ہیں۔

مدینہ منورہ روانگی

ادائیگی فرضہ حج کے بعد وہ مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور مسجد نبوی شریف کے علاوہ وہ جنت البقیع اور دیگر اہم مقامات پر حاضری دی۔ اس کے بعد وہ مدینہ منورہ سے بغداد کے لیے روانہ ہوا۔ بغداد کو ابن جبیر نے امن کا شہر لکھا ہے۔ اس نے بغداد کے الف لیلوی ماحول میں کچھ عرصے قیام کیا اور پھر وہ بغداد سے دمشق کے لیے روانہ ہوگیا۔ راستے میں وہ مشہور شامی شہر حلب میں بھی کچھ دن کے لیے ٹھہرا۔ حمص کی تازگی اور حسن کو بھی اس نے محسوس کیا اور پھر وہ بالآخر دمشق جنت بلاد اسلام جا پہنچا۔ دمشق کو اس نے مشرق کا بہشت قرار دیا ہے۔.....ابن جبیر نے اسکندریہ مصر میں وفات پائی اور پھر دوبارہ کبھی غرناطہ واپس نہیں جاسکا۔

(18)

1188ء جیرالڈ آف ویلز

سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف صلیبیوں کی فوج بھرتی کرنے والا ویلش راہب اور سیاح

جیرالڈ آف ویلز (Gerald of Wales)(1223-1146ء) ایک کیمبرو نارمن آرچ ڈیکن تھا۔ وہ انگلستان کے بادشاہ ہنری دوم کا شاہی کاتب تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا بڑا عرصہ سفر میں گذارا۔ وہ فرانس میں حصول تعلیم کے لیے گیا اور اس نے روم کی سیاحت بھی کئی مرتبہ کی۔

ویلز کی تاریخ پر اہم دستاویزات

شاہ ہنری دوم کا شاہی کاتب بننے کے بعد 1184ء میں اسے شہزادہ جان کی مہم آئرلینڈ میں رفیق سفر منتخب کیا گیا۔ اس سفر کا احوال اس نے اپنی کتاب (H.Bernica,Topographia) میں قلم بند کیا ہے۔ اس کی یہ کتاب 1188ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کا نام تاریخ رکھنے کی بجائے جیرالڈ نے Topography یا مقام نگاری رکھا ہے۔ اس نے اپنی اس کتاب کا آغاز ہنری دوم کی فتح آئرلینڈ سے کیا ہے۔ جیرالڈ کی سفری خدمات کے پیش نظر اسے آرچ بشپ آف کنٹر بری، بالڈون آف فورڈ کے 1188ء میں ویلز کے علاقے صلیبی فوج بھرتی کرنے کی مہم پر بھیجا گیا جسے یروشلم نے مسلمان حکمران صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجا جانا تھا۔ یہ تیسری صلیبی جنگ کہلاتی ہے۔ اپنے اس سفر کا احوال جیرالڈ نے اپنی کتاب (Cambiae,Itineaaum)(1191ء) میں درج کیا ہے۔ اس کتاب کے بعد اس نے Description Cambrieac لکھی۔ یہ دونوں کتابیں ویلز کی تاریخ پر اہم دستاویزات کے طور پر جانی جاتی ہیں۔

تبلیغ کے ذریعے صلیبی جنگجو بھرتی کرنے کا فریضہ

1187ء میں شاہ انگلستان ہنری دوم نے یروشلم کے آرچ بشپ کی اپیل پر توجہ دی جو 1185ء میں

انگلستان آنے والے تھے۔ ہنری کے بیٹے شاہ رچرڈ انگلستان نے جس نے بذات خود صلیبی جنگ میں حصہ لیا تھا اسی طرح ہنری نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ لڑی جانے والی تیسری صلیبی جنگ کے لیے صلیبی مجاہدین بھرتی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے آرچ بشپ آف کنٹربری بالڈون آف فورڈ کو ویلز کے علاقے میں تبلیغ کے ذریعے صلیبی جنگجو بھرتی کرنے کا فریضہ سونپ دیا۔ یہ جنگجو سلطان صلاح الدین ایوبی کی فتح یروشلم کے بعد اس سے یروشلم آزاد کرانے کے لیے بھرتی کیے جانے تھے۔ آرچ بشپ آف کنٹربری نے اپنے نائب کے طور پر اس مہم میں جیرالڈ آف ویلز کو منتخب کیا۔ فوج بھرتی کرنے کی اس مہم کے ذریعے تین ہزار تنومند صلیبی جنگجو بھرتی کیے جانے تھے۔ جیرالڈ آف ویلز کو لاطینی اور فرانسی زبان پر عبور حاصل تھا اور وہ ان زبانوں کے علاوہ مقامی زبان میں تبلیغ کرسکتا تھا۔ ویلز کے لوگ یا جنگجو لاطینی اور فرانسی زبان سے ناآشنا تھے۔ شاہی کے امراء اور دیگر لوگوں کا خیال تھا کہ اگر آرچ ڈیکن جیرالڈ آف فورڈ خطاب کرے تو ویلز کا کوئی فرد اس رضا کار فوج میں بھرتی ہوئے بغیر نہ رہے گا۔

تبلیغی مہم کے دوران 760 میل کا فاصلہ

اس تبلیغی مہم کا آغاز ویلز میں ہیرفورڈ کے مقام سے مارچ 1188ء میں کیا گیا اور اجیرالڈ آف ویلز نے ہر قصبے اور شہر میں تقریریں کر کے بہت سے صلیبی رضا کار بھرتی کر لیے۔ مؤرخین کا اندازہ ہے کہ اس مہم کے دوران جیرالڈ آف ویلز اور اس کے ساتھیوں نے 760 میل کا فاصلہ طے کیا۔ اس سفر کے متعلق خود جیرالڈ نے لکھا ہے کہ یہ بہت طویل اور تھکا دینے والا سفر تھا۔ جیرالڈ اور آرچ بشپ آف کنٹربری کے ساتھ اس مہم میں دیگر چار خانقاہوں کے بشپ بھی ساتھ تھے۔

اس سفر کی روئیداد جیسا کہ پہلے ذکر آیا جیرالڈ نے Topography of Ireland کے نام سے مرتب کی اور اس کی ایک جلد آرچ بشپ آف کنٹربری کو تحفتاً پیش کی۔ آرچ بشپ اس کی اس تصنیف سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے جیرالڈ کو ایک ایسی ہی دوسری رپورٹ مرتب کرنے کی فرمائش کی۔ 1194ء میں جیرالڈ نے اس فرمائش کی تعمیل کرتے ہوئے اس سفر پر اپنی دوسری کتاب Descriptive Cambriae لکھی تھی۔

(19)

1165ء۔ الادریسی

صقلیہ کے نارمن بادشاہ کا درباری جغرافیہ نویس اور سیاح

چونکہ اس نے براعظم ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بیشتر حصوں کی سیاحت کی تھی اس لیے وہ پوری دنیا کا نقشہ تیار کرنے کا خواہاں تھا اور ایک ایسا عالمی جغرافیہ ترتیب دینا چاہتا تھا جس میں دنیا کے بیشتر ممالک کے متعلق معلومات درج ہوں۔ اپنے سرپرست روجر دوم کے حکم پر اس نے چاندی کے قرص پر پوری دنیا کا دنیا نقشہ تیار کیا تھا جو اس کا عظیم ترین علمی و سائنسی کارنامہ تھا۔

دنیا کے نقشے کا مکمل بیان

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن ادریسی الحسنی، المعروف بہ شریف عبداللہ شریف الادریسی (آل رسولؐ ہونے کی وجہ سے) 493ھ/ 1100ء میں سبتہ Ceuta میں پیدا ہوئے اور 560ھ/ 1165ء میں وفات پائی۔ اس نے قرطبہ میں تعلیم پائی اور القرطبی بھی کہلاتا ہے۔ الادریسی نے متعدد ملکوں کا سفر کیا اور وہ ایک طویل مدت تک سسلی کے شہر پلرمو Palermo میں قیام پذیر رہا۔ صقلیہ (Sicily) کے نارمن بادشاہ راجر دوم کے اصرار پر اس کے دربار میں رہا۔ راجر کی موت (1154ء) سے ذرا پہلے اس نے دنیا کے اس نقشے کا بیان مکمل کیا جو اس نے چاندی کے ایک بڑے قرص پر بنایا تھا یعنی روجر کی کتاب یا کتاب الروجار۔ اس کا اصل نام نزہتہ المشتاق فی اختراق الآفاق ہے جس کا عربی متن مع 71 نقشوں کے جزوی طور پر شائع ہوا ہے۔ اس کے پورے متن کا فرانسیسی میں ترجمہ بھی ہوا ہے مگر یہ پراز اغلاط ہے۔ صقلیہ کے دوسرے نارمن بادشاہ ولیم اول Willam I کے لیے ادریسی نے اس سے بھی بڑی کتاب ''روض الانس ونزہتہ النفس'' یا ''کتاب الممالک المسالک'' تصنیف کی تھی لیکن اس کا صرف ایک اقتباس کتاب خانہ حکیم اوغلوعلی

پاشا، استنبول میں محفوظ ہے۔ اس کا سراغ ایک مستشرق ہوروونز (J.Horovitz) نے استانبول میں تاریخی مخطوطات کوتلاش کرتے ہوئے لگایا تھا۔

بادشاہ کی درخواست پر پلرمو میں مستقل قیام

الادریسی نے اپنی سیاحت کا آغاز ایشیائے کوچک کے سفر سے کیا۔ اس وقت اس کی عمر تقریباً سولہ سال تھی۔ ایشیائے کوچک کے بعد وہ جنوبی ساحل فرانس کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہوا انگلستان تک پہنچا اور وہاں سے واپس ہسپانیہ اور مراکش پہنچ گیا اور سپین اور مراکش کی سیاحت کی۔ 1138ء میں الادریسی کو صقلیہ Siciley کے نارمن بادشاہ روجر دوم نے پلرمو کی سیر وسیاحت کی دعوت دی۔ جب وہ پلرمو پہنچا تو بادشاہ نے اس سے درخواست کی کہ وہ پلرمو میں مستقل قیام کرے۔ ادیسی کا تعلق چونکہ علوی سادات کے ادریسی خاندان سے تھا جو خلافت عباسیہ کے خلاف خود خلافت کا مدعی تھا اس لیے روجر نے اسے کہا کہ اگر وہ مسلمانوں میں رہا تو عباسی خلفاء اس کو قتل کروانے کی کوشش کریں گے اور یوں اس کی جان کو خطرہ لاحق رہے گا لیکن اگر وہ پلرمو میں اس کے ساتھ رہے تو اس کی زندگی خطرات سے محفوظ رہے گی۔ بادشاہ کی درخواست پر الادیسی ایک طویل عرصہ تک پلرمو میں مقیم رہا اور روجر دوم کا درباری جغرافیہ داں بن گیا۔ اسی وجہ سے بعض اوقات اسے الصقلی بھی کہا جاتا ہے۔ 1154ء میں روجر دوم نے وفات پائی اور ادریسی اپنے وطن سبتہ لوٹ آیا۔

چاندی کے قرص پر پوری دنیا کا نقشہ

بارہویں دی عیسوی میں صقلیہ، عرب اور یورپی تمدن کے سنگم کے لیے ایک موزوں ترین ملک کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ ان دنوں وہاں عربوں کے بعد نارمنوں کی حکومت تھی جو عوم وفنون کے سرپرست اور سائنسی علوم کی ترقی کے بڑے دلدادہ تھے۔ اسی دور میں ادریسی نے روجر دوم کے زیر سرپرستی مسیحی علماء کے ساتھ مل کر کام کیا اور جغرافیہ نویسی اور نقشہ نویسی کے فن میں نہایت اہم اور گراں قدر اضافے کیے۔ چونکہ اس نے براعظم ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بیشتر حصوں کی سیاحت کی تھی اس لیے وہ پوری دنیا کا نقشہ تیار کرنے کا خواہاں تھا اور ایک ایسا عالمی جغرافیہ ترتیب دینا چاہتا تھا جس میں دنیا کے بیشتر ممالک کے متعلق معلومات درج ہوں۔ اپنے سرپرست روجر دوم کے حکم پر اس نے چاندی کے قرص پر پوری دنیا کا نقشہ تیار کیا تھا جو اس کا عظیم ترین علمی وسائنسی کارنامہ تھا۔ الادیسی کی کتاب ''نزہتہ المشتاق فی اختراق الافاق'' جو دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ گئی ہے اس کتاب میں متن کے علاوہ دنیا کے مختلف علاقوں کے اکہتر نقشے بھی دیے گئے ہیں جو اس نے چاندی کے نقشے سے اتارے گئے ہیں۔ اس نقشے عالم میں دنیا کو سات ایسی عرضی اقالیم میں منقسم کیا گیا ہے جو خط استوا کے متوازن ہیں۔

قرون وسطیٰ کا ایک گراں بہا انسائیکلو پیڈیا

اس کے علاوہ اس کتاب میں یورپ، ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ممالک کے بارے میں مفصل معلومات پیش کی گئی ہیں۔ اس میں نہ صرف جغرافیائی حقائق شامل ہیں بلکہ اس عہد کے اجتماعی، معاشیاتی اور سیاسی حالات بھی دیے گئے ہیں۔ اس طرح یہ کتب قرون وسطیٰ کا ایک گراں بہا انسائیکلو پیڈیا بن گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں درج معلومات کو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے اور اس طرح اماکن تلاش کرنے میں دقت پیش نہیں آتی۔

یہ تصنیف یورپی یونیورسٹیوں میں علم جغرافیہ کے نصاب میں رائج رہی

نزہتہ المشتاق'' اس امر کی واضح مثال ہے کہ قرون وسطیٰ میں صقلیہ میں جغرافیہ اور نقشہ کشی کے میدان میں عرب اور نارمن سائنسدانوں نے مل کر کام کیا تھا۔ یہ تصنیف صدیوں تک یورپی یونیورسٹیوں میں علم جغرافیہ کی نصابی کتاب کے طور پر رائج رہی۔ اس کتاب کے بہت سے خلاصے اور شرحیں بھی لکھی گئیں۔ ان میں 1592ء میں اٹلی کے شہر روم سے شائع والا خلاصہ ''نزہتہ المشتاق فی ذکر الامصار والاقطار والبلدان والجزر والمدائن والآفاق'' اولین حیثیت کا حامل ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ لاطینی زبان میں مارونی راہبوں نے کیا تھا۔

(20)

1179ء ۔یاقوت الحموی

یاقوت الحموی وہ سیاح اور جغرافیہ داں جس نے قرون وسطیٰ کے مسلم معاشرے کی خوب صورت عکاسی کی ہے۔

یاقوت کی معجم البلدان تقریباً آٹھ سو سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس طویل عرصے میں اس کتاب کو نہ صرف اسلامی دنیا کے علماء اور محققین کے لیے ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت حاصل رہی بلکہ مستشرقین نے بھی اس سے خاطر خواہ استفادہ کیا ہے۔

جنگی قیدی کی حیثیت سے بغداد آمد

شہاب الدین ابوعبداللہ یاقوت ابن عبداللہ ارض روم میں پیدا ہوا۔ یہ شہر ان دنوں بازنطینی سلطنت میں شامل تھا اور آج کل ترکی میں ہے۔ اس کے آباؤ اجداد غالباً یونانی تھے۔ اسے بچپن میں ایک جنگی قیدی کی حیثیت سے بغداد لایا گیا جہاں اسے ایک سوداگر کے ہاتھوں بطور غلام فروخت کر دیا گیا۔ اس سوداگر کا نام عسکر ابن ابراہیم الحموی تھا۔ اسی کے نام پر یاقوت بھی الحموی کہلایا۔ عسکر نے یاقوت کو تھوڑی بہت تعلیم بھی دلوائی اور اسے اپنا کاروباری معتمد بنالیا۔ وہ تجارتی اسباب لے کر شام، خلیج فارس کے علاقے قیس کے سفر پر نکلا اور اس نے کئی کامیاب تجارتی سفر کیے۔ 1199ء کے آخر میں ایک کاروباری تنازعہ کی وجہ سے عساکر نے یاقوت کو اپنے کاروبار سے الگ کر کے آزاد کر دیا۔ اب اس نے کتابوں کے قلمی نسخے تیار کر کے فروخت کرنا شروع کر دیے اور اس کے ساتھ عربی زبان کے گرامر کو الاکبری اور دیگر علماء سے پڑھا۔ کچھ وقت بعد اس کی اپنے آقا عساکر سے صلح ہو گئی اور ایک بار پھر وہ کاروباری سرگرمیوں میں اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ عسکر کی وفات کے بعد یاقوت نے مستقل طور پر بغداد میں رہائش اختیار کی اور کتاب فروشی کا کام شروع کر دیا۔

خارجیوں کے مکتب فکر سے متاثر

یاقوت خارجیوں کے مکتب فکر سے بہت متاثر تھا اور ایک مرتبہ جب دمشق میں اس نے ایک عام مناظرے کے دوران خارجی خیالات کا اظہار کیا تو مجمع حضرت علیؓ کے متعلق اس کے یہ خیالات برداشت نہ کر سکا اور لوگوں نے اسے زدوکوب کیا۔ اس نے اپنی کتابوں کے لیے مواد اکٹھا کرنے کے لیے اس زمانے کے اسلامی شہروں کی سیاحت کی اور بڑے بڑے کتاب خانوں سے استفادہ کیا۔ 1218ء میں یاقوت خوارزم جا پہنچا۔ یہاں اس کی مڈبھیڑ منگول حملہ آور فوجیوں سے ہوگئی جس کے بعد وہ اپنا جان بچا کر 1219ء میں خراسان کی طرف نکل گیا اور اپنا تمام مال واسباب خوارزم ہی میں چھوڑ گیا۔ 1220ء میں جب وہ موصل پہنچا اور پھر 1222ء میں حلب آ گیا۔ یہاں اس نے ایک امیر ابوالحسن علی بن یوسف القفطی کی سرپرستی میں رہنا شروع کیا اور اس کی وفات تک حلب میں رہا۔ یاقوت نے اپنی زندگی کا زیادہ تر وقت اسلامی دنیا کے ممالک، شام، فلسطین، مصر، ایران، عراق، خراسان اور خوارزم کی سیر وسیاحت میں گذارا اس نے حلب میں 20 اگست 1229ء کو وفات پائی۔

یاقوت نے کتب فروشی کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف پر بھی توجہ دی۔ اس کی تصنیفات میں مندرجہ ذیل چار کتابیں بہت مشہور ہیں:

(1) معجم البلدان

(2) کتاب الارشاد الاریب الی معرفت الادیب۔ اس کتاب کا دوسرا نام معجم الادباء بھی ہے۔

(3) کتاب المشترک وضعاً والمختلف صقعاً

(4) المقتضب من کتاب جمہرۃ النسب۔

یاقوت نے اس کے علاوہ تاریخ پر بھی کام کیا ہے۔ یاقوت کو جغرافیہ سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ اس کے نزدیک جغرافیہ اور تاریخ کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اس نے جگہوں کے ناموں کو صحیح تلفظ سے ادا کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ اس کی کتاب معجم البلدان جو ترتیب سے تحریر کی گئی ہے اس میں کوشش کی گئی ہے کہ کہ جگہوں کے نام صحیح ہجے کے ساتھ دیے جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ کتاب ان جگہوں کا جغرافیائی محل وقوع، ان کی حدود اور خطوط مرتبہ بھی بیان کرتی ہے۔ اس کتاب میں شہروں، قصبوں، دریاؤں، وادیوں، پہاڑوں، صحراؤں، سمندروں اور جزیروں کے بارے میں اہم معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ یاقوت نے اس کتاب میں ہر جگہ کے ممتاز اور بااثر افراد کے متعلق معلومات مہیا کی ہیں اور دلچسپ حقائق کے ساتھ ساتھ کچھ داستانیں اور قصے بھی بیان کیے ہیں۔

یاقوت کی معجم البلدان۔ آٹھ سو سال قبل کی ایک تاریخی دستاویز

یاقوت کی معجم البلدان تقریباً آٹھ سو سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس طویل عرصے میں اس کتاب کو نہ صرف اسلامی

دنیا کے علماء اور محققین کے لیے ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت حاصل رہی بلکہ مستشرقین نے بھی اس سے خاطر خواہ استفادہ کیا ہے۔ اصل کتاب بڑی ضخیم تھی اس لیے اس کی ایک تلخیص تیار کی گئی۔ تلخیص کا یہ کام عبدالمومن ابن عبدالحق نے کیا تھا۔ اس تلخیص کا نام اس نے ''مراصد الاطلاع علیٰ اسماء الامکنہ والبقاع'' رکھا تھا۔ یہ تلخیص اصل کتاب کے جغرافیائی حصے پر مشتمل تھی۔

قرون وسطیٰ کا معتبر ترین

یاقوت نے قرون وسطی کے اس دور میں علم کی شمع روشن کی جب علم کا سورج نصف النہار پر تھا۔ یہ اس علم کے استحکام کا دور تھا جو گذشتہ پانچ صدیوں میں مسلمان سائنسدانوں نے حاصل کیا تھا اور یاقوت جیسے محققین نے اس علم کی ایک مختصر لغات، مخصوص لوگوں کی سوانح حیات اور مختلف علوم وفنون کے مخصوص پہلوؤں پر عام لوگوں کی آراء کو مرتب کر کے ترتیب دی تھی۔ یہ تقریباً وہی دور تھا جب مسلمانوں کی عقلی، علمی اور ادبی سرگرمیوں کا مرکز بغداد سے حلب، دمشق اور قاہرہ جیسے مقامات پر منتقل ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے یاقوت کی تصنیفات میں انواع واقسام کی معلومات ملتی ہیں۔ یہ معلومات جو اس نے مختلف شہروں کی سیاحت کر کے حاصل کی تھیں علم الانسان سے لے کر روایات، ادب اور قرون وسطیٰ کے مسلم معاشرے کی دیگر خصوصیات کی خوب عکاسی کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے یاقوت کو بجا طور پر قرون وسطیٰ کے علوم کے معتبر ترین اصحاب میں شامل کیا جاتا ہے۔

(21)

1245ء ۔ گیوانی داپیان ڈیل کارپائن

GIOVANNI DA PIAN DEL CARPINE

پہلا یورپی سیاح جو مارکوپولو سے پہلے منگول خاقان کے دربار میں پہنچا

گیوانی اٹلی کے صوبے امبریا Umbria کا رہنے والا تھا جو وسطی اطالیہ میں واقع ہے۔

اوگدائی خان کا قبضہ

گیوانی فرانسسکن راہبوں میں ایک اہم مرتبہ پر فائز تھا اور اس کی تعلیمات نے شمالی یورپ میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ گیوانی مشرقی یورپ پر ایک بڑے منگول حملے کے دوران جرمنی میں کلیسائی صدر کے عہدے پر فائز تھا۔ اپریل 1241ء کو جنگ لیگنیکا (Battleof Legnica) لڑی گئی جس میں یورپی افواج کی شکست کے بعد مشرقی یورپ کے بڑے حصے پر اوگدائی خان کا قبضہ ہو گیا۔ یاد رہے کہ اوگدائی Ogedei خان چنگیز خان کا جانشین تھا۔

پہلی رسمی کیتھولک سفارت بھیجنے کا فیصلہ

یورپ میں ان دنوں تقریباً چار سال سے ''تاتاریوں'' کے متعلق خوف پھیلا ہوا تھا۔ اسی دوران پوپ انوسینٹ چہارم (Innocent IV) نے پہلی رسمی کیتھولک سفارت منگول خان کے دربار میں بھجوانے کا فیصلہ کیا۔ یہ سفارت مسیحی دنیا پر منگول حملے کے خلاف احتجاج کرنے اور منگول عسکری طاقت کا جائزہ لینے کے لیے بھجوائی گئی تھی۔ اس کے علاوہ اس سفارت کے ذریعے پوپ اس غیر اسلامی طاقت سے مسلمانوں کی خلافت کے خلاف فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ پوپ انوسینٹ چہارم نے اس مشنری سفارت کے سربراہ کے طور پر فرائر جونز (Friar Joanes) کو منتخب کیا۔ فرائر جونز کی عمر اس وقت تقریباً ساٹھ سال تھی اور وہ اس سفارت کے سیاہ و سفید کا تنہا مالک تھا۔ وہ اس پاپائی سفارت

کے سربراہ کی حیثیت سے منگول خانقان کے لیے پوپ کا ایک مراسلہ لے کر جا رہا تھا۔ جونز نے مقام لیون Lyon سے اپنے سفر کا آغاز کیا جہاں ان دنوں پوپ رہائش پذیر تھا۔

دود ہکتے ہوئے آگ کے ''الاؤ'' میں سے گذرنا

اس سفارت میں اس کے ساتھ ایک اور فرائر سٹیفن آف بوہیما بھی شامل تھا۔ ان دونوں سفارت کاروں نے ایسٹر کے تہوار 1245ء سے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ خیوا پہنچنے پر فرائر اسٹیفن اس سفارت سے علیحدہ ہو گیا تاہم پوپ نے جونز کو ایک اور ساتھی سفارت کار بینیڈکٹ پولاک (polak Benedykt) فراہم کر دیا جو اس سفارت کا ترجمان بھی تھا اور اس کے ذمہ خان اعظم کی گفتگو کا لاطینی میں ترجمہ کرنا تھا۔ خیوا سے گذر کر وہ تاتاری مملکت میں داخل ہوئے اور Kaniv میں واقع تاتاری چوکیوں تک پہنچے پھر انھیں یکے بعد دیگرے تین دریا دریائے نیپر (Napere)، دریائے ڈان (Don) اور دریائے وولگا (Vlga) عبور کرنے پڑے۔ جونز پہلا مغربی سیاح تھا جس نے ان دریاؤں کے یہ جدید نام اپنی کتاب میں دیے ہیں۔ دریائے وولگا کے کنارے باتو خان فاتح مشرق یورپ کا کیمپ واقع تھا۔ باتو خان ہی مغربی محاذ پر سپریم منگول جنرل تھا جو تاتاری لشکر کی قیادت کر رہا تھا۔ باتو خان چنگیزی خاندان کے شہزادوں میں سب سے بڑا تھا۔ اس موقع پر پوپ کے سفارت کاروں کو تاتاری رواج کے مطابق دود ہکتے ہوئے آگ کے ''الاؤ'' میں سے گذارا گیا تاکہ ان کے ذہن مضر خیالات سے پاک ہو جائیں اور ان کے تحائف کی زہر آلودگی صاف ہو جائے تاکہ انھیں تاتاری شہزادے کے حضور میں حاضر کیا جائے۔ (اپریل 1246ء)

3000 میل کا یہ سفر 106 دن میں طے کیا گیا

باتو خان نے انھیں منگول خان اعظم کے دربار میں پیش ہونے کا حکم دیا۔ یوں ایسٹر ڈے 1246ء کو ان کے اس ناقابل فراموش سفر کا دوسرا حصہ شروع ہوا۔ اس طویل سفر کی تھکان کی وجہ سے وہ اتنے مضمحل اور بیمار ہو چکے کہ گھوڑے کی پشت پر سفر کرنے کے قابل نہیں تھے۔ جونز نے لکھا ہے کہ اس پورے سفر میں ان کی خوراک اُبلے ہوئے جو نمک اور سادہ پانی کے سوا کچھ نہیں تھی جو راستے میں پڑی ہوئی برف کو ایک برتن میں پگھلا کر حاصل کیا جاتا تھا۔ ان کے جسم اس سفر سے تھک کر چور چور ہو چکے تھے۔ وہ بحر کیسپئین سے جھیل یورال کے کناروں سے سیز دوتا تک سفر کر چکے تھے۔ انھیں Dzugarian Lake تک مزید سفر کرنا تھا۔ آخر وہ کوہستان قراقرم میں دریائے آرخان کے کنارے واقع منگول شاہی کیمپ تک جو سیرا اوودا Yellow Pvilion کہلاتا تھا پہنچ گئے۔ جونز اور اس کے ساتھیوں نے اندازاً 3000 میل کا یہ سفر 106 دن میں طے کیا تھا۔

اوگدائی خان کی وفات کے بعد منگول شاہی اقتدار اس کے بڑے بیٹے گیوپوک (Guyuk) کو منتقل ہو چکا تھا۔ اس شہزادے کے انتخاب اور تخت نشینی کے دوران پوپ کے سفارت کار منگول شاہی کیمپ میں موجود تھے۔

تخت نشینی کی اس رسم میں 3000 سے 4000 دیگر سفارت کاروں نے بھی شرکت کی جو دنیا کے دیگر ممالک سے اس میں شرکت کے لیے آئے تھے۔ انھوں نے اپنے تحائف منگول خاقان کی خدمت میں پیش کیے۔

واپسی کا طویل اور کٹھن سفر

پوپ کے سفیروں نے منگول خاقان کو عیسائی بن جانے کی دعوت دی جو اس نے قبول نہ کی اور اس کے بجائے اس نے سفیروں سے کہا کہ پوپ اور شاہان یورپ کو چاہیے کہ اس کے دربار میں حاضر ہو کر اس کی وفاداری کا حلف اٹھائیں۔ پوپ کی یہ سفارت نومبر 1246ء تک قراقرم میں رہی اور نومبر میں خان اعظم نے انھیں تاتاری زبان میں لکھا ہوا ایک خط پوپ کے نام دیا۔ اس خط کا عربی اور لاطینی میں ترجمہ بھی ساتھ ہی دیا گیا جس میں منگول خان نے پوپ کو متنبہ کیا کہ چنگیزی خانوادہ قہر الٰہی ہے۔ پھر موسم سرما کی شدت کے باوجود اطالوی سفیروں نے واپسی کا طویل اور کٹھن سفر شروع کیا۔ اس سفر میں انھیں سینکڑوں میل برف پر سفر کرنا پڑا۔ وہ واپس خیوا 10 جون 1247ء کو پہنچے۔ یہاں ان کا استقبال سلوانک عیسائیوں نے اس انداز میں کیا جیسے وہ موت کی وادی سے واپس آئے تھے۔ اس سفر کے اعزاز میں جونز کو پوپ نے آرچ بشپ کے عہدے پر فائز کیا۔ ڈیل کارپائن نے منگول دارالحکومت کی طرف اپنے اس سفر کا احوال اپنی کتاب Ystoria Mongalorum میں تحریر کیا ہے۔ Ystoria Mongalorum یستوریہ منگولرم وہ سفر رپورٹ یا سفرنامہ ہے جو گیوانی ڈاپیان ڈیل کارپائن نے اپنے منگول سلطنت کے سفر پر مرتب کیا تھا۔ یہ 1240ء کی دہائی کے آخری سالوں میں ترتیب دیا گیا تھا۔ یہ کسی یورپی زبان میں لکھا گیا منگول سلطنت کا اولین احوال ہے۔ گیوانی کو پہلے یورپی مؤرخ کی حیثیت بھی حاصل ہے جس نے منگول تاریخ لکھی تھی اور کیتھولک مسیحیوں اور منگولوں کے تعلقات بیان کیے تھے۔

اس کتاب کے نو ابواب ہیں۔ پہلے آٹھ ابواب میں تاتاریوں کے ملک کے بارے میں معلومات دی گئی ہیں اس کی آب و ہوا، تاتاریوں کا مذہب، ان کے طور طریقے، ان کا کردار، حکمت عملی اور تاریخ بیان کی گئی ہے۔ نویں اور آخری باب میں ان علاقوں کی تفصیل دی گئی ہے جن سے گذر کر گیوانی منگول سلطنت تک پہنچا تھا۔

اس رپورٹ میں گیوانی نے اپنا احوال سفر بھی بیان کیا ہے اور جو کچھ اسے منگول تاریخ کے بارے میں پتہ چلا تھا وہ بھی اس میں شامل کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ منگول رسم و روج بھی اس میں بیان کیے گئے ہیں۔

ازمنہ وسطیٰ کی دیگر کتابوں کی طرح اس میں بھی سیاح نے اپنا ذاتی احوال شامل نہیں کیا ہے۔

(22)

1260ء۔ مارکوپولو

قبلائی خان کے دربار میں سفیر یورپ اور عظیم سیاح

مارکو پولو نے اہل وینس کو بتایا کہ چین میں ایک ایسا کالا پتھر دستیاب ہے جسے زمین کھود کر حاصل کیا جاتا ہے اور اگر اسے آگ دکھائیں تو وہ جلنے لگتا ہے اور لکڑی سے کہیں زیادہ حرارت مہیا کرتا ہے اور دیر تک جلتا رہتا ہے۔

قید خانہ میں اسیر سیاح

1298ء کے لگ بھگ مارکو پولو اطالوی ریاست جنیوا کے قید خانے میں اسیر تھا۔ مارکو پولو جو اپنی زندگی کے بہترین پچیس سال تک دنیائے مشرق کی صحرانوردی کرتا رہا تھا اپنے وطن وینس واپس لوٹ کر ہمسایہ ریاست جنیوا سے جنگ کے دوران قید ہوا تھا۔ اسی قید خانے میں اس نے اپنے ساتھی قیدی رستی چیلو کو اپنے طویل سفر مشرق کی روئیداد لکھوائی تھی۔ رستی چیلو پیسا کا ایک معروف ادیب تھا۔ اس نے مارکو پولو کے اس سفرنامے کا عنوان دنیا کا خاکہ Divisament Dou Monde رکھا مگر بعدازاں یہ IL Millione کے نام سے مشہور ہوا۔

مارکو پولو وینس کے ایک تاجر نکولو پولو کا ایک کم پڑھا لکھا بیٹا تھا۔ وہ اپنے والد اور چچا کے ساتھ طالع آزمائی کے لیے بحیرۂ اسود یا دنیائے مشرق کے سفر پر نکلا اور 1260ء تا 1269ء چین کے سفر میں رہا۔ طویل عرصہ تک سفر کرنے کے بعد وہ چین پہنچے اور انھوں نے منگول خاقان، قبلائی خان کے دربار میں رسائی پائی۔ مارکو نے اپنی ذہانت، فطانت اور غالباً چرب زبانی سے قبلائی خان کے دل میں جگہ پائی۔ منگول شہنشاہ نے اسے تاتاری سفیر کی حیثیت سے جاپان، ایران، ہندوستان اور روس بھیجا۔ مارکو پولو ان ممالک کے اپنے سفروں کی روئیداد اور سفارت کا احوال واپسی پر اپنے تمام مشاہدات و تجربات کے ساتھ دلچسپ پیرائے میں شہنشاہ کی خدمت میں گوش گزار کرتا تھا۔ غالباً شہنشاہ اسی مقصد کے

پیش نظر مارکو پولو کو ان سفارتوں پر روانہ کرتا تھا تاکہ ان ممالک کے متعلق جان سکے۔اگلے سترہ برس تک مارکو پولو قبلائی خان کے دربار سے وابستہ رہا۔چین سے مارکو اور اس کے والد اور چچا کی واپسی پر قبلائی خان نے ان کے ہاتھ پاپائے روم(پوپ) کے نام ایک خط بھیجا جس میں تاکید کی گئی تھی کہ اسے یروشلم میں واقع مزار مسیح کے چراغوں کی تیل کی ایک ڈبیہ بھیجی جائے اور ایک سو تعلیم یافتہ راہب چین بھیجے جائیں تاکہ وہ منگول معاشرے میں مسیحیت کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیں اور اہل چین کو یورپ کے علوم وفنون سے روشناس کرائیں۔وطن واپسی پر مارکو نے دنیائے مشرق کے ایسے عجائب و غرائب بیان کیے جو اس کے بعد بھی نسلوں تک لوگوں کو سمجھ نہ آئے۔مثال کے طور پر مارکو پولو نے اہل وینس کو بتایا کہ چین میں ایک ایسا کالا پتھر دستیاب ہے جسے زمین کھود کر حاصل کیا جاتا ہے اور اگر اسے آگ دکھائیں تو وہ جلنے لگتا ہے اور لکڑی سے کہیں زیادہ حرارت مہیا کرتا ہے اور دیر تک رہتا ہے۔مارکو پولو کا اشارہ معدنیاتی کوئلے کی طرف تھا جس کے استعمال سے ابھی اہل یورپ ناواقف تھے۔اسی وجہ سے اہل وینس کو مارکو کی باتوں پر یقین نہیں آیا اور اسے وہ "لکھپت مارکو" کے عرفی نام سے پکارنے لگے۔

پیکنگ میں عالی شان محل کی تعمیر

1298ء میں جینوا Genoa اور وینس میں جنگ چھڑ گئی۔مارکو پولو نے اس جنگ میں وینس کے فوجی دستوں کی قیادت کی۔جنگ کے دوران اسے اہل جینوا نے گرفتار کرلیا اور قید میں ڈال دیا۔اپنی اس اسیری کے دوران ، جیسے کہ پہلے ذکر آیا، اس نے اپنا سفرنامہ لکھوایا۔اپنے سفرنامے میں مارکو پولو نے پہلی مرتبہ یورپ کے متحیر قارئین کے لیے قبلائی خان کے محلات کے متعلق لکھا اور بتایا کہ ہر سال تین مہینے قبلائی خان کیتھے Cathay (چین) کے دارالحکومت "بلگ"، یعنی پیکنگ میں گذارتا ہے اور اس نے پیکنگ میں ایک عالی شان محل تعمیر کروایا ہے جس کے گرد حفاظتی فصیل بھی تعمیر کی گئی ہے۔اس محل کے خاص کمرے جہاں قبلائی خان رہتا ہے، طلائی، نقرئی اور جواہرات سے مرصع ظروف بھرے پڑے ہیں۔اپنے اسی سفرنامے میں مارکو پولو نے پہلی بار جاپان، کوریا، ہند چینی، برما، ہندوستان، بحر منجمد شمالی، جاوا، جزائر شرق الہند، سائبریا، حبشہ اور مڈغاسکر جیسے دور دراز خطوں کا احوال بھی قلمبند کیا۔

پانچ بادشاہ آپس میں سگے بھائی

مارکو پولو ہندوستان کے بارے میں لکھتا ہے کہ جزیرہ سراندیپ (سیلون) کے مغرب میں کوئی ساٹھ میل کے فاصلے پر معبر کا صوبہ واقع ہے جو عظیم ہندوستان کا ایک اہم صوبہ ہے۔معبر کا علاقہ پانچ بادشاہتوں میں منقسم ہے۔ان کے بادشاہ آپس میں سگے بھائی ہیں۔اس ریاست اور جزیرے کے درمیان میں خلیج حائل ہے جہاں سمندر کی گہرائی دس یا بارہ قدموں سے زیادہ نہیں............

مارکو پولو نے قبلائی خان کے حکم پر پیکنگ سے بنگال تک کا بھی سفر کیا تھا جس کے دوران وہ چین کے کئی صوبوں اور تبت کے پہاڑی علاقے سے گذرا اور اس نے وہاں کئی عجیب و غریب مشاہدات کیے۔ جن دنوں مارکو پولو نے بنگال کا سفر کیا یہ علاقہ قبلائی خان کی قلمرو میں شامل نہیں تھا۔ اس نے لکھا کہ یہاں کے باشندے بت پرست ہیں اور یہاں ہیجڑے بڑی کثرت میں رہتے ہیں........... بعدازاں جب مارکو پولو کے ان سفری مشاہدات پر مبنی یہ سفرنامہ شائع ہوا تو اس نے پورے یورپ میں تہلکہ مچا دیا کیونکہ مارکو پولو نے اپنے اس سفرنامے میں دنیائے مشرق کو اس کی تمام تر سحر سامانیوں کے ساتھ جلوہ گر دکھایا تھا جو اہل مغرب کے لیے بڑی کشش کا باعث تھا۔

محققین کے مطابق اگرچہ مارکو پولو کے اس سفرنامے کا اصل مسودہ نایاب ہے جس میں مارکو پولو نے اپنی زندگی کے آخری سالوں میں جو اس نے وینس میں بسر کیے تھے مسلسل ترمیم و اضافہ کیا تھا۔ یورپ میں پرنٹنگ مشین کی ایجاد کے بعد مارکو کے سفرنامے کے کئی یورپی زبانوں میں تراجم شائع ہوئے جن میں اختلافات موجود تھے۔

(23)

1320ء ۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت

ہندوستان کے اولیاء کرام میں سے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت وہ سیاح ہیں کہ جنھوں نے بے انتہا سیر و سیاحت عالم کی۔

جلال الدین حسین البخاری، المعروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت ہندوستان کے قدیم اولیاءاللہ میں سے ہیں۔ آپ سید احمد کبیر کے فرزند تھے جن کے والد سید جلال الدین سرخ، بخارا سے ترک وطن کر کے ملتان اور پھر بھکر میں آباد ہوئے۔ آپ کے والد امام علی النقی کی نسل سے تھے اور شیخ رکن العالم ملتانی سے بیعت تھے جو حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا کے فرزند اور خلیفہ تھے۔

سورج کی سیاحت کا قصد

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی ولادت 707ھ/1308ء میں اچ شریف میں ہوئی اور ان کا مزار بھی وہیں مرجع الخلائق ہے۔ ابتدائی تعلیم اچ شریف اور ملتان میں حاصل کی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مزید حصول علم کے لیے اوائل عمر ہی میں حجاز مقدس چلے گئے تھے جس کے ساتھ ہی ان کی دور دراز سیاحت کا آغاز ہوا۔ اسی دور دراز کی سیاحت کے باعث وہ جہاں گشت کہلاتے ہیں۔ اسی سیاحت کے دوران وہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علاوہ کازرون، مصر، شام، فلسطین، الجزیرہ (عراق) بلخ، بخارا اور خراسان گئے۔ ان کا سفرنامہ جس کا اردو ترجمہ 1909ء میں لاہور سے شائع ہوا تھا، ان کی سیاحت کا حال بیان کرنے کے لیے لکھا گیا۔ اس سفرنامہ میں سفری احوال کے ساتھ ساتھ مافوق الفطرت قصے بھی بیان کیے گئے ہیں جن میں سے ایک کے مطابق حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے سورج کی

سیاحت کا قصد بھی کیا تھا اور سورج کے قریب پہنچنے پر اس کی حرارت سے جھلس گئے اور جب اس سفر سے واپس آئے تو جھلسے جانے کی وجہ سے انھیں پہچاننا دشوار ہو گیا تھا کیونکہ ان کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا......

خرقہ تبرک سے سرفراز ہونا

مکہ معظمہ میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت امام عبداللہ یافعی کے ساتھ رہے اور انھوں نے مکہ معظمہ میں حدیث شریف کی کتب صحاح ستہ اکٹھے پڑھیں۔ مکہ المکرمہ میں شیخ الاسلام سند المحدثین حضرت شیخ عفیف الدین عبداللہ المطری سے آپ کو خرقہ خلافت ملا۔ آپ دو سال تک شبانہ روز ان کی خدمت میں رہے اور عوارف اور سلوک کی کئی کتابیں ان سے پڑھیں۔ علم الطریقت ان سے سیکھا اور ذکر الٰہی کرنے کی ترکیب حاصل کی۔ شیخ عفیف الدین نے ان سے فرمایا کہ کارزون (ایران) جا کر اپنا فیض جاری کرو۔

جب آپ کارزون پہنچے تو وہاں شیخ امین الدین مرحوم کے بھائی شیخ امام الدین نے کہا کہ میرے بھائی نے مجھ سے بوقت انتقال کہا تھا کہ میری ملاقات کے لیے سید جلال الدین بخاری کارزون آئیں گے۔ وہ کارزون کے رستہ میں تھے کہ شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈال دیا کہ شیخ امین الدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس لیے سید جلال الدین بخاری پہلے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ وہ واپسی میں کارزون آئیں گے۔ ان کو میرا اسلام اور میری جائے نماز اور قینچی ان کو دے کر میرا با مجاز خلیفہ بنا دینا۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے کارزوں پہنچنے پر شیخ امام الدین نے اپنے بھائی کی وصیت پر عمل کیا۔ کارزوں سے ایک بار پھر حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت ملتان پہنچے اور حضرت شیخ رکن الدین العالم سے خرقہ تبرک پہنا۔

چالیس خانقاہیں

دہلی میں سلطان محمد بن تغلق نے انھیں شیخ الاسلام مقرر کیا تھا اور سیوستان (موجودہ سیون شریف) سندھ میں چالیس خانقاہیں مع مضافات کے انھیں تفویض کی تھیں لیکن اس عہدے کو قبول کرنے سے پہلے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت ایک مرتبہ پھر حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ ان کی دہلی واپس پر سلطان محمد بن تغلق ان کا گرویدہ ہو گیا اور ان کی بے حد تعظیم کرنے لگا۔ شیخ بھی ہر دوسرے یا تیسرے سال سلطان سے ملنے دہلی تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت مخدوم مہم ٹھٹھہ میں بھی سلطان کے ہمراہ سندھ تشریف لے گئے تھے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کی مذہبی حکمت عملی پر بھی حضرت موصوف کا بڑا اثر تھا۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے 10 ذوالحجہ 785ھ/3 فروری 1384ء کو وفات پائی۔

معانقہ کر کے کرامتیں چھین لینا

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی تصنیف ''اخبار الاخیار'' میں رقم طراز ہیں کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت

کو سلسلہ عالیہ قادریہ سے گہری محبت تھی۔ خزانہ جلالی میں لکھا ہے کہ انھیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے بھی بے حد لگاؤ تھا اور اسی وجہ سے بغداد بھی تشریف لے گئے تھے۔ بہرحال آپ نے بے انتہا سیر و سیاحت عالم کی اور اکثر اولیا کرام سے نعمتیں اور برکتیں حاصل کیں جو آپ کے ان اسفار کا حاصل ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ آپ جس سے گلے ملتے تھے اس کی کرامتیں چھین لیتے تھے یعنی اس بزرگ کی اتنی خدمت کرتے کہ وہ بے اختیار ہو کر اپنی تمام کرامتیں از راہ تبرک انھیں عطا کر دیتا تھا۔ آپ مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ کے ہم عصر تھے۔

(24)

1325ء ابن بطوطہ

PRINCE OF THE TAVELLERS

مسلسل 25 سال تک دنیا کی سیاحت کرنے والا سیاح

جو کسی تعارف کا محتاج نہیں

ذوقِ سیاحت کی تسکین

ابن بطوطہ نے جب اپنے سفر کا آغاز کیا تو ریل کی سہولت تھی نہ فضائی سفر میسر تھا مگر اس بہادر سیاح نے مسلسل 25 برس تک سمندروں، پہاڑوں، ریگستانوں میں سفر جاری رکھا۔ وہ پرشور دریاؤں کو کھنگالتا، فلک رفعت پہاڑوں کو سر کرتا ہوا، جنگلوں اور بیابانوں اور برفستانوں کو طے کرتا ہوا اپنے ذوقِ سیاحت کی تسکین کرتا چلا گیا۔

مشہور مسلم سیاح ابن بطوطہ 17 رجب 703ھ رفروری 1304ء میں مراکش کے شہر طنجہ میں پیدا ہوا۔ ابن بطوطہ کا پورا نام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن ابراہیم تھا۔ اس کا تعلق بربری قبیلے سے تھا۔

سیاحت کا جنون اور حصول علم کا متلاشی

جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد ابن بطوطہ 13 جون 1325ء کو گھر سے حج بیت اللہ کے ارادے سے نکلا اور تقریباً پچیس سال بعد نومبر 1349ء میں واپس مراکش پہنچا۔ اس مدت میں اس نے ایشیا کے بیشتر ممالک اور مشرق بعید میں چین تک کی سیاحت کی۔ ابن بطوطہ 1326ء میں شمالی افریقہ سے ہوتا ہوا مصر پہنچا جہاں اسکندریہ میں قیام کے دوران اس کی ملاقات ایک عالم دین برہان الدین سے ہوئی جس سے وہ بے حد متاثر ہوا۔ سید برہان الدین نے اسے حصول علم کے لیے ہندوستان اور چین جانے کی ترغیب دی۔ ابن بطوطہ سیاحت پر نکلنے کے لیے پہلے ہی بے چین تھا وہ اس ترغیب سے بے حد خوش ہوا۔ برہان الدین نے ہندوستان کے چند ایسے علماء کے نام اور پتے اسے دیے جن سے اس کی ملاقات ضروری تھی تاہم وہ فوراً سفری مشکلات کی وجہ سے سفر ہندوستان نہ نکل سکا اور شام و فلسطین سے ہوتا ہوا حجاز

پہنچا جہاں اس نے فریضہ حج ادا کیا۔ حج کے بعد ابن بطوطہ نے عراق اور ایران کی سیاحت کی۔ اس کے بعد وہ دوبارہ مکہ آ گیا اور دو سال تک وہیں مقیم رہا۔ اس کے بعد وہ جنوبی عرب سے ہوتا ہوا مشرقی افریقہ تک گیا اور واپسی میں خلیج فارس پہنچا پھر تیسری بار مکہ پہنچا اور اس نے تیسری بار حج کیا۔ مکہ سے وہ مصر کے مقام اسوان پہنچا اور مصر و شام سے ہوتا ہوا ایشیائے کوچک اور کریمیا تک چلا گیا۔ اس دوران ابن بطوطہ نے بازنطینی دارالحکومت قسطنطنیہ کی سیاحت کی اور قیصر روم انڈرونیکوس سے ملاقات کا شرف حاصل کیا پھر دریائے وولگا کو عبور کر کے وہ خوارزم، بخارا اور افغانستان سے ہوتا ہوا براستہ کوہ ہندوکش وارد ہندوستان ہوا۔ یہاں اس نے سلطنت دہلی کے مشہور سلطان محمد تغلق سے ملاقات کی جس نے اسے قاضی کے عہدے پر فائز کیا جس کی وجہ سے اس نے کچھ عرصہ کے ہندوستان میں مستقل سکونت اختیار کی لیکن سیاحت کے جنون نے اسے یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ ہندوستان میں دو سال کے قیام کے بعد اس نے چین کا قصد کیا مگر جزیرہ مالدیپ پہنچ کر وہیں ٹھہر گیا اور یہاں بھی قاضی کے عہدے پر ڈیڑھ سال تک فائز رہا۔ 1344ء میں وہ مالدیپ سے نکلا اور سراندیپ (لنکا) مالابار، بنگال اور ہندا قصیٰ کی سیاحت کرتا ہوا چین جا پہنچا۔ چین کی سیاحت کے بعد وہ جزائر شرق الہند میں سماٹرا ہوتا ہوا بحری راستے سے ساحل عرب پر واپس آ گیا۔ ایران، عراق، شام اور عرب میں سفر کرنے کے بعد اس نے مصر سے واپس مکہ جا کر چوتھی بار حج کیا۔ شام میں ایک طویل عرصے کے بعد اسے اپنے وطن اور گھر کے متعلق معلومات ملیں۔ اسے معلوم ہوا کہ اس کا والد پندرہ برس قبل فوت ہو چکا ہے لیکن ماں ابھی زندہ ہے۔ لہٰذا وہ فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد شمالی افریقہ کے راستے سے 1349ء میں واپس فیض (مراکش) میں داخل ہوا۔ اپنے وطن میں تھوڑا عرصہ قیام کے بعد ابن بطوطہ ایک بار پھر سیاحت عالم پر نکل کھڑا ہوا اور اندلس جا پہنچا۔ اندلس سے وہ افریقی ریاست مالی پہنچا اور ٹمبکٹو اور دیگر شہر دیکھنے کے بعد تواب اور گدیز کے نخلستانوں سے ہوتا ہوا 1354ء میں ایک بار پھر مراکش آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی اٹھائیس سالہ سیاحت کا ہنگامہ خیز دور اختتام کو پہنچا جس کے دوران اس نے کرۂ ارض پر تقریباً 75000 میل کا سفر طے کیا تھا۔

ابن بطوطہ کا سفرنامہ

ابن بطوطہ نے فیض میں مراکش کے سلطان ابوعنان کے حکم پر ایک اندلسی عالم ابن جزی الکلبی کو اپنے اس طویل سفر کے حالات قلم بند کرائے۔ ابن جزی سلطان ابوعنان کے دربار کا کاتب تھا اور انشا پردازی کا ماہر تھا۔ اس نے بڑی توجہ سے ابن بطوطہ کا سفرنامہ ''تحفۃ النظار فی غرائب الامصار وعجائب الاسفار'' مرتب کیا اور اسے کتابی شکل دی۔ اس کتاب کا کچھ حصہ آج کل پیرس کے قومی کتب خانے میں محفوظ ہے۔

ابن بطوطہ کے سفرنامے کا اصل مقصد حصول علم تھا۔ اس زمانے میں یہ رواج تھا کہ جو لوگ حج کی غرض سے

نکلتے وہ راستے میں مختلف علماء کی صحبت میں بیٹھ کر تحصیل علم کرتے تھے۔ابن بطوطہ بھی علم حاصل کرنے نکلا تھا مگر بعدازاں اس پرشوق سیاحت غالب آ گیا اور وہ مختلف ممالک کی خاک چھانتا رہا۔

قاضی کے عہدہ پر فائز

ابن بطوطہ کی سیاحت میں زیادہ تر مسلم ممالک کا ذکر ہے مگر اس نے قسطنطنیہ اور دیگر غیر مسلم ممالک کی سیاحت بھی کی اور وہاں کے علماء اور صوفیا تک رسائی حاصل کی اور دوران سیاحت اسے بطور قاضی بھی کام کرنے کا موقع ملا۔وہ ہندوستان اور مالدیپ میں قاضی کے عہدے پر فائز رہا۔

ابن بطوطہ کا سفر نامہ اس کے عہد کی ایک اہم تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے اور اس سے اس زمانے کی پوری تاریخ مرتب کی جا سکتی ہے۔اس نے تاریخ کے اہم واقعات کو صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔اس کی بالغ نظری اور دوراندیشی نے آئندہ نسلوں کے لیے جو ترکہ چھوڑا ہے وہ اس کی بصارت کا آئینہ دار ہے۔اسی وجہ سے دنیائے مغرب اسے ''پرنس آف دی ٹریولرز'' کہنے پر مجبور ہو گئی ہے۔

(25)

1419ء - غیاث الدین نقاش

تیموری حکمران شاہ رخ میرزا کا شہنشاہ چین کے دربار میں بھیجا گیا سفیر

مولانا غیاث الدین نقاش (1419-1422ء) سمرقند کے تیموری حکمران شاہ رخ میرزا کا بھیجا ہوا چین کے یونگل شہنشاہ آف منگ خاندان کے دربار میں بھیجا ہوا سفارت کار تھا۔ مولانا غیاث الدین سرکاری طور پر شاہ رخ میرزا کی چین بھیجے جانے والی سفارتی مہم کا روزنامچہ نگار تھا جو شاہ رخ میرزا نے 1419ء میں چین کے منگ شہنشاہ یونگل Yongle کے دربار میں بھیجی تھی۔ ایک مغربی مؤرخ ویزلی بارٹولڈ Vasily Bartold کے مطابق وہ ایک مصور تھا جیسا کے اس تخلص "نقاش" سے پتہ چلتا ہے۔

شاہ رخ میرزا کی سفارت عازم چین

شاہ رخ میرزا کی اس سفارت میں بھیجے گئے دوسرے سفارت کار شادی خواجہ اور کوکہ شامل تھے۔ یہ سفارت ہرات سے روانہ ہوئی جو ان دنوں شاہ رخ میرزا کا دارالحکومت تھا۔ (24 نومبر 1419ء / 6 ذیقعدہ 822ھ) یہ سفارت کار بلخ وسمرقند کے راستے سے روانہ ہوئی۔ وہاں اس سفارت میں شاہ رخ میرزا کے بیٹے الغ بیگ کی طرف سے بھیجے گئے سفارت کار بھی اس سفارت میں شامل ہونے کی توقع تھی۔

یاد رہے کہ الغ بیگ ان دنوں ماوراء النہر کا گورنر تھا مگر وہاں پہنچنے پر پتہ چلا کہ الغ بیگ کے بھیجے گئے سفارت کاروں کا وفد وہاں سے پہلے ہی روانہ ہو چکا ہے۔ اس لیے شاہ رخ میرزا کی بھیجی ہوئی یہ جماعت علیحدہ طور پر روانہ ہوئی۔ وہ 25 فروری 1420ء کو سمرقند سے چین کے لیے روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ وہ چینی سفارت کار تھے جو واپس چین جا رہے تھے۔ سفارت کاروں کا یہ کارواں شاہراہ ریشم کی ایک شمالی شاخ سے براستہ تاشقند اور سیرام Sayram جا رہا تھا۔ غیاث الدین نے لکھا ہے کہ اس کارواں میں کچھ غیر مسلم عیسائی بھی شامل تھے جو صلیب کی عبادت کرتے

تھے۔ 29 اگست 1420ء کو یہ کارواں عظیم دیوار چین کے مغربی سرے واقع جیائے یوگان Jiayuguan سے چین میں داخل ہوا۔ اس سرحد مقام پر چین کے سفارتی قوانین پر عمل کرتے ہوئے کارواں میں شامل سفارت کاروں کا اندراج کیا گیا۔ پھر شوژاؤ نامی شہر پہنچنے پر چینی قوانین کے تحت چین میں داخل ہونے والے ان مسافروں کی گنتی کی گئی۔ شوژاؤ نامی یہ شہر جیائے یوگون سے 45 میل کے فاصلے پر دیوار چین کو عبور کرنے کے بعد واقع تھا۔ اس کارواں میں اس وقت وسطی ایشیا کے تاجروں کی شمولیت کی وجہ سے افراد کی تعداد 500 سے تجاوز کر چکی تھی جو چین میں تجارت کے لیے جاتے رہتے تھے۔

شوژاؤ سے اس سفارت کو خصوصی چینی ہرکاروں کے ساتھ پیکنگ روانہ کیا گیا۔ اس راستے پر چین کی حکومت 2900 کومیٹر کے اس فاصلے میں تقریباً 99 کارواں سرائے تعمیر کیے ہوئے تھے۔ اس سفارت نے پیکنگ کے اس سفر میں گنزاؤ Ganzhou اور لینزاؤ نامی چینی شہروں میں قیام کیا اور دریائے زرد پر بنے ہوئے کشتیوں کے پلوں سے اس دریا کو عبور کیا اور آخر کار یہ سفارت 14 دسمبر 1420ء کو پیکنگ پہنچ گئی۔

ان سفارت کاوں نے تقریباً پانچ ماہ تک چینی شہنشاہ کے دربار میں قیام کیا۔ نقاش کی تحریروں کے مطابق چینی شہنشاہ کا درباری وزیر مولانا حاجی یوسف قاضی نامی شخص تھا جو سفارتی معالات سنبھالتا تھا۔ یہ چینی مسلمان عربی، منگولی، فارسی اور چینی زبانوں پر دسترس رکھتا تھا اور شہنشاہ اور سفارت کاروں کے درمیان مترجم کے فرائض بھی ادا کرتا تھا۔ غیاث الدین نقاش نے چینی شاہی دربار کی تقریبات کو مفصل طور پر بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ شاہی دعوتوں میں فن موسیقی کا مظاہرہ اور کھیل تماشوں کا انتظام بھی کیا جاتا۔ نقاش خصوصی طور پر چینی کاریگروں کے فن سے بہت متاثر ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے چینی حکومت کی طرف سے انصاف کے تقاضوں کو بھی پورے کیے جانے کی تعریف کی ہے۔

سفارت کی واپسی

18 مئی 1421ء کو شاہ رُخ میرزا کی اس سفارت نے ہرات واپس جانے کے لیے پیکنگ سے واپسی کے سفر پر روانگی اختیار کی۔ راستے میں وہ کئی ماہ تک چینی شہر گنزاؤ میں ٹھہرے اور منگول حملوں کی وجہ سے انھیں جیاژو Xiaoxou میں بھی قیام کرنا پڑا تب کہیں جا کر وہ 13 جنوری 1422ء کو آخری چینی چیک پوسٹ سے باہر نکلے اور وسط ایشیا میں داخل ہوئے۔ چینی چیک پوسٹ پر ان کے ناموں کا اندراج موجود تھا اس لیے انھیں چین چھوڑنے کی اجازت باآسانی مل گئی تھی۔ یہ سفارت 29 اگست 1422ء بمطابق رمضان المبارک 825ھ کو واپس ہرات پہنچی۔

ایک اہم تاریخی دستاویز

غیاث الدین کا تحریر کردہ اس سفارتی مشن کا روزنامچہ ایک بڑی اہم تاریخی دستاویز ہے۔ یہ اس وقت کے

چینی معاشرے پرتحریر کردہ ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔غیاث الدین نقاش کا تحریر کردہ یہ روزنامچہ اپنی اصلی حالت میں بھی اب تک محفوظ ہے۔اس کے علاوہ اس روزنامچہ کے ترکی اور ایرانی میں تراجم بھی موجود ہیں۔اس روزنامچہ کو شاہ رخ میرزا کے درباری مؤرخ نے زبدۃ تاریخ بائسنقری کے نام سے بعدازاں ایک کتاب کی شکل بھی دی تھی۔

غیاث الدین نقاش کی یہ سفری رپورٹ ''مطلع السعدین ومجمع البحرین'' نامی کتاب میں عبدالرزاق سمرقندی نے ضم کردی تھی جو غیاث الدین کی سفارتی مہم کی طرح شاہ رخ میرزا کی دیگر مہمات میں خود بھی شامل رہا ہے۔

پندھرویں صدی میلادی میں غیاث الدین نقاش کے اس روزنامچے کے ترکی زبان میں کئی تراجم بھی کیے گئے ہیں جو خاصے مقبول ہوئے تھے۔

(26)

1419ء ۔ نکولوڈی کونٹی

NICCOLO DE CONTI

مارکو پولو کے بعد دوسرا بڑا اطالوی سیاح جس نے اہل یورپ کو دنیائے مشرق سے متعارف کرایا۔

نکولوڈی کونٹی (NICCOLODECONTI) ایک اطالوی تاجر وسیاح اور معلومات فراہم کرنے والا محقق و مفتش تھا۔ وہ اطالوی قصبے شیوجیا (Chio Ggia) میں پیدا ہوا اور اس نے ہندوستان اور جنوب مشرق ایشیا کا سفر کیا اور وہ جنوبی چین بھی گیا۔ اس کی تحریر کردہ معلومات پر بعدازاں اطالیہ میں فرامورو (Fra Mauro) نقشہ ترتیب دیا گیا تھا جس میں یورپ سے افریقہ اور ہندوستان کا بحری راستہ دکھایا گیا تھا۔

نکولوڈی کونٹی 1419ء میں وینس سے روانہ ہوا اور اس نے خود کو دمشق میں رہائش پذیر کرلیا جہاں اس نے عربی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ تقریباً 25 سال تک اس نے براعظم ایشیا کے مختلف مقامات کے سفر کیے۔ اسلامی تمدن و معاشرت سے اس کی واقفیت اور عربی زبان پر اس کی دسترس کئی مقامات پر اس کے کام آئی اور وہ مسلم تاجروں کے ساتھ ان کے بحری جہازوں میں سفر کرتا رہا۔

نکولو کے سفر مشرق

1295ء میں مارکو پولو کی وینس واپسی کے بعد سے کسی اور مغربی سیاح اور تاجر کے سفر مشرق کا کوئی سراغ نہیں ملتا یہاں تک کہ 1439ء میں تقریباً بیس سال تک دنیائے مشرق کی سیاحت کے بعد نکولوڈی کونٹی وطن واپس پہنچا تھا اور دوسرا بڑا اطالوی سیاح قرار پایا تاہم اس کے علاوہ ہمیں تاریخ اکتشاف عالم میں ایک پادری اوڈوریکسیائی زوئی کا نام ملتا ہے جس نے 1310ء میں آرمینیا، عراق، ایران، سیلون، سماٹرا، کمبوڈیا اور چین تک سفر کیا تھا۔

نکولوڈی کونٹی شام کے صحرا کو عبور کر کے پہلے بغداد پہنچا تھا جہاں سے اس نے دریائے دجلہ کے راستے بصرہ

تک کا سفر کیا اور وہاں سے خلیج فارس کے راستے ایران پہنچا جہاں اس نے دوسری اسلامی زبان فارسی سیکھی۔ اس کے بعد وہ بحیرۂ عرب کو عبور کر کے سمندری راستے سے کوبے Combay، گجرات پہنچا اور وہاں سے خشکی کے راستے سے سفر کرتا ہوا 1555ء سے پہلے دکن پہنچنے والا پہلا یورپی سیاح بن گیا۔ اس نے ہندوستانی ریاست وجیانگر کی بھی سیاحت کی۔ اس نے جنوبی ہندوستان میں بولی جانے والی تیلگو زبان کے جملوں کو حروف علت Vowels پر ختم ہوتے ہوئے پایا جو اطالوی زبان سے ملتے جلتے تھے۔ اسی بنا پر مشرق کا اطالوی باشندہ کہلایا۔ وہ ہندوستان کے انتہائی مشرقی ساحلی گوشے میں واقع مالیا پور Malia Pur پہنچا جو آج کل بھارت کے صوبے چنائی (مدراس) میں واقع ہے اور آج کل میلا پور کہلاتا ہے۔ وہاں اس نے ایک مسیحی سینٹ تھومس کے مقبرے کی زیارت کی جو ہندوستان کے مشرقی ساحل پر پہلی مسیحی آبادی قائم کرنے والا سینٹ کہلاتا ہے۔

ویت نام کے لیے روانگی

تقریباً 1421ء میں نکولو ڈی کونٹی نے جزائر شرق الہند میں جنوبی سماٹر کے علاقے پڈیر Pedir کو عبور کیا اور وہاں ایک سال تک قیام پذیر رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب امیر البحر ژنگ Zheng چین اور سماٹرا کے درمیان سفر کر کے تجارتی رابطہ قائم کر رہا تھا۔ ڈی کونٹ نے بھی جزائر شرق الہند میں ہونے والی مصالحوں اور سونے کی تجارت کے متعلق مفصل معلومات حاصل کیں۔ سماٹرا سے 16 دن کے بحری سفر کے بعد وہ ٹینیسرم Tenasserim پہنچا۔ ملایا کے جزیرے عا پر واقع تھا۔ یہاں سے اس نے دریائے گنگا کے دہانے تک سفر کیا جو خلیج بنگال میں واقع ہے۔ بنگال پہنچنے کے بعد اس نے سونار گاؤں (ڈھاکہ) اور چٹاگانگ کی ساحت کی اور پھر خشکی کے راستے آراکان برما پہنچا۔ برما سے بحری سفر کے بعد وہ جاوا پہنچا وہاں اس نے نو ماہ تک قیام کیا اور پھر چمپا Champa (آج کل ویت نام) کے لیے روانہ ہو گیا۔

ڈی کونٹی نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ جنوب مشرق ایشیا دولت و ثروت میں دنیا کے تمام خطوں سے آگے تھا اور تہذیب و معاشرت میں اطالیہ سے بہتر تھا۔ 1430ء کی دہائی میں ویتنام سے واپس ہندوستان اور کالی کٹ اور کوبے سے ہوتا ہوا مشرق وسطی کی اہم بندرگاہوں، عدن، بربرا اور جدہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ جدہ سے اس نے خشکی کے راستے سے کوہ سینائی تک سفر کیا جہاں اس کی ملاقات ایک ہسپانوی سیاح پیڈرو ٹوفو Pedro Tafur سے ہوئی جہاں سے وہ پیڈرو کے ساتھ قاہرہ کے لیے روانہ ہوا۔

یہ حیرت انگیز امر ہے کہ ان تمام سفروں میں اس کے بیوی بچے بھی ڈی کونٹی کے ہمراہ تھے۔ اس کی بیوی سے اس کی ملاقات ہندوستان میں ہوئی تھی۔ اس کے چار بچوں میں سے دو کا انتقال مصر میں ہوا تھا۔ ڈی کونٹی 1444ء میں واپس وینس پہنچا جہاں وہ ایک قابل احترام تاجر قرار پایا۔

پوجیوPoggi نے 1444ء میں ڈی کونٹی کا سفرنامہ ترتیب دیا۔اس کے مطابق وہ پندرھویں صدی میلادی کا سب سے بہتر تاجروسیاح قرار پایا۔

مصالحوں کے جزیرے

نکولوڈی کونٹی کے سفرنامے سے اہل یورپ کو بڑی اہم جغرافیائی معلومات حاصل ہوئیں اور اہل یورپ کو بحیرہ ہنداور جزائرسنڈاSunda Islandsاور مصالحوں کے جزیروں کے متعلق پہلی بار مفصل معلومات ملیں جس سے اہل یورپ کے سیاحوں کواس صدی کے آخر میں دنیائے مشرق کی سیاحت پر نکلنے کے لیے حوصلہ ملا۔

نکولوڈی کونٹی کے سفرنامے کا پہلا پرنٹیڈ ایڈیشن 1492ء میں شائع ہوا جولاطینی زبان میں تھا۔اس کے بعد اس کے مختلف یورپی زبانوں میں تراجم شائع ہوئے۔اس کا پہلا انگریزی ترجمہ جو ہسپانوی زبان سے کیا گیا تھا 1579ء میں شائع ہوا۔اس میں مارکوپولواورڈی کونٹی کی تحریروں کاامتزاج شامل تھا۔

(27)

1487ء - پری رئیس

اپنے مشاہدات اور دیگر معلومات کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے پری رئیس نے "کتاب بحریہ" لکھی

پری رئیس کا اصل نام محی الدین تھا۔ وہ ترکی کے شہر گیلی پولی میں 1470ء میں پیدا ہوا اور اس نے 1554ء میں مصر میں وفات پائی۔ وہ ترکی کے قومی ہیروز میں سے ایک ہے۔ اس کے خاص موضوعات جغرافیہ اور نقشہ کشی تھے۔

پہلا بحری نقشہ

پری رئیس مشہور ترک امیر البحر کمال رئیس کا بھتیجا تھا۔ اس نے 1487ء سے 1493ء تک ترکی کی بحریہ میں ملازمت کی اور اپنے چچا کے زیر کمان چند بحری جنگوں میں حصہ لیا۔ 1511ء میں اپنے چچا کے انتقال کے بعد اس نے ترک بحریہ کو چھوڑ دیا اور اپنے پہلے بحری نقشے پر کام شروع کیا۔ اس کے بعد اس نے الجزائر کے ترک گورنر اور امیر البحر خیر الدین باربروسا کی ملازمت اختیار کرلی۔

اسکندریہ کی فتح

1516-1517ء میں پری رئیس کو چند ایسے جہازوں کی کمان سونپی گئی جو مصر کے خلاف عثمانی مہم میں حصہ لے رہے تھے۔ پری رئیس نے اسکندریہ کو فتح کرلیا۔ یہ ایک ایسا کارنامہ تھا جس کے نتیجہ میں سلطان سلیم اول سے اس کی ملاقات ممکن ہوگئی۔ اسی توسط سے پری رئیس نے سلطان سلیم کو 1513ء میں اپنا گیلی پولی میں تیار کردہ نقشہ پیش کیا۔ مصر کی سلطنت عثمانیہ سے الحاق کے بعد پری رئیس اپنے آبائی شہر گیلی پولی واپس لوٹ آیا اور یہاں اس نے اپنی "کتاب بحریہ" لکھنا شروع کردی۔ مصر میں خلفشار پیدا ہوجانے کے بعد پری رئیس کو ابراہیم پاشا کا گائیڈ مقرر کیا گیا۔ جب پری رئیس اپنے بحری بیڑے سمیت مصر جارہا تھا تو راستے میں اس کے بحری بیڑے کو ایک سمندری طوفان نے آلیا جس کی وجہ سے اس کے جہازوں کو بحیرہ روم میں واقع جزیرہ رہوڈس میں رکنا پڑا۔ اس دوران پری رئیس کو بار بار اپنی تحریروں کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ اس سے ابراہیم پاشا کی توجہ اس کی طرف منعطف ہوئی اور ابراہیم پاشا نے اس کی

حوصلہ افزائی کی کہ وہ اپنی کتاب مکمل کرے تا کہ اسے سلطان کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ 1526ء میں پری ریئس کو جنوبی سمندروں کا امیر البحر بنادیا گیا۔اس کا آخری سرکاری عہدہ بحرہ قلزم اور بحیرہ عرب کے امیر البحر کا تھا۔

ہرن کی کھال پر نقشہ

1929ء میں استنبول کے طوپ قپی میوزیم سے نقشے کا ایک ٹکڑا دریافت ہوا تھا۔اس نقشے میں جزیرہ ہسپانیہ، شمالی افریقہ کا مغربی نکلا ہوا حصہ، بحراوقیانوس اور جزائر وسواحل براعظم امریکہ ظاہر کیے گئے ہیں۔یہ نقشہ ہرن کی کھال پر بڑی احتیاط سے بنایا گیا تھا۔اس میں رنگین تصاویر بھی شامل ہیں اور حاشیہ پر ملکوں قوموں جانوروں اور نباتات کے بارے میں معلومات درج ہیں۔اس نقشے پر ثبت دستخطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امیر البحر نے بنایا تھا اور یہی وہ نقشہ تھا جو اس نے 1513ء میں سلطان سلیم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

یہ امر حیرت انگیز ہے کہ پری ریئس کے نقشے پر وہ تمام اہم معلومات درج ہیں جو کولمبس کے نقشے پر درج تھیں۔مثال کے طور پر ٹرینی ڈاڈ کو اس نقشے پر کیلے راٹ Kale Rot لکھا گیا ہے۔یہ نام غالباً اس جزیرہ پر واقع ایک ایسے مقام کے نام سے لیا گیا جس کو کولمبس نے گیلرا Galra لکھا تھا۔اسی طرح پورٹری کو کوسان جوان باٹسطا بتایا گیا ہے۔اس نقشے پر پانچواں حاشیہ امریکہ اور اس کی دریافت کے بارے میں ہے۔اس پر لکھا گیا ہے کہ یہ سواحل جن کا نام انٹیلیا ہے یہ سن 896ء میں دریافت ہوئے تھے اور ان علاقوں کو جنیوا اٹلی میں رہنے والے ایک جہاز ران کولمبو نے دریافت کیا تھا۔اسی طرح پری ریئس کی کتاب بحریہ ایک رہنما کتاب ہے جس میں ہر قسم کی بنیادی معلومات دی گئی ہیں۔اس میں اہم ساحلی بحری راستوں کے بڑے بڑے نقشے مختلف رنگوں میں مفصل بحری چارٹ دے گئے ہیں۔

کتاب بحریہ

کتب بحریہ کے اکیس ابوب ہیں۔ابتدا میں مصنف نے تاریخی اور جغرافیائی معلومات درج کی ہیں۔اس کے بعد جہاز رانی کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔

تیسرے باب میں پری ریئس اپنی اس کتاب کی تصنیف کا مقصد بیان کرتا ہے اور اپنی بحری زندگی کی تفصیلات بیان کرتا ہے۔اس کی زندگی کا یہ حصہ اس کے چچا کمال ریئس کے ساتھ گذرا تھا۔

باب سوم اور پنجم میں پری نے ان طوفانوں، ہواؤں اور کمپاس کے بارے میں معلومات درج کی ہیں۔

ابواب ششم اور ہفتم میں نقشوں اور ان کی علامات کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

باب ہشتم میں دنیا کے براعظموں اور سمندروں کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔

باب نہم میں پرتگیزی جہاز رانوں کی بحری اور جغرافیائی دریافتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اکیسویں اور آخری باب میں پری نے بحر اوقیانوس کے بارے میں معلومات درج کیں اور اس میں واقع ایک نئے براعظم سے متعارف کرایا گیا ہے۔اس براعظم کو پری ریس نے انٹیلیا کا نام دیا ہے۔لیکن حقیقتاً یہ براعظم امریکہ ہے جس کے پہاڑوں پر سونے کی کچ دھات بکثرت موجود بتائی گئی ہے۔اس براعظم کے مقامی باشندوں کو یورپی مؤرخین کی طرح ہی خطرناک مخلوق قرار دیتا ہے۔مغربی سمندر کے بارے میں وہ تمام معلومات اس باب میں درج ہیں جو امریکہ کی دریافت کے بعد لوگوں کے علم میں آچکی تھیں۔

(28)

1436ء ۔ کونارڈ گروئن برگ

Conard Groinburg

ازمنۂ وسطیٰ کا زائر یروشلم جس نے 33 ہفتے میں زیارت یروشلم کا سفر مکمل کیا

باتصویر ''سفرنامہ زیارت یروشلم''

کونارڈ گروئن برگ، کونسٹینس Constance شہر کا رہنے والا تھا اور اپنی نسبتی امارت اور اس کے امتیازی نشانات کی وجہ سے جانا جاتا تھا۔ اس کی تصانیف میں Osterrichische Wappenchroic اور اس کا ایک باتصویر ''سفرنامہ زیارت یروشلم'' بہت مشہور ہیں۔

مزار مسیح کا بہادر

گروئن برگ غالباً 1420ء میں پیدا ہوا تھا اور کونسٹینس شہر کے میئر کا بیٹا تھا۔ اس کا ذکر اس شہر کے بزرگوں کی فہرست 1441ء میں پہلے پہل ملتا ہے۔ 1465ء میں وہ شہنشاہ فریڈرک سوم کا درباری بن چکا تھا اور 1485ء اور 1486ء تک اس کی خدمات کے صلے میں اس کو Ritter مذہبی رسوم کی ادائیگی کرانے والا کا خطاب مل چکا تھا۔ اس کے علاوہ قیام یروشلم میں اس کو ''مزار مسیح کے بہادر'' Knight of Holy Sepulchre کا خطاب بھی ملا تھا۔ اس کے علاوہ وہ کئی اور کلیسائی خطابات کا بھی حامل تھا۔

اس کی زیارت یروشلم کا سفر تقریباً 33 ہفتے پر محیط ہے جو اپریل 1486ء میں شروع ہوا اور آغاز دسمبر 1486ء تک جاری رہا۔ اپنے اس سفر کا آغاز کونارڈ نے 22 اپریل 1486ء کو کونسٹینس سے روانہ ہو کر کیا تھا۔ وہ رہینک Rheineck کے راستے پہلے وینس پہنچا اور راستے میں اس نے سٹرزنگ Sterzing، ٹائرول Tyrol اور ٹرینٹو Trento کی سیاحت کی۔ پھر 31 مئی کو وہ وینس سے بذریعہ بحری جہاز پوریک Porec، زادار Zadar اور Corfu اور دیگر جزائر سے ہوتا ہوا 24 جولائی کو جفہ Jaffa کی بندرگاہ فلسطین میں وارد ہوا۔ پھر خشکی

پر سفر کرتے ہوئے اس نے لیڈا Lydda، رملا، ایماؤس سے یروشلم اور بیت اللحم تک کا سفر کیا۔ یہ سفر زیادہ تر اس نے خچر پر سوار ہو کر کیا۔ کچھ عرصہ یروشلم کی سیاحت کرنے کے بعد وہ جفہ واپس پہنچا اور اس نے یکم ستمبر 1486 کو ایک بحری جہاز پر سوار ہو کر واپسی کا سفر کیا۔ 16 نومبر سینٹ اوتھامر کے دن وہ وینس کی بندرگاہ میں اترا اور آغاز دسمبر میں وہ گھر واپس پہنچ گیا۔ کونسٹینس پہنچنے کے بعد اس نے اپنے سفر زیارت کے دو با تصویر مسودے تیار کیے اور اس سفرنامہ میں اپنے سفر زیارت یروشلم کو بہت خوبصورت پیرائے میں بیان کیا۔ اس سفرنامے میں یروشلم کے اہم اور تاریخی مقامات کے علاوہ لیڈا Lydda کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

(29)

کولمبس - 1492ء

کولمبس اپنا بحری بیڑا لے کر مغرب کی سمت میں ہندوستان کی تلاش میں نکلا مگر نئی دنیا پہنچ گیا

نئی دنیا کی دریافت

مغربی نصف کرہ کی سب سے پہلی سرزمین جسے کولمبس یا کسی اور پہلے یورپی باشندے نے دیکھا وہ جزائر بہاماس کا مشرقی ساحل تھا جسے آج کل سرکاری طور پر سان سلواڈور یا ویسٹنگو آئی لینڈ کہتے ہیں۔ خشکی کا یہ منظر دیکھ کر کولمبس کے ساتھیوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ حفاظت سے اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ ان کے ہونٹوں پر خدا کی حمد اور آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔ کولمبس نے ساحل پر اتر کر اعلان کیا کہ اس جزیرے کا نام سان سلواڈور ہوگا۔ یہ تھا نئی دنیا کی دریافت کا منظر جو کرسٹوفر کولمبس نے اپنی سوانح عمری میں بیان کیا ہے۔

زمین گول ہے

کرسٹوفر کولمبس جنیوا اراٹلی میں 1451ء میں پیدا ہوا۔ جب جوانی کی دہلیز پر پہنچا تو اسے یقین ہو گیا تھا کہ زمین گول ہے۔ اسی بنا پر وہ سمجھتا تھا کہ اگر مغرب کی سمت میں بھی سفر کیا جائے تو ہندوستان پہنچا جا سکتا ہے۔ اسی خیال کو ذہن میں لے کر کولمبس پرتگال کے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ اس کے سامنے کولمبس نے مغرب کی طرف سفر کرتے ہوئے ہندوستان کے ساحل تک پہنچنے کی تجویز پیش کی اور بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر اسے چند بحری جہاز اور مناسب مالی معاونت دی جائے تو وہ بالضرور ہندوستان کے لیے ایک نیا بحری راستہ دریافت کرلے گا۔ دراصل پرتگیز جہاز راں ہندوستان کے بحری راستے کی تلاش میں کئی دہائیوں سے کوشش کر رہے تھے۔ بادشاہ نے کولمبس کی تجویز پر ہمدردی سے غور کرنے کا وعدہ کیا جو کبھی وفا نہ ہو سکا۔

ایک نئے بحری راستہ کی تلاش

اب اس نے اسپین کے بادشاہ فرڈینینڈ اور ملکہ ازابیلا کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی۔ فرڈینینڈ نے کولمبس کی

تجویز پر غور کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی اور آخر اس کی اس تجویز پر رضامندی ظاہر کرتے ہوئے اسے اٹھاسی ملاح اور تین جہاز بمع مالی امداد فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔ کولمبس تین بحری جہازوں سانتاماریا، پینٹا اور لینا کے ساتھ ہسپانیہ سے بروز جمعہ 3 اگست 1492ء کو انجانی دنیا کے سفر پر روانہ ہوا۔ کولمبس نے عمر بھر ہندوستان کے ساحل تک پہنچنے کے خواب دیکھے تھے اس لیے اس کی اس بحری مہم کا مقصد ہندوستان کے لیے ایک نئے بحری راستے کی تلاش تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر مسلسل مغرب کی سمت میں سفر کیا جائے تو یقیناً دنیا کے گول ہونے کی وجہ سے ہندوستان تک پہنچا جاسکتا ہے جو عام طور پر مشرق میں واقع سمجھا جاتا تھا۔

مسلسل کئی ہفتے کے سفر کے بعد جب ایک دن پینٹا کے جہازیوں نے لکڑی کا ایک تختہ جہاز کے قریب سمندر کی سطح پر تیرتا ہوا دیکھا تو وہ خوشی سے جھوم اٹھے۔ اس سے پہلے سب بے یقینی کی کیفیت کا شکار تھے اور سمجھتے تھے کہ کولمبس انھیں بے منزل سفر پر لے جارہا ہے۔ پھر کولمبس نے اپنی بہترین وردی پہنی اور وہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ ہسپانیہ کا جھنڈا لیے اس نئی سرزمین پر اترا اور اس نے اس کا نام سان سلواڈور رکھا۔

کسمپرسی کی موت

واپسی پر اس کا بہت پرجوش استقبال کیا گیا۔ کولمبس کی دوسری مہم میں 1493ء میں جزائر ورجن، پورٹریکو اور جمیکا دریافت کیے گئے۔ تیسرے سفر 1498ء میں کولمبس نے وینزویلا اور نوکو کا دہانہ دریافت کیا۔ ان دریافتوں کے بعد کولمبس نے شاہ و ملکہ ہسپانیہ کو تجویز پیش کی کہ نئی دنیا میں مسیحیت کی پرزور تبلیغ کی جائے اور مقامی باشندوں پر سختی کر کے انھیں ان کا آبائی مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا جائے۔ اس کے بعد کولمبس کو نئی دنیا کے اس علاقے کا گورنر بنا کر بھیجا گیا مگر وہ بطور حاکم ناکام ثابت ہوا اور اس پر مختلف قسم کے الزامات عائد کردیے گئے جن کی پاداش میں اسے پابہ زنجیر ہسپانیہ واپس لایا گیا۔ اس کی چوتھی مہم 1502ء میں وقار کی بحالی کے لیے تھی۔ اس مہم میں ہونڈراس کے ساحل تک پہنچا مگر اسے اتنی مشکلات پیش آئیں کہ مجبوراً اسے واپس لوٹنا پڑا اور وہ بڑی کسمپرسی کی حالت میں مرا۔

(30)

1554ء سیدی علی رئیس

عمان کے ساحل پر سیدی علی رئیس کو ایک شدید طوفان نے آگھیرا اور وہ ہندوستان کے ساحل پہنچ گیا

سیدی علی رئیس 1498 میں استنبول کے علاقے گلاتا Galata میں پیدا ہوا۔ سیدی علی رئیس کا تعلق مشہور سینوپ Sinop خاندان سے تھا۔ آپ کے دادا سلطان محمد فاتح کے عہد میں شپ یارڈ کے ناظم اعلیٰ تھے۔ آپ کے والد حسین آغا بھی ایک اہم سرکاری عہدے پر فائز تھے۔ خود سیدی علی رئیس نے بھی اپنے کیریئر کے آغاز میں شپ یارڈ میں بطور رئیس کام کیا۔ سیدی علی نے خیر الدین بار بروسہ کی کفالت میں پرورش پائی۔ 1522ء میں وہ جزیرہ روڈس کی فتح میں اور بحرابیض کے مغربی ساحلوں پر لڑی جانے والی جنگوں میں خیر الدین بار بروسہ کے ساتھ شانہ بشانہ شریک ہوئے اور بحرابیض کے ساحلوں کے متعلق بہت سی جغرافیائی معلومات اکٹھی کیں۔ 1538ء میں پروزر Prevezar کی جنگ میں عثمانی بحری بیڑوں کی میسرہ کی قیادت کی۔ اس جنگ نے آپ کی شہرت میں اضافہ کر دیا۔ 1551ء میں فتح طرابلس میں کپتان سنان پاشا اور ترگت رئیس کی قیادت میں کام کیا۔

بحر ہند کا کپتان

ایک سمندری جنگ میں پرتگالیوں کے قافلے سے مڈبھیڑ ہوئی اور مراد رئیس کو ترک بیڑہ کی قیادت سے ہاتھ دھونے پڑے تو اس کے بعد سیدی علی رئیس کو بحر ہند کا کپتان بنا دیا گیا اور بصرہ کے بحری قافلے کا سالار کارواں بنا کر قافلے سمیت سویش کی طرف بھیج گیا گیا۔ اس تجربے کی وجہ سے آپ کی زندگی میں ایک نیا موڑ آ گیا۔ 15 بحری جہازوں کو مرمت کروا کر 1554ء میں بصرے سے روانہ ہوئے۔ اس دوران جغرافیہ نگاری اور نقشہ سازی کے میدان میں بے مثال ماہرانہ صلاحیتیں بروئے کار لائے۔ 1554ء میں بصرہ سے سویش سفر کے دوران خرفقان اور مسقط کے قریب پرتگالی بحری بیڑے نے اچانک حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملہ کے بعد جوابی کارروائی

کرتے ہوئے 6 پرتگالی جہازوں کو غرق کر دیا جبکہ عثمانی قافلے کے بھی پانچ بحری جہاز غرقاب ہو گئے اور ایک کو آگ لگ گئی۔

صراط کی بندرگاہ پر آمد

اس سفر کے دوران عمان کے ساحل پر شدید طوفان آیا اور سیدی علی رئیس کا نو بحری جہازوں پر مشتمل بحری بیڑہ اس طوفان میں گھر کر جنوب کی سمت میں چلا گیا اور ہندوستان کے ساحل پر سلطنت گجرات کے قلعے کے سامنے جا کر ٹھہرا جبکہ تین جہاز برف میں پھنس گئے۔ باقی چھ جہازوں کے ساتھ سیدی علی صراط کی بندرگاہ پر اترے۔ چونکہ پرتگالی جہاز بھی انھیں پکڑنے کی نیت سے وہاں گشت کر رہے تھے اس لیے سیدی علی بھی اپنے باقی جہازوں کے پاس گجرات کے دارالحکومت احمد آباد چلے گئے۔ گجرات کے سلطان احمد خان نے ان کا اچھا استقبال کیا۔ آپ کے ساتھیوں میں سے کچھ سلطان کے ماتحت ہو گئے ادھر ترک بحری بیڑے کی سویش تک پہنچنے کی صورت ناممکن ہو گئی۔ اس لیے باقی بچے ہوئے جہازوں کو فروخت کر کے سیدی نے استنبول جانے کا فیصلہ کیا۔ سیدی علی رئیس احمد آباد سے اس زمانے میں سندھ کے دارالحکومت ملتان اور پھر لاہور سے ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔ دہلی میں امیر تیمور کی اولاد سے ہمایوں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے (1555ء) یہاں کچھ عرصہ کے لیے ہمایوں بادشاہ کے وزیر رہے۔ پھر ہمایوں کی ایک حادثہ میں اچانک وفات کے بعد سیدی نے دہلی کو خیر آباد کہا۔

اناطولیہ کا سفر

1556ء میں سیدی نے افغانستان، ترکستان اور ایران کے راستے اناطولیہ کا سفر شروع کیا۔ ترکستان کی سیاحت چار سال تک کرتے رہے۔ اپنے اس دلچسپ سفر کی روئیداد کو ایک سفرنامے کی کتابی شکل بھی دی۔ بعدازاں یہ کتاب اناطولیہ پہنچنے پر عثمانی سلطان، سلیمان قانونی کی خدمت میں پیش کی۔

سیاحت کے شوق کی بے قراری

اس کے بعد دوبارہ کابل، سمرقند، بخارا اور مشہد مقدس کے شہروں کی سیاحت پر نکلے۔ بخارا کے قریب ازبکوں کے حملے سے زخمی ہو گئے۔ ایران میں بھی مشہد کے گورنر نے انھیں گرفتار کر لیا لیکن بعد میں رہا کر دیا اور شاہ طہماسپ اول کے پاس بھیج دیا۔ شاہ نے کچھ عرصہ نظر بند رکھنے کے بعد اناطولیہ واپس جانے کی اجازت دی۔ شاہ طہماسپ کا ایک خط سلطان سلیمان قانونی کے نام لے کر قزوین، ایران سے روانہ ہوئے۔ راستے میں بغداد کی سیاحت کی پھر بصرہ سے روانگی کے ٹھیک تین سال سات ماہ بعد دوبارہ عثمانی مملکت میں قدم رکھا۔ سیدی علی رئیس 1557ء میں مئی کے مہینے میں استنبول واپس پہنچے۔ یہاں مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہنے کے بعد تحصیلدار مقرر کیے گئے۔

کافی عرصہ تک شہزادہ سلیم کی خدمت میں رہے۔ 1560ء میں گلاتا خاصہ کی شپ یارڈ کے رئیس بھی رہے اور 1562ء میں استنبول میں وفات پائی۔

آپ کی تصانیف میں آپ کے سفرنامے کے علاوہ کئی دیگر کتب بھی بہت اہم ہیں۔ ان میں ''مراۃ کائنات'' سورج کی گردش کی کشادگی اور الربع المجیب جیسے موضوعات سے پر ہے۔ فلکیات پر ہی دوسری کتاب خلاصۃ الھیئت ہے جو علی کشچو کی کتاب ''الرسالۃ الفتحیہ'' کا ترجمہ ہے۔ اس کے علاوہ حیدرآباد قیام کے دوران آپ نے ''کتاب المحیط فی علم الافلاک والابحار'' یا محیط نامی کتاب بھی لکھی تھی۔ اس کتاب میں بحر ہند کے جغرافیائی نقشے شامل ہیں۔ اس لیے یہ کتاب بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے علاوہ آپ کا سفرنامہ یا ''مراۃ الممالک'' وہ کتاب ہے جو آپ نے ہندوستان سے بغداد جاتے ہوئے لکھی تھی۔

(31)

1521ء ۔ ڈیوریٹ باربوسہ

وہ پرتگیز سیاح جو میگلین کے دنیا کے گرد پہلے بحری سفر میں خود اسی کی طرح فلپائن میں مارا گیا

ڈیوریٹ باربوسہ(Durate Barbosa)1480ء میں لزبن، پرتگال میں پیدا ہوا۔ وہ ایک مصنف اور پرتگیزی ہندوستان میں 1500ء سے 1516ء تک ایک افسر اعلیٰ تھا وہ کانور (Cannaore) فیکٹری میں عرائض نویس بھی رہا اور اس کے علاوہ جنوبی ہندوستان کی مقامی زبان ملیالم کا مترجم بھی تھا۔ 1516ء میں اس نے اپنا سفرنامہ (Book of Durate Barbrosa) کے نام سے لکھا۔ یہ پرتگیزی زبان کے اولین سفرناموں میں سے ایک ہے۔ اس نے یہ سفرنامہ بحر ہند میں سفر کرنے کے بعد لکھنا شروع کیا تھا۔ 1519ء میں ڈیوریٹ باربوسہ دنیا کے گرد لگائے جانے والے اولین چکر کی مہم پر روانہ ہوا۔ وہ مشہور زمانہ جہاز ران فرڈیننڈ میگلین (Ferdinand Magelin) کے ساتھ اس کے بحری بیڑے میں شامل ہو کر اس سفر پر روانہ ہوا تھا اور میگلین کا قریبی عزیز تھا۔

ڈیوریٹ باربوسہ، ڈیاگو باربوسہ کا بیٹا تھا جو الوارو آف برگینزا کی ملازمت میں رہا تھا۔ یوں اس کا پورا خاندان جہاز رانوں کا خاندان تھا۔ اس کے چچا گونکالو گل باربوسہ(Goncalo gil Bhrbosa)1500ء میں کوچین ہندوستان میں ایک افسر تھا۔ وہ 1502ء میں کانور ٹرانسفر کر دیا گیا۔۔ ڈیوریٹ باربوسہ کے سفرنامے کے مطابق وہ اس دوران اپنے چچا کے ساتھ تھا۔

ہندوستان کے ان شہروں میں قیام کے دوران ڈیوریٹ باربوسہ نے مقامی زبان ملیالم سیکھی تھی۔ 1503ء میں اس نے پرتگیز وائسرائے البورقرق(Albuerquq) کے راجہ کانور کے ساتھ کیے جانے والے معاہدے میں اس نے کانور کے عرائض نویس کی حیثیت سے شاہ پرتگال مینوئیل اول (Mauell I) کو خط لکھا اور بادشاہ سے

درخواست کی کہ اسے ہیڈ کلرک کا عہدہ دے دیا جائے۔ بادشاہ نے جوابی حکمنامہ میں اس سے وعدہ کیا کہ اسے یہ عہدہ دے یا جائے گا۔ 1514ء میں وائسرائے البوقرق نے ڈیوریٹ باربوسہ کو مترجم کی حیثیت سے شاہ کوچین کو عیسائی بنانے کے لیے اس کے دربار میں بھیجا۔ 1515ء میں البوقرق نے اسے دو بحری جہازوں کو تیار کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ یہ جہاز بحرہ قلزم میں ایک مہم پر بھیجنے کے لیے تیار کیے گئے تھے۔ اسی دوران بربوسہ پرتگال واپس لوٹ گیا اور اس نے اپنی تصنیف Book of Durate مکمل کی۔ اطالوی مؤرخ گیوانی بیٹسٹا کے مطابق ڈیوریٹ باربوسہ نے یہ کتب 1516ء میں مکمل کی اور اس میں بہت سے ممالک کے تمدنوں اور ثقافتوں کو بیان کیا تھا مگر یہ کتاب گیوانی ہی کے مطابق انیسویں صدی کے آغاز سے پہلے دریافت اور شائع نہ ہو سکی۔ انیسویں صدی کے آغاز میں یہ کتاب لزبن کی ایک لائبریری سے دریافت ہوئی تھی۔

1516ء میں ڈیوریٹ باربوسہ جنوبی اسپین کے شہر اشبیلیہ میں تھا۔ انھیں دنوں مشہور جہاز راں فرڈینڈ میگلین اور اس کے خاندان کے درمیان رشتہ مصاہرت قائم ہوا او رمیگلین نے باربوسہ کی بہن بیٹریز (Beatriz) سے شادی کی اور وہ ڈیوریٹ باربوسہ کا قریبی عزیز قرار پایا جس سے باربوسہ اور اس کے درمیان قریبی تعلقات بھی قائم ہو گئے۔ اسی وجہ سے 10 اگست 1519ء کو باربوسہ میگلین کے دنیا کے گرد بحری سفر کی مہم میں اس کے ساتھ روانہ ہوا مگر اسی سفر کے دوران میگلین اس سے کئی مرتبہ ناراض ہوا اور قریب تھا کہ وہ اسے گرفتار کر کے محبوس کر دے، اسی سفر کے دوران جزائر فلپائن میں 21 اپریل 1521ء کو مقامی لوگوں سے جھگڑے میں میگلین مارا گیا اور باربوسہ کو اس مہم کا نائب سربراہ بنا دیا گیا۔ یکم مئی 1521ء کو فلپائن کے ایک مقامی راجہ نے اس کی اور کئی پرتگیزی جہاز رانوں کی سیبو Cebu کے نزدیک دعوت کی اور انھیں شاہ اسپین کے لیے تحائف دینے کے لیے بلایا گیا۔ اسی دعوت کے دوران باربوسہ مقامی لوگوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

(32)

1537ء ۔ فرناؤ مینڈیز پنٹو

FERNAO MENDYS PINTO

فرناؤ مینڈیز پنٹو (1509-1583ء) ایک پرتگیز متکشف، سیاح اور مصنف تھا۔اس کے سیاحتی سفروں کا احوال اس کی کتاب Pilgrimage میں موجود ہے۔ یہ کتاب 1614ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ اس کی خودنوشت سوانح عمری ہے۔اس کتاب کی تاریخ صحت مشکوک ہے کیونکہ اس میں بیان کیے گئے بہت سے واقعات میں حد سے زیادہ مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے۔اسی وجہ سے نقادوں نے اس کا عرفی نام فرناؤ مینڈیز منٹو (MINTO,FERNO MENTES) رکھ دیا تھا۔ لاطینی زبان میں اور پرتگیزی زبان میں Mentir جھوٹ کو کہتے ہیں یعنی اس کو ''جھوٹا'' کے نام سے یاد کیا جانے لگا تھا البتہ اس کی یہ خودنوشت بہت سے پہلوؤں میں اہمیت کی بھی حامل ہے اور اس کی مندرجات کی توثیق بھی ہوئی ہے۔

فرناؤ مینڈیز پنٹو تقریباً 1519ء میں پرتگال میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین غریب تھے اور ان کا تعلق دیہات سے تھا۔ 1551ء میں اس کے ایک بھائی الوارو Alvaro نے پرتگیز مالاکا Malaca میں خدمات انجام دی تھیں۔اس کے بھائی نے مالاکا ہی میں 1557ء میں وفات پائی تھی۔اسی سال پنٹو کے ایک امیر چچا فرانسسکو گارسیا ڈی ورگاس کا سراغ جنوبی ہندوستان کی بندرگاہ کوچین میں ملتا ہے۔بچپن میں پنٹو ایک امیر خاتون کے ہاں ملازم تھا پھر وہ وہاں سے بھاگ کر بندرگاہ پر چلا گیا جہاں ایک جہاز پر اسے ایک جہازی لڑکے کی ملازمت مل گئی اور وہ اس جہاز پر سیٹوبول Setubal کے سفر پر نکلا۔۔ راستے میں فرانسیسی بحری قزاقوں نے اس جہاز پر قبضہ کرلیا اور اس جہاز کے مسافروں کو Alentejo کے بندر ساحل پر چھوڑ دیا۔ پنٹو نے سیٹوبا کی راہ لی اور وہاں فرانسسکو ڈی مایا کے ہاں ملازمت کرلی جو سان ٹیاگو میں ایک نائٹ (Knight) تھا۔ 28 سال کی عمر میں پنٹو نے یہ ملازمت چھوڑ دی اور پرتگیز انڈیا آرمیڈا میں ملازمت اختیار کرلی اور اسی ملازمت میں اس نے مشرق کے کئی بحری سفر کیے۔

پنٹو کے ان بحری سفروں کو مؤرخین نے تین مراحل میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے مرحلے میں اس نے پرتگال سے ہندوستان کے سفر کیے۔ دوسرے مرحلے میں وہ خلیج اور بحر قلزم میں سفر کرتا رہا اور تیسرے مرحلے میں اس نے مشرقی ہندوستان سے جزائرمشرق الہند (انڈونیشیا) سماٹرا، سیام اور چین تک کے سفر کیے۔

11 مارچ 1537ء کو پنٹو لزبن سے ہندوستان کے لیے روانہ ہوا اور راستے میں وہ پرتگیز موزمبیق کی بندرگاہوں میں لنگر انداز ہوا۔ پھر اسی سال 5 ستمبر کو وہ ڈیو Diu (ہندوستان کے ساحل پر پہنچا۔ ڈیو آج کل ممبئی کے شمال مغرب میں واقع ایک قلعہ بند جزیرہ اور شہر تھا۔ یہ شہر 1535ء میں پرتگیزیوں کے قبضے میں تھا اور عثمانی سلطان سلیمان اعظم نے اس کا محاصرہ بھی کیا تھا۔

اس کے بعد پنٹو نے اس پرتگیز مہم میں شرکت اختیار کی جو بحیرہ قلزم میں فوجی ٹھکانوں کا کھوج لگانے کے لیے بھجی گئی تھی۔ یہ مہم ایتھوپیا سے گزر کر بحریہ قلزم Red Sea میں داخل ہوتا تھا۔ میساوا Massava کے بندرگاہ سے روانہ ہوتے ہی اس پرتگیزی مہم کا سامنا تین ترکی بحری جہازوں سے ہو گیا۔ پرتگیزوں کو اس جھڑپ میں شکست کا سامنا ہوا اوران کے جہاز کے عملے کو یرغمال بنا کر بحیرہ احمر کی ایک بندرگاہ موخا Mocha میں فروخت کر دیا گیا۔ انھیں میں پنٹو بھی شامل تھا۔ ایک یونانی مسلمان نے اسے خرید لیا جو غلاموں کے حق میں ظالم تھا۔ جب اپنے آقا کے مظالم کے خلاف پنٹو نے خودکشی کرنے کی دھمکی دی تو اسے ایک یہودی تاجر کے ہاتھوں فروخت کر دیا گیا۔ اپنے اس نئے آقا کے ساتھ ایک کارواں میں پنٹو نے ہرمز (ایران) کا سفر کیا۔ ہرمز ان دنوں خلیج فارس میں ایک پرتگیز تجارت کا مرکز تھا۔ ہرمز میں پرتگیز حکومت نے 300 درہم ادا کر کے پنٹو کو غلامی سے نجات دلائی اوراسے ہرمز کے ''پرتگیز قلعہ'' کا بحری جہاز کا کپتان بنا دیا گیا اور شاہ پرتگال نے اسے ہندوستان کے معاملات میں اپنا نمائندہ خصوصی اور مجسٹریٹ بنا دیا۔

غلامی سے نجات ملنے کے کچھ عرصہ بعد پنٹو نے ایک بار پھر ہندوستان کی بندرگاہ گوا کا سفر کیا مگر اس کی مرضی کے خلاف سندھ کی بندرگاہ دیبل بھیج دیا گیا جہاں عثمانی ترکوں کی بحریہ سے جنگ کے بعد وہ گوا پہنچا۔ 1539ء میں وہ مالاکا کے گورنر پیڈ روڈ فاریا (Pedrode Faria) کے حکم پر ایک قریبی سلطنت سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ یہ چھوٹی سی سلطنت سماٹرا کی مسلم سلطنت کے خلاف پرتگیزیوں کی اتحادی تھی۔ 1569ء میں سماٹرا کی مہم کے بعد پٹنے Patani بھیج دیا گیا جو جزیرہ نما ملایا کے مشرقی ساحل پر واقع تھی۔ یہاں سے پنٹو نے سیام (ویت نام) کے لیے اسباب تجارت بھیجنے کی کوشش کی گر راستے میں یہ اسباب تجارت بحری قزاقوں نے لوٹ لیا جس کے بعد پنٹو نے بحیرہ جنوبی چین میں بحری قزاقوں کے خاتمہ کے لیے ایک مہم روانہ کی اور خود اس کی قیادت کی۔ بحیرہ زرد سے پنٹو چین میں داخل ہو گیا اور اس نے ایک شہنشاہ چین کے مقبرے پر حملہ کیا مگر اسی دوران پنٹو کا بحری جہاز غرقاب ہو گیا اور

اسے چینیوں نے گرفتار کر کے عظیم دیوار چین پر ایک سالہ سخت مشقت کی سزا دی مگر اس سزا کے پورا ہونے سے پہلے ہی اسے تاتار حملہ آوروں نے گرفتار کرلیا۔ وہ ان تاتاریوں کا ایجنٹ بن گیا اور ان کے ساتھ اس نے کوچین چائنا Cohin China کا سفر کیا۔ کوچین چائنا آج کے ویت نام اور کمبوڈیا کا انتہائی جنوبی حصہ تھا۔ اس سفر میں پنٹو نے ایک مقدس شخصیت غالباً دلائی لامہ تبت سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا۔ دلائی لامہ نے یورپ کے متعلق اپنی زندگی میں کبھی سنا تک نہیں تھا۔ پنٹو اس کے دوساتھی جاپان جانے والے ایک چینی بحری قزاقوں کے جہاز پر سوار ہو گئے مگر یہ بحری جہاز جاپانی جزیرہ تینگا شیما(Tanega Shima) کے قریب ڈوب گیا۔ اسی وجہ سے پنٹو نے پہلا یورپی ہونے کا دعویٰ کیا جس نے سرزمین جاپان پر قدم رکھا۔

1542ء میں پنٹو نے جاپان کی سرزمین پر آتشین اسلحہ کو متعارف کرایا اور ایک جاپانی خانہ جنگی میں اسے استعمال کیا۔

جاپان اور پرتگال کے درمیان بحری تجارت کا سلسلہ قائم کرنے کے لیے پنٹو نے کوشش کی مگر اس سفر میں اس کا بحری جہاز تباہ ہو گیا۔ 1554ء میں پنٹو نے یسوعی تبلیغی مشن میں شرکت اختیار کی اور وہ مشہور مسیحی تبلیغی سینٹ فرانسیس زیویر(Farancis Xavier) کے ساتھ جاپان واپس لوٹا۔ اس نے اس تبلیغی مشن کو ایک بڑی خطیر رقم بطور نذرانہ پیش کی۔ بعدازاں وہ پرتگیز ہندوستان یعنی گوا میں وائسرائے بنا دیا گیا۔ مشرق میں بہت سال تک خدمات انجام دینے کے بعد پنٹو 1558ء میں واپس پرتگال پہنچا اور 1583ء میں اس نے وفات پائی۔

(33)

1589 - محمد قاسم ہندو فرشتہ

محمد قاسم ہندو فرشتہ ایک مشہور فارسی مورخ گزرا ہے۔ وہ 1570ء میں استر آباد کے مقام پر بحیرہ کیسپیئن کے کنارے پیدا ہوا۔ اس کے بچپن میں اس کا والد تلاش روزگار میں ہندوستان پہنچا اور دکن کی اسلامی سلطنتوں میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہو گیا۔ اپنے والد کے حلقہ اثر کی وجہ سے فرشتہ نے بھی ترقی کی اور وہ 1589ء میں بیجا پور پہنچا جہاں اس نے زندگی کے باقی ایام شاہ ابراہیم ثانی کے دربار میں گزارے۔ شاہ نے اسے تاریخ لکھنے پر ملازم رکھا۔ چنانچہ اس کام میں وہ ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ یہ ایک بہت محنت طلب کام تھا۔ اس کے لیے بہت سی کتابوں کے مطالعے کی ضرورت تھی۔ اس لیے فرشتہ نے لاتعداد کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اپنے اسی کام کی وجہ سے فرشتہ مشرقی مورخین میں معتبر شمار ہوتا ہے۔ اس کی یہ تصنیف بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اسے تاریخ فرشہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کتاب کا انگریزی اور اردو زبان میں ترجمہ بھی موجود ہے۔

تاریخ فرشتہ

فرشتہ کی یہ تصنیف بارہ مقالوں کی شکل میں لکھی گئی ہے۔ اس میں سب سے پہلے مقدمہ ہے۔ اس کے بعد مقالہ اول سلاطین لاہور کے ذکر میں، مقالہ دوم دہلی کے بادشاہوں کے بیان میں، مقالہ سوم شاہان دکن کے حالات میں، مقالہ چہارم شاہان گجرات کے اذکار میں، مقالہ پنجم سلاطین مالوہ کے تذکرہ میں، مقالہ ششم شاہان خاندیس کے بیان میں، مقالہ ہفتم شاہان بنگالہ کے ذکر میں، مقالہ ہشتم ملتان کے بادشاہوں کے ذکر میں، مقالہ نہم سندھ کے شاہوں کے بارے میں، مقالہ دہم کشمیر کے شاہوں کی صفت میں، مقالہ یک از دہم مالابار کے فرمانرواؤں کی توصیف میں اور مقالہ دوازدہم مشائخین ہندوستان کے حالات میں ہے۔

اپنی اس تصنیف میں فرشتہ نے ہندوؤں کی کتابوں سے اقتباسات بھی شامل کیے ہیں۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ آسمان

اور ستاروں کی گردش سے جہاں کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو "جگ" کہلاتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ "ست جگ' ترتا جگ، دواپر جگ اور کلجگ۔ ہر ایک جگ کے خواص علیحدہ علیحدہ ہیں مثلاً ست جگ کی مدت سترہ لاکھ اور اٹھائیس ہزار زمینی سالوں کے برابر ہے۔ انسان کی اس عہد میں طبعی عمر ایک لاکھ برس ہے۔ اس جگ میں نیکی اور راستی کا دور دورہ تھا اور کردار و گفتار کی درستی مقصود تھی۔ ترتا جگ کا زمانہ بارہ لاکھ اور چھیانوے ہزار سال پر محیط ہے۔ اس جگ میں انسان کی طبعی عمر دس ہزار سال تھی۔ تیسرا دور دواپر جگ کہلاتا ہے۔ یہ آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار سال لمبا ہے اور اس عرصہ میں اہل عالم کی طرز و روش درست گفتار و راست کردار ہے جبکہ انسان کی طبعی ایک ہزار سال ہے۔ چوتھا جگ کلجگ کہلاتا ہے۔ اس کی معیاد چار لاکھ اور بتیس ہزار سال ہے۔ اس دور میں رہنے والے انسانوں کے اطوار ناروا اور نادرست ہیں۔ یہ زمانہ آج کل گزر رہا ہے۔ اس کو شروع ہوئے صرف پانچ ہزار سال گزرے ہیں۔ کلجگ ختم ہونے پر ست جگ شروع ہوگا۔ محمد قاسم نے حکمرانان ہندوستان کے حالات میں راجہ بکرماجیت، اجہ بھوج، مہلب بن ابی صفوہ، محمود غر۔زنوی، قطب الدین ایبک۔ غیاث الدین بلبن، محمد تغلق، جلال الدین اکبر کے بارے میں خصوصاً لکھا ہے۔ سلاطین دکن، سلاطین گجرات، مملکت مالوہ میں بھی خاصی تفصیل مہیا کی ہے۔ ہندوستان کی قوموں، بت پرستی کے رواج، مہابھارت وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ فرشتہ نے مہابھارت کو ایک معتبر کتاب بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اس کتاب کا ہندی سے فارسی زبان میں ترجمہ شیخ ابوالفضل نے اکبر کے حکم پر کیا تھا۔

(34)

1607ء - رچرڈ ہیکلویٹ

RICHARD HAKLUYT

شمالی امریکا میں پہلی برطانوی نوآبادی ورجینا کے قیام کے لیے کوشش کرنے والا سیاح

رچرڈ ہیکلویٹ ایک انگریز مصنف تھا۔اس نے امریکہ کی دریافت پر 1582ء میں Discovery of America نامی کتاب لکھی تھی۔ رچرڈ ہیکلویٹ نے ویسٹ منسٹر سکول کرائسٹ چرچ آکسفورڈ سے تعلیم پائی۔ 1583ء سے 1588ء تک وہ سرایڈورڈ سٹافورڈ کا ذاتی نائب رہا جو فرانسیسی دربار میں انگلستان کا سفیر تھا۔ بعدازاں وہ برسٹل کیتھڈرل اور ویسٹ منسٹر ایبے میں روبرٹ سیسل کا نائب بن گیا جو ملکہ الزبتھ اول کے عہد میں فرسٹ اوّل آف سالسبری تھا۔رچرڈ ہیکلویٹ نے اپنی کتب Principal of Navitation کورابرٹ سیسل کے نام معنون کیا۔رابرٹ سیسل جو ملکہ الزبتھ کے بعد جیمز اول کے عہد میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھا اس نے رچرڈ ہیکلویٹ کو ویسٹ منسٹر ایبے کا آرچ ڈین مقرر کیا۔

بعدازاں رچرڈ کو شمالی امریکہ میں ملکہ ایلزبتھ کے نام پر قائم کی گئی نوآباد ورجینا میں پروموٹر مقرر کیا گیا (1606ء) ورجینا کے قیام کے لیے ہیکلویٹ نے جو کوششیں کیں اور اس سلسلے میں جو کچھ لکھا وہی اس کی شہرت کا باعث بنا۔

1846ء میں ہیکلویٹ سوسائٹی قائم کی گئی جس نے اس کے بحری سفروں کو کتابی شکل دی اور اس کی نایاب کتابیں دوبارہ شائع کیں۔

مئی 2008ء میں ہیکلویٹ کے کتابی کارناموں پر ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اس کے کارناموں کو اجاگر کیا گیا۔ہیکلویٹ کی تصانیف میں Touching Disvory of ،Divers Voyages Amrica شامل ہیں۔

(35)

1615ء۔ سرطامس رو

SIR TOMAS RAO

دربار مغلیہ میں

سرطامس رو دربار مغلیہ میں بھیجا جانے والا ایک انگریز سفیر تھا جسے شاہ انگلستان جیمز اوّل نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی درخواست پر 1615ء میں بطور ایلچی ہندوستان بھیجا تھا تا کہ مغل شہنشاہ جہانگیر سے انگریز تاجروں کے لیے انگریزی حکومت کے نام پر تجارتی مراعات حاصل کرے۔ ان دنوں اگر چہ انگریزوں نے سورت کے مقام پر تجارتی کوٹھی تعمیر کی ہوئی تھی مگر پرتگیز تاجر کوشش کررہے تھے کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکلوادیں۔ اسی وجہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے طامس رو کو ہندوستان بھیجا تھا۔ فروری 1615ء میں وہ اپنے پندرہ ساتھیوں کے ساتھ انگلستان سے جہاز میں سوار ہوکر روانہ ہوئے اور چھ ماہ بعد سورت پہنچے۔ انھیں دنوں پرتگیزیوں نے ایک انگریزی بحری جہاز لوٹ لیا تھا جس میں مغل شہنشاہ جہانگیر کے لیے تحائف لدے ہوئے تھے۔ اس بنا پر مغل حکومت پرتگیزیوں کے خلاف ہوگئی تھی اور شہنشاہ جہانگیر نے مغل فوج کو پرتگیز قلعوں کا محاصرہ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ جب شہنشاہ جہانگیر کو معلوم ہوا کہ شاہ انگلستان نے اپنا ایک خصوصی ایلچی مغل دربار میں بھیجا ہے تو اس نے پروانہ راہداری بھجوادیا۔ سرطامس رو سورت سے برہان پور پہنچا۔ وہاں سے اجمیر گیا۔ برہان پور میں اس کی ملاقات شہزادہ پرویز سے ہوئی جو جہانگیر کا دوسرا بیٹا تھا۔ شہزادہ پرویز سے اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے ایک فرمان حاصل کرلیا جس کی رو سے کمپنی اس شہر میں تجارتی کوٹھی تعمیر کرسکتی تھی۔ پھر 10 جنوری 1616ء میں وہ مغل دربار میں پہنچ گیا۔ وہ لکھتا ہے کہ اسے بادشاہ کے سامنے حاضر ہونا پڑا۔ شہنشاہ جانگیر کو تخت نشین ہوئے اس وقت دس سال ہوئے تھے۔ وہ اپنے باپ شہنشاہ اکبر کا جانشین ہوا تھا مگر اس میں اپنے باپ جیسی انتظامی صلاحیتیں نہیں تھیں تاہم

ملک میں عدل و انصاف قائم تھا۔ دونوں بادشاہ مذہبی مباحثوں میں دلچسپی لیتے تھے۔ سر طامس رو نے مزید لکھا ہے کہ جہانگیر اس پر بہت مشفق و مہربان تھا لیکن وہ اپنی ملکہ نور جہاں کے حلقہ و اثر میں تھا جس نے تمام انتظامی امور اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ طامس رو نے شہنشاہ خرم سے بھی ملاقات کی جو آئندہ شہنشاہ بننے والا تھا۔

دوسری اقوام کے جہاز نہ لوٹیں

آخر کار شہزادہ خرم کے خسر آصف خاں کی سفارش پر طامس رو کو انگریز تاجروں کے لیے مراعات مل گئیں اور انگریز تاجروں کو یہ اجازت دے دی گئی کہ وہ تمام ہندوستانی بندرگاہوں پر اپنا سامان لاسکیں اور ضرورت سے زیادہ ٹیکس بھی ادا نہ کریں۔ سر طامس رو نے اپنی قوم کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ غیر آئینی کارروائی نہ کریں اور دوسری اقوام کے جہازوں کو نہ لوٹیں۔ ہندوستان کے حالات لکھتے ہوئے طامس رو نے جہانگیر، نور جہاں، آصف خاں اور دیگر افسران مغلیہ کی عادات و اطوار کا ذکر کرتے ہوئے تعصب سے کام بھی لیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جہانگیر ہر دلعزیز مگر کمزور تھا۔ پرویز ناکارہ اور شرابی تھا۔ آصف خاں لالچی تھا۔ اس نے آگرہ اور دہلی میں بادشاہوں کے رہنے کا طریقہ بھی بیان کیا ہے۔ بادشاہ کو شکار کا بہت شوق تھا۔ سر طامس رو کو انگلستان سے ایڈورڈ ٹیری کے ہاتھوں مزید تحفے پہنچے اور اس نے یہ تحائف دے کر ملکہ نور جہاں اور آصف خاں کو اپنی طرف مائل کرلیا۔ ستمبر 1618ء میں اسے انگریزی تاجروں کے لیے مراعات حاصل ہوئیں جس کے بعد سر طامس رو فروری 1619ء میں واپس انگلستان روانہ ہوگیا۔ اس نے لکھا ہے کہ مغل شہنشاہ سالگرہ کے موقع پر اسے پہلے چاندی کے سکوں سے ہم وزن کیا جاتا تھا پھر سونے اور جواہرات سے تولا جاتا تھا اور جواہرات غربا میں تقسیم کر دیے جاتے تھے

(36)

1635ء ۔ اولیاء چلپی

تاریخ کو ایک نیا رخ دینے والا مسلمان ترک شہرہ آفاق سیاح

''سفر نامہ'' کے نام سے آپ کی مشہور تصنیف صدیوں سے تاریخ اور علم الاقوام پر کام کرنے والوں محققوں کے لیے دلچسپی کی حامل ہے۔ یہ کتاب نہ صرف اسلامی سفری ادب بلکہ ادبیات عالم کی سب سے ضخیم اور جامع کتاب اور سفر نامہ ہے۔ یہ کتاب تاریخی ادبی اور جغرافیائی اعتبار سے سترہویں صدی میلادی کا حقیقی انسائیکلوپیڈیا ہے۔

اولیاء چلپی 1611ء میں استنبول کے محلے انکاپانی Unkapani میں پیدا ہوا۔ ابتداء میں ان کا خاندان کتاہیا میں مقیم تھا۔ فتح کے بعد استنبول میں منتقل ہو گیا۔ آپ کا شجرہ نسب مشہور بزرگ احمد یسوی سے ملتا ہے۔

ابتدائی تعلیم استنبول میں مکتب صبیان سے حاصل کی۔ اس کے علاوہ محلہ انکاپانی میں احمد آفندی کے مدرسے میں بھی سات سال تک زیر تعلیم رہے اور دارالقراء سعدی زادہ سے قرآن مجید حفظ کیا۔ اپنے والد سے فن نقاشی، خطاطی اور تذہیب سیکھی اور شعر بھی کہنے لگے۔ سطان مراد رابع آپ کے علم اخلاق اور آواز کی خوب صورتی سے بہت متاثر ہوا جس کی بنا پر اس نے ان کو اپنے پاس بلا کر کچھ ذمہ داریاں سونپ دیں۔ اولیاء چلپی جب سلطان مراد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کا اندراج یہاں کی حکومتی کابینہ، ارباب علم و دانش اور عسکری شخصیات کے لیے قائم کیے گئے سب سے بڑے مکتب ''اندرون مکتب'' میں کیا گیا۔ یہاں چار سال کی تربیت حاصل کرنے کے بعد شعبہ سپاہ میں شامل ہو گئے۔ آپ نے 1630 میں سیاحت، مختلف قبائل، شہروں اور فن تعمیر کے شاہکاروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ بچپن میں اپنے والد کے قریبی دوستوں سے سیاحت کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا اور یہی دلچسپی انھیں سیاحت پر نکلنے کے لیے راغب کر گئی۔

اولیاء چلپی نے 1635ء میں اپنی سیاحت کا آغاز استنبول سے کیا اور اس شہر کی تاریخی عمارتوں اور تاریخی اہمیت کو احاطہ تحریر میں لائے۔ استنبول کی تعمیر سے لے کر اپنے دور تک کے عرصے کا نقشہ کھینچا اور اس کو وضاحت سے بیان کیا۔ یوں اولیاء چلپی کے ''سیاحت نامے'' کی پہلی جلد منظر عام پر آ گئی۔

اولیاء چلپی کے والدان کو استنبول سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتے تھے لیکن 1640ء میں اولیاء چلپی اپنے ایک پرانے دوست کے ساتھ چھپ کر برصہ (Burs)، ازمیت (Izmit) اور طرابزوں کے سفر پر نکلے۔ یہ سفر ایک ماہ کے دورانیے پر مشتمل تھا۔ واپسی پر جب ان کے والد نے اندازہ لگایا کہ اب بیٹے کو سیاحت سے روکنا ممکن نہیں رہا تو انھیں اکیلے سیاحت پر نکلنے کی اجازت دے دی۔ اس اجازت کے ساتھ ہی اسلامی ترکی ادبیات کے شہرہ آفاق سیاح سامنے آئے۔

1667ء میں اولیاء چلپی یورپ کی سیاحت کے دوران بلغاریہ کے شہر روسہ اور سلیسترا گئے۔ صوبہ روزی کے دیہاتوں میں خوب گھومے پھرے۔ نیز بلغاریہ کے شہر صوفیہ Sophia کی سیاحت بھی کی۔

1664ء میں خلافت عثمانیہ اور یورپی ملک آسٹریا کے درمیان طے پانے والے وسوار Vasvar معاہدے کے بعد ترک سفیر کار محمد پاشا کی معیت میں ویانا چلے گئے اور نہ صرف اس یورپی شہر بلکہ پورے آسٹریا کی سیاحت کی۔

1668ء میں استنبول سے خشکی کے راستے مغربی تراکیا (تھریس) مقدونیہ، یونان کے علاقے تیسالیہ، پیلو پونیز کے ساحلوں کی سیر و سیاحت کی اور وہاں سے کادیہ (ایراکلیو) کی فتح میں شرکت کے لیے جزیرہ کریٹ چلے گئے۔ اس کے علاوہ ادریہ (البحرالاداتیکی) (بحیرہ ایڈریٹک) کے ساحلوں کی سیر کو نکلے۔ مسلسل گھڑ سواری، نیزہ بازی کرنے اور اسلحے کے استعمال پر دسترس کی وجہ سے اولیاء چلپی بڑے پھرتیلے اور تندرست جسم کے مالک تھے، تاہم ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود انھوں نے شادی نہیں کی۔ جنگی مال غنیمت اور مختلف مقامات پر تجارت سے حاصل کردہ کثیر رقم کی بدولت آپ نے بڑی امیرانہ زندگی گزاری۔ بادشاہ اور وزراء سے قریبی تعلق کے باوجود بھی شاہی دربار میں اعلیٰ مقام، مرتبہ حاصل کرنے کا انھیں خیال تک نہیں آیا۔ اپنی عمر کا بیشتر حصہ سیر و سیاحت علم اور لوگوں اور علاقوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے میں بسر کیا۔

1630ء میں استنبول سے شروع کیا جانا والا ان کا سیاحتی سفر اگلے 50 سال تک جاری رہا۔ اس دوران آپ نے اناطولیہ، شام، فلسطین، ہنگری، دوینیا، پولینڈ، ہالینڈ، کریمیا، قفقاز، ایران، عراق، سوڈان، کریٹ، حجاز، مصر اور حبشہ کی سیاحت کی اور براعظم ایشیا، یورپ اور افریقہ تک کی خاک چھانی۔

دوران سیاحت مختلف مقامات کی جتنی بھی خصوصیات کو دیکھا، ان کا باریکی سے جائزہ لیا اور احاطہ تحریر میں

لے آئے۔ جن علاقوں کی سیاحت کی وہاں کے لوگوں کی اخلاقیات، عرف، عادات، مشاہیر، تاریخی عمارات اور ان کی تاریخ کو تفصیل سے لکھا۔ آپ نے جو کچھ دیکھا اور سنا وہ بعینہٖ صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیا اور اس پر تبصرہ کر کے سفرنامہ لکھنے کی روایت میں ایک نئے انداز کا اضافہ کیا۔

آپ نے دوان سیاحت جنگوں میں بھی حصہ لیا اور قلم کے ساتھ زور بازو اور اسلحہ کو بھی آزمایا اور اپنے مشہور ''سفرنامہ'' میں جنگوں کا احوال بھی شامل کیا۔ ''سفرنامہ'' کے نام سے آپ کی مشہور تصنیف صدیوں سے تاریخ اور علم الاقوام پر کام کرنے والوں محققوں کے لیے دلچسپی کی حامل ہے۔ یہ کتاب نہ صرف اسلامی سفری ادب بلکہ ادبیات عالم کی سب سے ضخیم اور جامع کتاب اور سفرنامہ ہے۔ یہ کتاب تاریخی ادبی اور جغرافیائی اعتبار سے سترہویں صدی میلادی کا حقیقی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس سفرنامہ کا طرز تحریر بے حد سادہ اور زبان آسان فہم ہے۔ کتاب کا انداز تقریری اور اسلوب فصیح ہے۔ اپنی بات کو سمجھانے کے لیے اولیاء چلپی نے کہیں کہیں مزاح کا انداز بھی اپنایا ہے۔ اس سفرنامہ کی کل دس جلدیں ہیں جو شائع ہو چکی ہیں۔

(37)

1654ء ۔ ڈاکٹر فرانسس برنیئر

DR. FRANCES BERNIER

عہد شاہجہاں اور اورنگ زیب میں ہندوستان کی سیاحت پر آنے والا یورپی سیاح

ہندوستان کی سیاحت پر آنے والے یورپی سیاحوں میں فرانسس برنیئر غالباً سب سے زیادہ عالم فاضل اور ذہین وفطین شخص تھا اور ایک فلسفی اور سیاح کی حیثیت سے وہ ممتاز ہوا۔ 1620ء کے لگ بھگ وہ مغل بادشاہ شاہجہاں کے بڑے بیٹے اور ولی عہد دارالشکوہ کا ذاتی طبیب رہا اور دارالشکوہ کی وفات کے بعد مغل شہنشاہ اورنگ زیب کے دربار سے وابستہ ہوگیا۔ اس نے قریباً بارہ سال ہندوستان میں قیام کیا۔

فرانسس برنیئر ایک کسان کا بیٹا تھا۔ اس نے ڈاکٹر آف میڈیسن کی ڈگری 1652ء میں حاصل کی تھی۔ 1654ء میں وہ دنیائے مشرق کی سیاحت پر نکلا اور مشرق وسطٰی میں شام، مصر اور فلسطین کی سیاحت پر نکلا۔ ایک سال سے زائد عرصہ قاہرہ میں مقیم رہا جہاں وہ طاعون کی وباء پھیلنے سے بیمار بھی ہوا۔ 1658ء میں وہ عازم ہندوستان ہوا اور جنوبی ہند کی بندرگاہ سورت پہنچا۔ مغل دربار میں رسائی اسے شہزادہ دارالشکوہ کے ذاتی معالج کی حیثیت سے حاصل ہوئی پھر دارالشکوہ کی وفات کے بعد وہ اورنگ زیب کے مشہور معتمد امیر دانشمند خاں کے توسط سے اورنگ زیب کے دربار کا شاہی معالج بن گیا۔ اسی دوران اورنگ زیب کے حکم پر وہ کشمیر بھی گیا اور اسے اس جنت ارضی کو دیکھنے کا موقع ملا۔ کشمیر سے واپسی پر اس کی ملاقات ایک اور مشہور یورپی سیاح جین بیپٹسٹ ٹیورنیئر سے ہوئی جو ان دنوں بنگال کی سیاحت پر تھا۔ اس مشہور سیاح کے ساتھ وہ ایران کی سیاحت کے لیے نکلا اور پھر 1668ء میں واپس سورت پہنچا۔ تقریباً بارہ سال تک برصغیر میں قیام کے بعد وہ وطن واپس لوٹ گیا۔

فرانسس برنیئر جن ایام میں برصغیر پاک وہند پہنچا تو ان دنوں شاہجہاں کے بیٹوں میں جنگ تخت نشینی آخری

مراحل سے گذر رہی تھی۔ اس نے اپنے سفر کا آغاز ہی اس جنگ کے بیان سے کیا ہے اور اس جنگ کی کافی تفصیل پیش کی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے سفر Dansles Etats Du Grand, Des Voyage Mughals, میں مغل دربار کے حالات، آگرہ اور دلی کے شہروں کے حالات اور کشمیر اور بنگال کے صوبوں کا احوال، شاہی فوج، مغلیہ سلطنت کے نظم ونسق، معاشی حالات اور ہندوؤں کے رسوم اور عقائد کے متعلق بڑی اہم معلومات درج کی ہیں۔

البتہ ایک یورپی ہونے کی حیثیت سے بعض مقامات پر اس نے کچھ غلطیاں بھی کی ہیں جیسے شاہجہاں کے ذاتی کردار کے حوالے سے اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ قابل اعتنا نہیں۔ ایک اور یورپی سیاح منوچی نے اپنے سفرنامے میں اس کی تردید کی ہے۔ اس کی وجہ غالباً اس کا سطحی مشاہدہ تھا اور اس نے سنی سنائی باتوں پر تحقیق کیے بغیر اپنے سفرنامے میں درج کر لیا تھا لیکن اس کے باوجود اس کا سفرنامہ عہد شاہجہاں اور عہد عالمگیری کی تاریخ کا ایک اہم یورپی ماخذ تسلیم کیا جاتا ہے اور دلچسپ ومفید ہے۔

فرانسس برنیئر اپنے قیام ہندوستان کے دوران بارہ سال سے زائد عرصہ تک یہاں رہا وکشمیر سے گولکنڈہ اور سورت سے لے کر بنگال میں قاسم بازار تک ہر جگہ گھوما۔ کبھی لال قلعہ میں بیٹھ کر اس نے مغلیہ ہندوستان کے، سیاسی و سماجی نشیب وفراز کا جائزہ لیا اور کبھی بنگال کے تجارتی مرکزوں سے ہندوستان کے اقتصادی حالات پر نظر ڈالی۔ یہاں کے موسم گرما سے گھبرا کر اس نے اپنے دوستوں کو لکھا: میرا سارا بدن چھوٹے چھوٹے سرخ گرمی دانوں سے بھر گیا ہے جو سوئی کی نوک کی طرح چبھتے ہیں۔ گرمی کا یہ عالم ہے کہ سیاہی قلم کی نوک پر خشک ہو جاتی ہے اور قلم ہاتھ سے گرا جاتا ہے۔"

جب کشمیر کی جنت نظیر وادی میں پہنچا تو بے اختیار پکار اٹھا: میں کشمیر پر دل وجان سے فریفتہ ہوں اور اس کی خوبصورتی میرے تخیلات اور تصورات سے بھی بالاتر ہے۔ دنیا کا کوئی حصہ اس کی خوبیوں کو نہیں پہنچتا۔ جب پہلے پہل اس نے دہلی میں شہنائیاں، نفریاں اور نقارے بجتے ہوئے سنے تو وہ بول اٹھا "اس شور سے تو کان بہرے ہوئے جاتے ہیں" لیکن تھوڑے ہی دنوں میں وہ مشرقی موسیقی اور سازوں کی آواز سے اتنا مانوس ہو گیا کہ اس نے لکھا: رات کو جب اپنے مکان کی چھت پر لیٹ کر ان مشرقی سازوں کی آواز سنتا ہوں تو بہت بھلی اور سریلی معلوم پڑتی ہے۔"

ہندوستانی طرز معاشرت کا شوق مطالعہ فرانسس برنیئر کو جگہ جگہ لے گیا۔ وہ امراء کی مجلسوں میں پہنچا، نان بائیوں کی دکانوں میں بیٹھا، سورج گرہن کے میلوں میں شریک ہوا اور فقیروں کی محفلوں میں بیٹھا، بنارس میں ہندو پنڈتوں سے ملا، پیر پنجال میں تارک الدنیا جوگیوں اور درویشوں سے ملاقات کی، لشکریوں کے حالات کی ٹوہ لگائی۔ ایک ہندو عورت کو اس کے خاوند کے مرنے پر ستی ہوتے دیکھا، ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشا دیکھنے کے شوق میں اس نے اپنا جان تک کو خطرہ میں ڈال دیا۔

جب اورنگ زیب نے داراشکوہ کو گرفتار کر کے انتہائی ذلت کے ساتھ دہلی کے بازاروں میں گشت کرایا تو اس وقت فرانسس برنیئر بھی وہیں موجود تھا۔

جب داراشکوہ کے بیٹے شہزادہ سلیمان کو پابہ زنجیر اورنگ زیب کے سامنے پیش کیا گیا فرانسس برنیئر مغل دربار میں موجود تھا۔

خانہ جنگی کے اختتام پر اورنگ زیب نے جو جشن منایا اس میں فرانسس برنیئر نے بھی شرکت کی۔

بارہ سال کے قیام کے بعد جب وہ فرانس واپس لوٹا تو شاہ فرانس لوئی چہاردہم کی خدمت میں اس نے اپنا سفرنامہ ان الفاظ میں پیش کیا کہ دریائے سین سے نکل کر دجلہ، فرات، دریائے سندھ اور گنگا تک وہ جہاں بھی پہنچا فرانس اوراس کے شہنشاہ کے متعلق اس نے لوگوں کی نہایت اعلیٰ رائے سنی۔

1671ء میں اس کا سفرنامہ پیرس سے فرانسیسی زبان میں شائع ہوا۔

(38)

1655ء - جین بیپٹسٹ ٹیورنیئر

JEAN-BAPTIST TAVER

سترہویں صدی کا ایک فرانسیسی تاجر اور سیاح جس نے 120,000 میل کا سفر کیا

جین بیپٹسٹ ٹیورنیر 1605ء میں پیرس میں پیدا ہوا اور بعد ازاں اس کا خاندان فرانسیسی ہیوگونات، پروٹسٹنٹ ہونے کے بعد بلجیم کے شہر اینٹورپ Antwerp کی طرف ہجرت کر گیا تاکہ رومن کیتھولک کے معاشرتی بائیکاٹ سے بچا جا سکے مگر فرمان نانٹیز (Edict of Nantes) کا معاہدہ طے پانے کے بعد جس میں فرانسیسی پروٹسٹنٹوں کو امان دی گئی تھی واپس پیرس لوٹ آیا۔ ٹیورنیر ایک تاجر کی حیثیت سے 1668ء میں شہنشاہ فرانس لوئی چہاردہم کے ہاتھوں مشہور ہیرا ٹیورنیر بلیو (Tavernier Blue) کی فروخت کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ یہ ہیرا ٹیورنیر نے مشرق میں سفر کے دوران خریدا تھا۔

اپنے سفرنامے Six Voyages میں ٹیورنیر نے لکھا ہے کہ اسے بچپن ہی سے دنیائے مشرق کی سیاحت پر نکلنے کا شوق تھا۔ آخر 1631ء میں وہ فرانسیسی وزیراعظم کارڈینیل رشیلیو (Cardinal Rischelieu) کے حکم پر مشرقی بحیرہ روم کے علاقے Levant کی طرف بھیجے جانے والے دو اور فرانسیسی سیاحوں کے جلو میں قسطنطنیہ پہنچا۔ یہ دنیائے مشرق کا اس کا پہلا سفر تھا۔ یہاں اس نے گیارہ ماہ تک قیام کیا اور پھر وہ صفوی ایران کے لیے روانہ ہو گیا۔ ایران میں جس دور دراز کے مقام کی اس نے سیاحت کی وہ اصفہان تھا۔ اصفہان سے وہ بغداد گیا اور شام کے شہر حلب سے ہوتے ہوئے مصر کی بندرگاہ اسکندریہ پہنچا۔ وہاں سے جزائر مالٹا اور اٹلی سے ہوتا ہوا واپس پیرس پہنچ گیا۔

دوسرا سفر مشرق

ستمبر 1638ء میں ٹیورنیئر دنیائے مشرق کے اپنے دوسرے سفر پر نکلا جو ر 1643ء تک جاری رہا۔ اس مرتبہ میں حلب سے ایران پہنچا اور وہاں سے برصغیر پاک و ہند میں اس نے آگرہ تک کا سفر کیا۔ آگرہ سے وہ جنوبی ہندوستان میں واقع سلطنت گولکنڈہ کی سیاحت پر نکلا۔ اس نے عظیم مغل شہنشاہ شاہ جہاں کے دربار میں کچھ عرصہ گذارا۔ گولکنڈہ میں اس کی دلچسپی زیادہ تر ہیروں کی کانوں کو دیکھنے سے رہی۔

اس کے بعد کے سفائر

اپنے دوسرے سفر مشرق کے بعد وہ چار مرتبہ دنیائے مشرق کی سیاحت پر آیا۔ اپنے ان بعد کے سفروں میں اس کی حیثیت بیش قیمت جواہرات کے تاجر کی تھی اور اس نے مشرق کے بادشاہوں اور شہزادوں کو بہت سے ہیرے اور جواہرات فروخت کر کے اپنا مستقل گاہک بنالیا۔

اپنے تیسرے سفر میں جو 1643ء سے 1649ء تک جاری رہا وہ مشرق بعید میں جاوا تک پہنچا اور واپسی میں ولندیزی تاجروں کے ساتھ سفر کرتا ہوا جنوبی افریقہ میں کیپ آف دی گڈ تک پہنچا۔ اس کے ولندیزیوں سے تعلقات کچھ اچھے ثابت نہ ہوئے اور واپسی پر اسے ان کے خلاف ایک مقدمہ دائر کرنا پڑا۔

اپنے چوتھے سفر میں جو 1651ء سے 1655ء تک جاری رہا ٹیورنیئر اسکندریہ، حلب، بندر عباس، ماسلی پٹم (Masuli Paṭam) گولکنڈہ، سورت، احمد آباد، پیگو (Pegu) اور موگوک (Mgok) تک مشرق میں سیاحت کرتا رہا اور پھر وہاں سے واپس بندر عباس (ایران) اور اصفہان کی سیاحت کے بعد اس نے واپس پیرس کی راہ لی۔

اپنے آخری دو سفروں میں یعنی پانچویں اور چھٹے سفر میں جو 1657ء سے 1662ء اور 1664ء سے 1668ء تک جاری رہے وہ ہندوستان تک محدود رہا اور مشرق بعید کے علاقوں تک نہ جا سکا۔ اس کے ان آخری سفروں کی روئیداد کچھ زیادہ طور پر معلوم نہ ہو سکیں اور یہ دونوں سفر تاجرانہ تھے۔

انھیں آخری سفروں میں اسے وہ مشہور نیلا ہیرا ملا تھا جو اس نے بعد ازاں شہنشاہ فرانس لوئی چہارم کی خدمت میں پیش کیا اور اس کی بیش بہا قیمت پائی۔ 1662ء میں ٹیورنیئر نے شادی کی تھی اور طبقہ شرفاء میں شمولیت اختیار کی تھی۔ بعد ازاں 1670ء میں اس نے اپنی دولت سے سوئٹزرلینڈ میں جنیوا کے نزدیک ڈیوکی آف سیوائے میں ایک بڑی جائیداد خرید کر لی تھی۔

سوئٹزرلینڈ میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد ٹیورنیئر نے اپنے سفری حالات ایک ادیب سموئیل شاپزو

کی مدد سے قلم بند کرائے۔اس کے سفرنامہ جو پہلی جلد منظر عام پر آئی وہ اس کے پہلے اور چھٹے سفر کے بارے میں تھی جس میں قسطنطنیہ کی سیاحت بیان کی گئی تھی۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد ٹیورنیر کی دوسری کتاب Les Six Voyages جو دو جلدوں پر مشتمل تھی 1676ء میں پیرس سے شائع ہوئی۔اس کتاب میں جاپان کے سفر کی روئیداد بھی دی گئی تھی جو دوسرے تاجروں سے سنی گئی تھی۔اس کے علاوہ اس کتاب میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نمائندوں کی کارکردگی کے متعلق بھی اعتراضات کیے گئے تھے جن کے ہاتھوں ٹیورنیر کو اپنے اسفار کے دوران کئی مرتبہ نقصان پہنچا تھا۔ٹیورنیر کے اعتراضات کا جواب ایمسٹرڈم سے کتابی صورت میں دیا گیا۔ان جوابات پر مزید شور مچا کیونکہ ان میں پروٹسٹنٹوں کے خلاف مواد شامل تھا۔اسی وجہ سے ٹیورنیر کو ایک عدالت کے سامنے جواب دہی کے لیے پیش ہونا پڑا۔

ٹیورنیر کے سفرنامہ کی تعریف مؤرخین اور جغرافیہ دانوں نے دل کھول کر کی ہے۔۔ٹیورنیر نے 1631ء سے 1668ء تک مشرق میں جن مقامات کی سیاحت کی اس کے سفرنامہ میں ان مقامات کا تفصیلی احوال قلم بند کیا گیا ہے اور یہ اس عہد کی تاریخ دنیائے مشرق پر ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔اپنی عمر کے آخری ایام میں ٹیورنیر کو لوئی چہارم کی پروٹسٹنٹوں کے خلاف کی گئی کارروائی کی وجہ سے فرانس چھوڑ کر سوئٹزر لینڈ منتقل ہونا پڑا تھا۔

(39)

1656ء - نکولس مینوچی

NICOLAS MENOCHI

سترہویں صدی کا مشہور اطالوی سیاح جو عہد شاہ جہانی میں ہندوستان کی سیاحت پر آیا

اطالوی سیاح مینوچی صرف 14 سال کی عمر میں نومبر 1653ء میں اپنے وطن وینس سے سیاحت مشرق پر نکلا اور جنوری 1656ء میں ساحل ہند پر وارد ہوا۔ وینس سے وہ اپنے والد سے چھپ کر سیر و سیاحت کے شوق کو پورا کرنے کے لیے پہلے پہل ترکی کے شہر سرنالے کے لیے روانہ ہوا تھا۔ سمرنا سے ایشیائے کوچک کے اہم شہروں کی سیاحت کرتا ہوا وہ اگست 1654ء میں ایران کے شہر قزوین پہنچا پھر اصفہان میں ایک سال تک مقیم رہا۔ پھر شیراز کے راستے ایرانی بندرگاہ بندر عباس پہنچا اور سمندر کی راہ سے ہندوستان کے لیے روانہ ہوا۔

60 سال تک ہندوستان میں سکونت

جنوری 1656ء میں وہ مشہور ہندوستانی بندرگاہ سورت میں اترا اور اپریل 1656ء میں برہان پور، گوالیار، دھولپور اور دیگر ہندوستانی شہروں سے ہوتا ہوا آگرہ پہنچا۔ آگرہ سے دہلی پہنچ کر اس نے شہزادہ داراشکوہ تک رسائی حاصل کی۔ داراشکوہ ایک وسیع المشرب انسان تھا۔ اس نے مینوچی کو ایک اچھے مشاہرے پر اپنے ہاں ملازم رکھ لیا اور اسے اپنے توپ خان کا نگران مقرر کی۔ 1658ء میں جب داراشکور کی اورنگ زیب اور شہزادہ مراد بخش کی فوجوں سے جنگ ہوئی جو آگرہ کے نزدیک سموگڑھ کے مقام پر لڑی گئی تھی اس جنگ میں مینوچی نے داراشکوہ کی طرف سے بطور توپچی شرکت کی اور وہ اورنگزیب کے لشکر کے خلاف نبرد آزما رہا۔ داراشکوہ کی شکست کے بعد مینوچی نے اورنگ زیب کے لشکر میں ملازمت نہ کی بلکہ طباعت کا پیشہ اختیار کیا اور غالباً وہ اپنے وطن وینس واپس نہ گیا اور اس نے 1717ء میں بعمر 80 برس ہندوستان ہی میں وفات پائی۔ یوں تقریباً 60 سال وہ ہندوستان میں رہا۔

اس نے Stonia Do Mogop کے نام سے ایک کتاب میں اپنے سفر مشرق اور قیام ہند کے متعلق اپنی یادداشتیں تین زبانوں، اطالوی، پرتگیزی اور فرانسیسی میں مرتب کیں۔ اس کے علاوہ مغلیہ تاریخ بھی لکھی جو عہد شاہجہانی سے پہلے کے واقعات کے متعلق اغلاط کا مجموعہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مینوچی نے یہ قصے مخالفین سے سن کر بغیر تحقیق کیے اپنی کتاب میں درج کر دیے تھے۔ شاہجہان کے بعد کے واقعات مؤرخین کے نزدیک ضرور قابل اعتنا ہیں۔ دوسرے چونکہ اس کی اس کتاب سے اس عہد لوگوں کے عادات و اطوار کا پتہ چلتا ہے اور یہ باتیں اس عہد کی تاریخ کی کتابوں میں بہت کم ملتی ہیں اس لیے مینوچی کی یہ کتاب ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ مشہور فرانسیسی سیاح برنیر بھی تقریباً اسی عہد میں ہندوستان آیا تھا اور مینوچی کا ہم عصر تھا مگر دونوں الگ الگ مکتب فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ مینوچی داراشکوہ کا طرف دار تھا جبکہ برنیر اورنگ زیب کی طرف تھا۔ اورنگ زیب کی تخت نشینی اور اس کی بھائیوں سے جنگ کے واقعات کو جس طرح نے قلم بند کیا ہے وہ گویا تصویر کے دوسرے رخ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مینوچی نے جنگ سموگڑھ کا حال بھی اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ جنگ کے دیگر احوال کے ساتھ ساتھ اس نے لکھا ہے کہ دارا کی فوج کے کچھ افسروں نے اس سے غداری کی تھی اور وہ اورنگزیب کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ دارا کے غدار افسروں نے یہاں تک طے کیا تھا کہ اگر دارا لڑائی شروع کرنا چاہے تو وہ توپ خانے سے تین گولے داغ کر اورنگ زیب کو متنبہ کر دیں گے۔

3 جون 1658ء کو نصف شب کو دشمن کی طرف توپ کے تین فائر کیے گئے اور اگلی صبح یہ جنگ لڑی گئی۔ چونکہ مینوچی داراشکوہ کا طرف دار تھا اس لیے اس نے اپنی اس کتاب میں اورنگ زیب کی ایک ایسی تصویر پیش کی ہے جس میں وہ ایک عیار اور مکار انسان نظر آتا ہے۔ جنگ سموگڑھ کے بعد جب اورنگزیب نے دارا کو قتل کرنا چاہا تو اس نے دارا سے دریافت کیا کہ اگر دارا کی بجائے اورنگزیب اس کی قید میں ہوتا تو وہ اپنے قیدی سے کیا سلوک کرتا جس کے جواب میں دارا نے کہا اس کا جواب دہلی شہر کے چاروں دروازے دیتے جہاں اورنگ زیب کے بدن کے چار حصے علیحدہ علیحدہ لٹکائے جاتے۔ اس جواب سے برہم ہو کر آخر اورنگ زیب نے اپنے بڑے بھائی کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔

مینوچی رقم طراز ہے کہ اس بدنصیب شہزادہ دارا کا انجام، جو شاہجہاں کا پیارا خلف اکبر و ولی عہد سلطنت مغلیہ تھا اور رعایا کی نظروں میں معزز تھا، ایسے غم انگیز اور اندوہناک طریقہ سے ہوا جو ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اسے نہ اس کی نیک عادات، خصائل اور نہ ہی اس کا رتبہ اعلیٰ اورنگزیب کی ظالمانہ چالاکیوں سے بچا سکے۔ پھر دارا کے سر کو شاہجہاں کے پاس بطور تحفہ بھیجا اور اپنے ہرکاروں کو ہدایت کی کہ جب شاہجہاں کھانا کھانے کے لیے دسترخوان پر بیٹھے اس وقت یہ سر اس

کے سامنے پیش کیا جائے اور کہا جائے کہ اورنگ زیب نے یہ کھانا بطور تحفہ کے بھیجا ہے۔ جب شاہجہاں کی نظر دارا کے سر پر پڑی تو اسے دیکھ کر اس نے آہ بھری اور وہ اوندھے منہ دستر خوان پر گر پڑا۔

مینوچی لکھتا ہے کہ دارا کو قتل کروانے کے بعد اورنگ زیب نے سرمد مجذوب کو اپنے سامنے طلب کیا جس سے دارا بہت اعتقاد رکھتا تھا۔ اس سے دریافت کیا کہ "اب تمھارا معتقد کہاں ہے؟" سرمد نے جواب دیا کہ "وہ موجود ہے مگر تم اسے دیکھ نہیں سکتے۔ تم نے اپنے ہی کنبہ والوں پر ظلم کیے اور سلطنت غصب کرنے کے لیے اپنے بھائیوں کو قتل کرنے کے علاوہ بہت سی اور ظالمانہ و بے رحمانہ حرکتیں کیں۔" یہ سن کر اورنگ زیب نے اسے بھی قتل کروا دیا۔

ان تحریروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مینوچی کو قدرتی طور پر دارا کے قتل کے بعد اورنگزیب سے عناد ہو گیا تھا، اس لیے اس نے اورنگ زیب کے خلاف بہت کچھ تعصب سے کام لیا ہے۔ یہ کتاب مینوچی نے 1699 میں تصنیف کی تھی۔

(40)

1716ء - لیڈی میری ورٹلے مونٹیگو

اٹھارویں صدی کی انگریز سیاح خاتون جس کے خطوط اس عہد کے ترکی کے نقوش

ہمارے ذہن میں ابھارتے ہیں

لیڈی میری ورٹلے مونٹیگو انگریز طبقہ امراء سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون تھی جو اپنی خطوط نویسی، شاعری اور سلطنت عثمانیہ ترکی کی سیاحت اور چیچک کے علاج کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس نے سلطنت عثمانیہ میں جو سیاحت کی تھی اسے اپنے خطوط میں بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ قسطنطنیہ میں متعین برطانوی سفیر کی بیوی تھی اور اس نے مشرق وسطی اور ترکی کے مسلمانوں کا حال بیان کیا ہے۔

17 اگست 1712ء کو لیڈی میری ورٹلے مونٹیگو کی شادی ورٹلے مونٹیگ سے ہوئی تھی۔ شادی کے بعد اس کے ہاں ایک بیٹا ایڈورڈ ورٹلے مونٹیگ 1713ء میں پیدا ہوا۔ 13 اکتوبر 1714ء کو اس کے شوہر نے برطانوی وزارت خزانہ میں ایک جونیئر عہدہ قبول کرلیا جس کے دو سال بعد 1716ء اسے استنبول میں برطانوی سفیر کی حیثیت سے متعین کردیا گیا۔ اگست 1716ء میں لیڈی میری ورٹلے مونٹیگو اپنے شوہر کے ساتھ ویانا اور ادرنہ Adrianople کے راستے استنبول پہنچ گئی۔ ایڈورڈ ورٹلے کو 1717ء میں واپس برطانیہ طلب کرلیا گیا مگر یہ دونوں میاں بیوی 1718ء تک استنبول ہی میں رہے۔ 19 جنوری 1718ء کو لیڈی میری ورٹلے مونٹیگو کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی پھر بحیرہ روم کے راستے یہ خاندان واپس برطانیہ روانہ ہوا اور 2 اکتوبر 1718ء کو واپس لندن پہنچ گیا۔

ترک خواتین سے صوفیہ کے ایک حمام میں ملاقات کے تاثرات

لیڈی میری ورٹلے مونٹیگو نے اپنے اس بحری سفر کی روئیداد اور قسطنطنیہ میں اپنے مشرقی زندگی کے مشاہدے

کواپنی کتاب Letters from Turkey میں بیان کیا ہے۔ یہ کتاب لیڈی میری ورٹلے مونٹیگو کے ان خطوط پر مبنی ہے جواس نے ترکی سے انگلستان میں اپنے دوستوں کے نام لکھے تھے۔ان خطوط میں ترکی کے اس عہد کے معاشرے کی اتنے اچھے انداز میں عکاسی کی گئی ہے اور مشاہدات کواس دلنشیں پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ خطوط خصوصاً خواتین میں سیاحت کا شوق پیدا کرنے کے باعث رہے ہیں۔لیڈی میری ورٹلے مونٹیگو اپنے قیام ترکی کے دوران ترکوں کی روایتی مہمان نوازی سے بہت متاثر ہوئی تھی۔اس نے اپنے خطوط میں ترک خواتین سے صوفیہ کے ایک حمام میں ملاقات کے حال درج کیا ہے جس کے دوران ترکی خواتین اس کے اس سینہ بند (انگیا) کو دیکھ کر بہت خوف زدہ ہوئی تھیں جواس نے دوران غسل پہنی ہوئی تھی۔ترک خواتین نے جوتاثرات اس کے متعلق پیش کیے تھے وہ یہ تھے کہ برطانیہ کی خواتین کے خاوند مشرقی خاوندں سے زیادہ سخت گیر ہیں کیونکہ وہ اپنی بیویوں کواس طرح کے جکڑ بندیوں میں جکڑ کر رکھتے ہیں۔

حسن کی دولت سے محرومی

لیڈی میری ورٹلے نے ان غلط فہمیوں کے بارے میں بھی لکھا ہے جو خصوصاً مرد سیاحوں کو سلطنت ترکی کی سیاحت کے دوران ترکوں کی روایات، مذہب اوران کے خواتین سے برتاؤ کے بارے میں پیش آئی تھیں۔میری نے ایک عورت ہونے کے ناطے ترک خواتین کے انداز واطوار کا مرد سیاحوں کی نسبت زیادہ قریب سے مشاہدہ کیا اور ترک خواتین کے لباس، ان کی عادات، ان کی محدودیت اوران کی آزادی کے بارے میں ایک مغربی تنقید نگار کی حیثیت سے بہت کچھ لکھا ہے۔لیڈی میری ورٹلے نے ترکی میں چیچک کے مرض کے علاج کے لیے ٹیکہ لگانے اور تیار کرنے کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ وہ اس موذی مرض میں خود بھی مبتلا رہی تھی اس لیے اس نے اس کے اس مشرقی علاج کا ذکر کیا ہے۔اس طرح لیڈی میری ورٹلے نے طب مغرب میں ٹیکے کے ذریعے اس مرض کے اس علاج کا تعارف کرایا جو ابھی تک صرف دنیائے مشرق میں رائج تھا۔یہ طریقہ بالکل وہی تھا جو آج کل بھی مغرب بلکہ ساری دنیا میں رائج ہے یعنی چیچک کے جراثیم کو گائے کے ٹیکے کے ذریعے محلول تیار کر کے اس سے انجکشن تیار کرنا۔چیچک کے اس طریقہ علاج کو لیڈی میری ورٹلے نے یکم اپریل 1717ء کو اپنے ایک دوست کے نام تحریر کردہ خط میں مفصل طور پر بیان کیا تھا۔چیچک کے مرض سے میری کا ایک بھائی 1713ء میں مبتلا ہو کر وفات پا گیا تھا اور وہ خود بھی 1715ء میں اس مرض میں مبتلا ہو کر اپنے حسن کی دولت کھو چکی تھی۔

سزائے موت کی منسوخی

1721ء میں جب انگلستان میں چیچک کی وبا پھیلی تو لیڈی میری ورٹلے نے اپنی بیٹی کا علاج اسی مشرقی

انداز پر کیا تھا اور اس نے ایک انگریز سرجن چارلس میٹ لینڈ کو بھی انجکشن تیار کرنے میں مدد کی تھی۔ان دنوں برطانیہ کی ایک شہزادی اس مرض میں مبتلا تھی۔لیڈی میری ورٹلے نے شہزادی کو بھی اس طریقہ علاج سے استفادہ کرنے کی ترغیب دی تھی۔اگست 1722ء میں لندن کی نیوگیٹ جیل میں سات ایسے قیدی جنھیں سزائے موت سنادی گئی تھی چیچک کے مرض میں مبتلا تھے انھیں جب کہا گیا کہ وہ اس طریقہ علاج سے اگر صحت مند ہو گئے تو ان کی سزائے موت کو منسوخ کردیا جائے تو انھوں نے بخوشی اس طریقہ علاج سے استفادہ کرنا منظور کیا اور وہ صحت مند ہو گئے تھے۔بعد کے سالوں میں ایڈورڈ جینسر نے جو لیڈی میری کی وفات کے وقت صرف 13 سال کی عمر کا تھا اس طریقہ علاج کو ترقی دی تھی۔

استنبول سے واپسی پر لیڈی میری ورٹلے نے درباری زندگی کو ترک کردیا اور اپنے بچوں کی پرورش اور پڑھنے لکھنے پر زیادہ توجہ دی تھی۔اسی دوران اس نے اپنے ان خطوط کو مرتب کیا جو اس نے اپنے دوستوں کو ترکی سے لکھے تھے۔لیڈی میری ورٹلے نے مشہور انگریز شاعر الیگزینڈر پوپ کو بھی استنبول سے کئی خط لکھے تھے۔الیگزینڈر پوپ نے لیڈی میری ورٹلے کی ذہانت اور فطانت کی تعریف کی ہے۔

(41)

1760ء - جیمز باسویل

JAMES BOSWEL

مشہور ماہر لغات سیموئیل جانسن کا سوانح نگار جو یورپی ممالک کی سیاحت کے دوران روسو سے ملا

بہترین سوانح عمری

جیمز باسویل ایک سکاٹ سوانح نگار تھا۔ وہ ایڈنبرو اسکاٹ لینڈ میں 29 اکتوبر 1740ء کو پیدا ہوا۔ اس کی سب سے اہم تصنیف معروف انگریز ادبی شخصیت سیموئیل جانسن کی سوانح عمری ہے جسے جدید ادبی تنقید نگاروں نے انگریزی زبان میں لکھی ہوئی سب سے بہترین سوانح عمری قرار دیا ہے(THE LIFE OF SAMUEL (JONSON

مسلک کی تبدیلی

جیمز باسویل نے ایڈنبرو یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ 19 سال کی عمر میں وہ گلاسگو یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے گلاسگو بھیجا گیا۔ ان دنوں وہ گلاسگو میں مقیم تھا اس نے پروٹسٹنٹ سے کیتھولک بننے کا فیصلہ کیا اور ایک کیتھولک راہب بن گیا۔ جب اس کے والد کو اس کے مسلک کی اس تبدیلی کا علم ہوا تو اس کے والد نے اسے واپس بلا لیا مگر اپنے والد کا حکم نہ مان کر گھر واپس آنے کی بجائے جیمز باسویل لندن کی طرف بھاگ گیا جہاں اس نے تین ماہ بسر کیے اور بعد ازاں اس کے والد نے اسے یہاں سے بھی واپس بلا لیا اور دوبارہ ایڈنبرو یونیورسٹی میں داخل کرا دیا۔

30 جولائی 1762ء کو باسویل نے قانون کا زبانی امتحان پاس کیا جس کی وجہ سے اس کے والد نے اس کا

مشاہرہ 200 پونڈ سالانہ کر دیا اور اسے لندن جانے کی اجازت بھی دی۔ لندن میں اسی قیام کے دوران 16 مئی 1763 کو اس کی ملاقات پہلی بار سیموئیل جانسن سے ہوئی جس کے بعد ان دونوں میں دوستی ہوگئی۔

جانسن سے اس پہلی ملاقات کے فوراً بعد باسویل یورپی ممالک کی سیاحت پر نکل کھڑا ہوا۔ اس کا ارادہ Utrecht Univeraity سے قانون کی ڈگری حاصل کرنا تھا۔ یہیں اس کی ملاقات ایک ولندیزی خاتون ازابیل ڈی چیریر سے ہوئی جس سے وہ محبت کرنے لگا۔ اگلے دو سال باسویل نے براعظم یورپ کے ممالک کی سیاحت میں گذارے۔ اسی سیاحت کے دوران اس کی ملاقات مشہور فرانسیسی مفکر روسو سے ہوئی اور اس نے روم کی سیاحت بھی کی۔ باسویل نے کارسیکا کا سفر بھی کیا اور وہاں کی عظیم شخصیات سے ملاقات کی۔ یورپ کی سیاحت پر اس نے دو کتابیں BOSWELL IN HOLAND اور ON THE GREAT TOUR لکھیں جو اس کے اس سفر کے سیاحت ناموں کی حیثیت رکھتی ہیں۔

فروری 1766ء میں باسویل یورپ کی سیاحت سے واپس لندن لوٹا۔ اس کے ہمراہ مشہور فرانسیسی مفکر کی ایک محبوبہ بھی تھی جس کے ساتھ یورپی سفر کے دوران اس کی بھی آشنائی ہوگئی تھی۔ لندن میں کچھ ہفتہ قیام کے بعد باسویل نے اسکاٹ لینڈ کی راہ لی تاکہ قانون کے امتحان میں حصہ لے سکے۔ یہ امتحان پاس کرنے کے بعد وہ ایڈووکیٹ بن گیا اور اس نے قانونی پریکٹس شرع کر دی۔ اس دوران اس کی جانسن سے دوستی بھی جاری تھی اور وہ ہر سال تقریباً ایک ماہ اس کے ساتھ لندن میں گذارتا تھا اور دوسری ادبی شخصیات سے بھی ملتا تھا۔ نومبر 1769ء میں باسویل نے اپنی ایک کزن مارگریٹ منٹگمری سے شادی کی۔ یہ شادی 1789ء تک قائم رہی جب اس کی بیوی تپ دق کے مرض سے وفات پا گئی۔

1784ء میں جانسن کی وفات کے بعد باسویل لندن میں منتقل ہوگیا تاکہ وہاں کی عدالتوں میں قانونی پریکٹس کر سکے۔ اسی دوران اس نے اپنے دوست جانسن کی سوانح عمری مرتب کی۔ جب 1791ء میں یہ سوانح عمری شائع ہوئی تو باسویل کو شہرت دوام حاصل ہوگئی۔ یہ اس عہد میں شائع ہونے والی دیگر سوانح عمریوں سے بالکل مختلف طرز پر لکھی گئی تھی۔ باسویل کے اس کام کو بہت سراہا گیا۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا اس سوانح عمری کو انگریزی زبان میں لکھی گئی سب سے بہترین سوانح عمری قرار دیا گیا۔

تحریک غلامی کی منسوخی میں شمولیت

مئی 1787ء میں باسویل نے دیگر ادبی شخصیات کے ساتھ مل کر غلامی کی منسوخی کی تحریک میں حصہ لیا اور اس وقت کے برطانوی وزیراعظم، ولی ولبرفورس پر زور دیا کہ وہ برطانوی دارالعوام میں غلامی کی منسوخی کے لیے قرارداد

پیش کرے، تاہم غلامی کی تنسیخ کے مؤرخ تھامس کلارک سن نے لکھا ہے کہ 1788ء تک تو باسویل نے غلامی کی تنسیخ کے لیے کام کیا پھر اس کے نظریات میں تبدیلی آ گئی اور وہ غلامی کو بحال رکھنے والوں میں شامل ہو گیا۔ اس کا ثبوت 1791ء میں باسویل کی نظم NO ABOITION OF SLAVERY ہے جس میں تھامس کلارک کا مذاق اڑایا گیا ہے اور ولبرفورس اور پٹ پر طنز کی گئی ہے۔ 1920ء کی دہائی میں جیمز باسویل کے کچھ کاغذات اور مسودے شمالی ڈبلن کے ایک پرانے قلعے سے دریافت ہوئے جن کی مدد سے اس کی کچھ تصانیف ان اصل مسودوں کے مطابق شائع کی گئیں۔ باسویل کے سیاحت ناموں میں اہم مندرجہ ذیل قرار دیے گئے ہیں:

(1) AN ACCOUNT OF CORSICA, THE JOURNAL OF A TOUR

(2) THE JOURNAL OF A TOUR TO THE HEBRIDES WITH SAMUEL JOHNSON

(42)

1786ء ۔ گوئٹے یوہان وولف گانگ وان

VON GOETHE, JOHN WOLFGANG

جرمنی کے مشہور زمانہ ادیب و شاعر کے سفر اطالیہ کی روداد

گوئٹے (1832-1749ء) جرمن شاعر، ڈرامہ نگار اور ناول نویس۔ اس کا ہمہ تن گیر ذہن دیگر علوم بالخصوص سائنس پر بھی حاوی تھا۔ جرمنی کے شہر فرانکفرٹ میں بچپن گذارنے کے بعد اس لائپزش Leipzig اور بعد ازاں سٹراس برگ Stras Bourg میں قانون کا مطالعہ کیا آخرالذکر شہر ہی میں اس نے قانون کے مطالعہ کیا اور یہیں وہ تحریک جوش وخوش Sturm Und Drang کے زیر اثر آیا۔ اسے ڈراما "برلیشنگن کا بت" لکھنے پر 1773ء میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ 1772ء میں جب وہ ویٹسلار میں وکیل تھا تو وہ شارلٹ بوف نامی خاتون کی نامسعود محبت میں مبتلا ہو گیا اس نے اپنے ناول "نوجوان لڑکے کے آلام" (The Sorows of Young Werther) لکھ کر بالآخر اپنی حالت پر غلبہ پایا۔ اس کا یہ ناول خطوط کی صورت میں ہے اور اس میں مریضانہ حسیت کا اظہار کیا گیا ہے۔

1775ء میں ڈیوک آف سیکس وائمار چارلس آگسٹس کی دعوت پر اس کا درباری مقرب بنا اور اس کی یہ حیثیت تاحیات قائم رہی۔ وہ دس برس تک ڈیوک کا وزیراعلیٰ بھی رہا۔ 1786ء تا 1788 گوئٹے نے اٹلی کا پہلا سفر کیا۔ اسی سفر کے دوران گوئٹے کے دل میں کلاسیکی نصب العین کے حصول کا ولولہ پیدا ہوا۔ اس کے ڈرامے Egmont (1788) تک تو تحریک جوش وخروش کے آثار موجود ہیں لیکن Iphigenie and Tauris (1779) اور دیگر ناول خالص کلاسکیت کی پیداوار ہیں۔ اس کے دو عظیم ناول، ولہلم ماسٹر کا زمانہ شاگردی

اور ''انتخابی روابط'' (1809ء) ذاتی محاسن رکھنے کے علاوہ کرداری اور نفسیاتی جرمن ناول کے راہنما بھی ثابت ہوئے۔

شلر سے گوئٹے کی دوستی کا آغاز 1794ء میں ہوا۔اس سے دنوں کو ذہنی تقویت حاصل ہوتی۔گوئٹے نے 1808ء میں اپنے شاہکار فاوسٹس کا پہلا حصہ شائع کیا اور اپنی وفات سے کچھ عرصے قبل اس کو مکمل کرلیا۔اپنے سفر اٹلی پر گوئٹے نے Italian Journey کے نام سے ایک سیاحت نامہ یا رپورٹ بھی تحریر کی تھی۔یہ کتاب دراصل سفر اٹلی کے دوران اس کے مرتب کردہ روزنامچے پر مشتمل ہے جو اس نے 1886ء سے 1888ء تک رقم کیا تھا۔اس کتاب کا جرمن نام Italieni Schi Reis ہے۔یہ 1816-17ء میں شائع ہوئی تھی اور گوئٹے کی ڈائریوں یا روزنامچے پر مشتمل ہے۔

1786ء کے شروع میں جب گوئٹے اپنی عمر کے سینتیسویں (37) سال میں تھا اس کے اپنے الفاظ میں وہ اپنے فرائض بطور Privy Councillor سے جان چھڑا کر بھاگ گیا۔یاد رہے کہ وہ ان دنوں ڈیوک آف وائمار (Duke of Weimar) کا مشیر خاص تھا اور نوجوان ورتھر کے الم نامی ناول کی اشاعت سے شہرت کی بلندیوں تک پہنچ چکا تھا۔مئی 1786ء میں اس نے اٹلی کا سفر اختیار کیا اور اس نے انز برگ (Inns Bruck) اور برینر پاس (Brenner Pss) کے راستے جھیل گیرادا (Lake garada)، ویرونا (Verona)، ویسنزا (Vivenza) وینس، بولوگنا (Bologna) روم اور کوہستان البن (Alban Hill) نیپلز اور سسلی کی سیاحت کی۔اٹلی کی سیاحت کے دوران اس نے اپنے جرمنی کے دوستوں کو بہت سے خطوط بھی لکھے جو بعدازاں ''سفر اطالیہ'' Italian Journey نامی اس کتاب کی بنیاد بنے۔

''سفر اطالیہ'' میں گوئٹے نے سفری واقعات کو جیسے ہی وہ رونما ہوئے اسی ترتیب سے پیش کیا ہے اور اس کا انداز تحریر جیسا کہ پہلے ذکر آیا ڈائری یا روزنامچے کا سا ہے۔اس کتاب کے آخر میں اس نے اس سفرنامے کو اٹلی کے حالات وواقعات پر مرتب کردہ ایک رپورٹ بتایا ہے جس کا انداز تحریر فسانوی ہے۔گوئٹے نے خط میں لکھا تھا کہ اس کا یہ کام اگرچہ حقیقی ہے مگر اس کا انداز پریوں کی کہانی Fairy Tales جیسا شاندار ہے۔یہ کتاب اس کے لکھے جانے کے تقریباً تیس یا چالیس سال بعد شائع ہوئی تھی یعنی 1816ء اور 1829ء میں۔کتاب کا آغاز گوئٹے نے ایک مشہور اطالوی محاورے سے کیا ہے Etina Arcadia Ego اس لاطینی محاورے کو بہ زبان موت کہا جاتا اور دوسری کئی ادبی شخصیات نے بھی اپنی کتابوں میں یہ رقم کیا ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ ہر جنت کو انسان کے فانی ہونے نے آزار پہنچایا ہے۔بہرحال گوئٹے نے اس محاورے کو ''میں جنت میں جا رہا ہوں'' کے مفہوم میں پیش کیا ہے۔اسی طرح گوئٹے نے اپنے اس سیاحت نامے کے آخر میں مشہور اطالوی ادیب وشاعر اوڈ Ovid کی ایک شاعرانہ تحریر

سے اقتباس درج کیا ہے جس میں اوڈ نے اپنے روم سے نکالے جانے کا احوال درج کیا تھا۔ یاد رہے کہ اوڈ کو شہنشاہ آگسٹس نے روم سے جلاوطن کر دیا تھا۔

دو سال کی طویل سیاحت کے بعد جب گوئٹے اٹلی سے جرمنی واپس لوٹا تو اس نے اپنی ایک نظم

WE ALL PILGRIMS WHO SEEK ITALY

لکھی تھی۔ گوئٹے کے نزدیک اٹلی یورپ کے جنوبی گرم گوشے کی حیثیت رکھتا تھا جبکہ جرمنی اور دیگر شمالی یورپی ممالک ایک شمالی سرد جہنم سے کم نہیں تھے۔

گوئٹے تقریباً تین ماہ تک روم میں قیام پذیر رہا تھا۔ روم کو وہ دنیا کا شہر اوّل قرار دیتا ہے۔ اس قیام کے دوران گوئٹے کے ساتھی کچھ نوجوان جرمن مصور تھے جنھوں نے اپنی تصویروں میں روم کے اہم مقامات کو محفوظ کیا تھا۔ فروری 1887ء سے مئی 1887ء تک گوئٹے نے مشہور اطالوی شہر نیپلز میں قیام کیا اور اس کی سیاحت کی پھر یہاں سے وہ سسلی چلا گیا جو اطالیہ کا ایک مشہور جزیرہ ہے۔ نیپلز کے قریب ہی اٹلی کا ایک مشہور زمانہ کوہ ویسویس M.Vesuvius واقع ہے۔ گوئٹے نے اس پہاڑ کے دامن میں آباد قدیم شہر پومپیائی کی سیاحت بھی کی۔ نیپلز کو گوئٹے نے اطالیہ کی جنت قرار دیا ہے اور اس شہر کی رومانی فضا سے وہ بہت متاثر ہوا تھا۔

(43)

1770ء ۔ جیمز بروس

وہ اسکاٹ سیاح جس نے پہلے یورپی سیاح کی حیثیت سے دریائے نیل کا منبع دریافت کرنے کا دعویٰ کیا

جیمز بروس ایک اسکاٹ سیاح اور سفرنامہ نگار تھا جو 14 دسمبر 1730ء کو اسکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا اور اس نے ایڈنبرا یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ وہ قانون کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا مگر ایک شراب کے تاجر کی بیٹی سے شادی کرنے کے بعد اس کے خیالات بدل گئے اور وہ ایک قانون دان کی بجائے ایک کاروباری بن گیا۔

اکتوبر 1654ء میں اس کی بیوی کی وفات کے بعد جیمز بروس کو شراب کی تجارت کے سلسلے میں پرتگال اور اسپین کا سفر کرنا پڑا۔ اسپین کی مشہور زمانہ اسکوریال لائبریری میں اسے مسلم علماء کی کتابوں کے مسودات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا جس کے بعد اس نے عربی زبان سیکھی جو اس کے مستقبل کے بنانے میں ممد معاون بنی۔ 1758ء میں اس کے والد کی وفات کے بعد وہ اپنی آبائی جاگیر، کینارڈ Kinnaird میں منتقل ہو گیا۔

برطانوی سفارت کار

1762ء میں اسپین اور برطانیہ کے درمیان جنگ چھڑ جانے کے بعد جیمز بروس نے اپنی خدمات برطانوی حکومت کو پیش کر دیں اور میرول Merrol پر حملہ کرنے کی ایک تجویز پیش کی۔ اگرچہ اس کی یہ تجویز منظور نہ ہوئی مگر اسے لارڈ ہیلی فیکس نے الجزائر میں برطانوی سفارت کار کی حیثیت سے متعین کر دیا گیا اور اس ملک کے تاریخی کھنڈرات کے مطالعے کا کام اس کے سپرد کر دیا۔ الجزائر جاتے ہوئے جیمز بروس نے چھ ماہ تک اٹلی میں قیام کر کے آثار قدیمہ کی سائنس کا مطالعہ کیا۔ مارچ 1763ء میں وہ الجزائر پہنچا۔ الجزائر میں اس کا سارا وقت کونسل کی ذمہ داریاں سنبھالنے میں صرف ہونے لگا۔

بحیثیت طبیب

1765ء میں ایک دوسرا برطانوی سفارت کار الجزائر پہنچا تو جیمز بروس کو مشرقی الجزائر کے مقام Barbary میں قدیم رومی عمارتوں کے کھنڈرات کا معائنہ کرنے کا وقت ملا۔اس نے تیونس سے طرابلس تک کا خشکی کا سفر کیا۔اس کے بعد وہ ایک بحری جہاز پر سوار ہو کر کنڈیا Candia روانہ ہوا لیکن یہ بحری جہاز بن غازی کے قریب سمندر میں غرق ہو گیا اور اسے تیر کر ساحل پر آنا پڑا جہاں سے وہ جزیرہ کریٹ Crete پہنچا اور وہاں سے ایک بار پھر سمندری راستے سے لبنان کی بندرگاہ سیڈان پہنچ کر اس نے شام کی سیاحت کی اور پالمیرا Palmyra اور بعلبک کے کھنڈرات کا معائنہ کیا۔بربری اور مشرقی بحیرہ روم کے علاقے میں اس نے جن تاریخی عمارتوں کے کھنڈرات کا معائنہ کیا۔اس نے ان کی قلمی تصاویر بڑی احتیاط سے تیار کرلیں۔اس کے علاوہ شام کی سیاحت کے دوران اس نے مشرقی علم طب کا مطالعہ بھی کیا جس نے اسے مشرق میں بحیثیت طبیب کی جگہ دی۔

جون 1768 میں وہ مصر کی مشہور بندرگاہ اسکندریہ پہنچا اور اس نے دریائے نیل کے منبع کو دریافت کرنے کا عزم کیا جو اس کے نزدیک ایتھوپیا (حبشہ) میں کہیں واقع تھا۔قاہرہ میں اس نے مصر کے مملوک حمران علی بے سے اس سلسلے میں مدد چاہی۔مصر کی سیاحت کے دوران اس نے تھیبز Thebes میں فرعون ریمیسس سوم کے مدفن کا مطالعہ کیا اور اس کے بعد صحرا کو عبور کر کے وہ کوسیر Koaaeir پہنچا۔اس جگہ سے وہ ایک ترک مسلمان کے لباس میں جہاز پر سوار ہوا اور مئی 1769ء میں عرب کی بندرگاہ جدہ پہنچا۔سرزمین عرب کی سیاحت کے بعد وہ ایک بار پھر بحرقلزم کو عبور کر کے مصر میں میساوا پہنچا جو ان دنوں ترکوں کے قبضے میں تھا۔وہاں سے 14 فروری 1770 ایتھوپیا کے دارالحکومت میں براستہ سمندر وارد ہوا۔ایتھوپیا کے اس وقت کے حکمران ہیمنوت دوم Haymanot II نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ایتھوپیا میں اس نے تقریباً دو سال قیام کیا۔اکتوبر میں جیمز بروس دریائے نیل کے منبع کی تلاش میں نکلا۔اس نے اپنی کتاب Historia De Ethiopia میں پہلے یورپی کی حیثیت سے دریائے نیل کے منبع کی دریافت کا دعویٰ کیا ہے۔اس کے علاوہ اس سفر کی روئیداد اس نے اپنے سفرنامے Travel To The Source Of Nile میں قلمبند کی ہے۔

(44)

1795ء منگو پارک

MUNGO PARK

منگو پارک ایک اسکاٹ سرجن تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز پر شرق الہند کی سیاحت پر نکلا تھا۔ اس نے سماٹرا میں مچھلیوں کی آٹھ نئی انواع دریافت کی تھیں اور اس دریافت پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا اور ایک سائنسی جریدے میں شائع کرایا تھا۔ انھیں دنوں سر جوزف بینک نے براعظم افریقہ کے پراسرار دریا، دریائے نائیجر کی تلاش کاری کا اعلان کیا ہوا تھا اور انھیں اس اکتشافی مہم کے لیے کسی موزوں شخص کی تلاش تھی۔ منگو پارک کے تحقیقی مقالے نے سر جوزف کو اس کی طرف متوجہ کیا اور منگو پارک نے بھی ان کی اکتشافی مہم پر جانے کا فیصلہ کرلیا۔ مئی 1795ء میں وہ اس مہم پر انگلستان سے روانہ ہوا اور جولائی 1795ء میں وہ دریائے گیمبیا کے دہانے پر واقع ایک تجارتی قصبہ پسانیہ میں لنگر انداز ہوگیا۔ پسانیہ میں قیام کے دوران اسے ایک شدید بخار نے آلیا اور اس وجہ سے وہ کئی ماہ تک اپنی اکتشافی مہم کو جاری نہ رکھ سکا۔ بخار سے صحت یابی کے بعد اس نے افریقی زبان مینڈگو Mandigo سیکھی اور دریائے نائجر کے بارے میں ضروری جغرافیائی معلومات جمع کیں۔

دسمبر 1795ء میں منگو پارک افریقہ کے اندرونی علاقوں کے اکتشافی سفر پر نکلا۔ اس سفر میں اس کے ساتھی ایک سابقہ غلام جانسن اور ایک حبشی غلام لڑکا تھے۔ تین دن کے سفر کے بعد وہ ایک افریقی سلطنت میں داخل ہوئے جس کے بادشاہ نے منگو پارک کو مزید آگے سفر نہ کرنے کا مشورہ دیا کیونکہ آگے رہنے والے وحشی قبائل سے اس کی جان کو خطرہ لاحق ہوسکتا تھا مگر منگو پارک نے اپنی سفر جاری رکھا۔ مسلمان حکمرانوں کے علاقے سے گذرتے ہوئے اسے بیناؤن Benown نامی گاؤں میں گرفتار کرلیا گیا اور قید میں ڈال دیا گیا۔ اس کا غلام لڑکا فروخت کردیا گیا۔ تین ماہ بعد وہ اس قید سے بھاگ نکلا اور خوش قسمتی سے اسے ایسے لوگوں کی ایک جماعت مل گئی جو ہجرت کرکے دریائے نائجر کے کنارے

آباد قصبہ سیگو کی طرف جارہی تھی۔ 20 جولائی 1796ء کو منگو پارک بالآخر دریا تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ دریائے نائجر جو ریائے ٹیمز سے زیادہ چوڑا نہیں تھا نہایت سبک خرامی سے مغرب سے مشرق کی سمت میں بہہ رہا تھا۔

منگو پارک قصبہ سیگو میں، کئی دن تک اس امید پر ٹھہرا رہا کہ وہاں کا حکمران شاہ مان سانگ اسے اپنے دربار میں شرف باریابی بخشے گا مگر اس کی یہ امید تو بر نہیں آئی البتہ شاہ مان سانگ نے اسے 5000 کوڑی کی رقم بطور تحفہ بھجوادی جس کا مطلب یہ تھا کہ بادشاہ چاہتا تھا کہ وہ اس کا علاقہ جلد سے جلد چھوڑ دے۔

سیگو سے روانہ ہو کر منگو پارک نے دریائے نائجر کے ساتھ ساتھ سفر کرنا شروع کردیا۔ چھ دن کے سفر کے بعد وہ سلا Silla نامی قصبے میں پہنچا۔ اس قصبے سے آگے منطقہ حارہ کے خطوں میں بارشوں کا زور تھا جو اس علاقے میں سیلاب کا باعث بنی ہوئی تھیں۔ اس علاقے میں مچھروں کی بہتات ہونے کی وجہ سے منگو پارک کو پریشانی اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے علاوہ اسے آگے راہزنوں کا خطرہ بھی درپیش تھا اس لیے اس نے مجبوراً واپسی کا سفر شروع کیا مگر واپسی کے سفر میں بھی اسے راہزنوں نے لوٹ لیا اور اس کے پاس پہنے ہوئی پتلون اور شرٹ کے سوا کوئی اور چیز نہ بچی۔ چونکہ اس نے کچھ رقم اپنے ہیٹ کے نیچے چھپا رکھی تھی اس لیے وہ فاقہ زدگی سے بچ گیا۔

ستمبر میں وہ ایک چھوٹے سے قصبے کمالیہ پہنچا اور ایک مرتبہ پھر شدید بخار میں مبتلا ہوگیا۔ اس مرتبہ اس کی جان غلاموں کے ایک تاجر کی مہربانی نے بچائی۔ وہ اس قصبہ میں سات ماہ تک ٹھہرا اور پھر غلاموں کے ایک کارواں کے ساتھ واپس ہسپانیہ کے لیے روانہ ہوا۔ ہسپانیہ سے اس نے واپس انگلستان کی راہ لی۔ لندن پہنچ کر اس نے افریقہ کے اندرونی علاقوں کے اپنے سفر کی روئیداد ایک سفرنامہ کی شکل میں مرتب کی۔ اس سفرنامے کی اشاعت کے بعد وہ انگلستان کا ایک مشہور تلاش کار اور سیاح بن چکا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک بار پھر افریقہ جا کر دریائے نائجر کی تلاش کاری کا کام مکمل کرنے کے لیے تڑپ ابھی تک موجود تھی۔ برطانوی حکومت نے مغربی افریقہ میں ایک اکتشافی سفر کی مہم اس کے سابقہ تجربات کی بنیاد پر اس کے سپرد کی اور اسے برطانوی فوج میں کیپٹن کا عہدہ بھی پیش کیا۔

یہ نئی مہم کی روانگی بار بار موخر ہونے کی وجہ سے منگو پارک مئی 1805ء سے پہلے گیمبا نہ پہنچ سکا۔ منگو پارک اگر ہوش مندی سے کام لیتا تو اپنی اس مہم کو موسم برسات کے گذر جانے کے بعد تک موخر کردیتا مگر اس پر دریائے نائجر تک پہنچے کا شوق کا غلبہ تھا اس لیے وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر اندرون افریقہ کی مہم پر فوراً نکل کھڑا ہوا۔ ہسپانیہ سے نکلتے ہی اس کی جماعت کو شدید بارشوں نے آگھیرا۔ افریقہ کے اس ناقابل برداشت موسم کی وجہ سے اس کے اکثر یورپی ساتھی دائمی پیچش اسہال و ملیریا کی بیماریوں میں مبتلا ہوگئے اور سفر کے قابل نہ رہے۔ منگو پارک نے اپنے بیمار ساتھیوں کو پیچھے آرام کرنے کے لیے یا بے یار و مددگار مرنے کے لیے چھوڑا اور وہ باقی لوگوں کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔

اگست 1805ء میں بالآخر وہ جب دریائے نائجر تک پہنچا تو اس کی 44 آدمیوں کی جماعت میں سے صرف 10 آدمی زندہ بچے تھے۔

اس باقی ماندہ جماعت نے دریائے نائجر کے نشیبی علاقوں کی طرف سفر شروع کیا اور جلد ہی وہ بماکو Bamaku سے سان سینڈنگ San Sanding کے مقام تک پہنچ گئے۔ اس مقام سے دریا میں سفر کرنے کے لیے ایک بڑی کشتی تیار کی گئی۔ منگو پارک دریائے نائجر کے دہانے تک سفر کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے آخری خط میں اپنی بیوی کو لکھا ہم نے ساحل سمندر تک پہنچنے کے لیے سفر شروع کر دیا ہے۔

پھر اگلے پانچ سال تک منگو پارک اور اس کی جماعت کے لوگوں کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ 1810ء میں منگو پارک کا آخری خط برطانیہ پہنچا تو حکومت برطانیہ نے منگو پارک اور اس کے ساتھیوں کی تلاش میں ایک سینڈ گو گائیڈ کو دریائے نائجر کی طرف بھیجا۔ اس گائیڈ نے منگو پارک کے ایک مقامی گائیڈ کو ڈھونڈ نکالا جو منگو پارک کے آخری سفر میں اس کے ساتھ تھا۔ اس نے بتایا کہ منگو پارک کی کشتی دریا میں چٹانوں کے درمیان پھنس گئی تھی اور اس جماعت پر مقامی قبائلیوں نے حملہ کر دیا تھا۔ منگو پارک کی جماعت نے ان حالات میں دریا میں چھلانگ لگا دی اور وہ سب پانی کے اس تیز دھارے میں بہہ گئے۔

(45)

1828ء ۔ واشنگٹن ارونگ

امریکی ادیب واشنگٹن ارونگ اپنی تحریروں سے ایسی بلندی پر پہنچا کہ انگلستان کے ادیبوں کو اس کی رفعت تسلیم کرنا پڑی

واشنگٹن ارونگ 1783ء میں نیویارک میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ لوہے کے سامان کا ایک تاجر تھا۔ ارونگ چونکہ اپنے بھائیوں بہنوں میں سب سے چھوٹا تھا، اس لیے وہ اپنی ماں کا چہیتا بیٹا تھا۔ اسی وجہ سے اس کی تعلیم و تربیت لاڈ و پیار کی فضا میں ہوئی اور اس کی تعلیم اس باضابطہ اور منظم طریقے سے نہیں ہوئی جیسی اس کے دوسرے بھائیوں کی ہوئی۔ ارونگ اگرچہ اسکول کی پڑھائی پر کبھی توجہ نہیں دیتا تھا مگر اپنے طور پر وہ ہر طرح کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ اسے نظم و نثر دونوں چیزیں لکھنے کا شوق بھی تھا۔ چنانچہ سولہ برس کی عمر سے پہلے ہی اس نے کچھ نظمیں اور ایک ڈرامہ لکھا تھا۔ 1803ء اور 1804ء میں وہ امریکہ کے مختلف علاقوں کی سیاحت پر نکلا۔ اس دوران اس کی نسبت ایک امریکی دوشیزہ سے ہوئی لیکن 1809ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس غم میں واشنگٹن ارونگ نے کبھی شادی نہیں کی اور اپنی عمر کا بڑا حصہ سیر و سیاحت اور تصنیف و تالیف میں بسر کیا اور اسی کی بدولت شہرت دوام پائی۔

واشنگٹن ارونگ کا زمانہ سیاحت 1803ء سے شروع ہوتا ہے۔ یہ اس کی زندگی کا تخلیقاتی دور بھی تھا۔ اس دور کے آغاز کے بعد واشنگٹن ارونگ نے یورپ کا سفر کیا اور وہاں سے واپسی پر کئی ایسی چیزیں لکھی جنھوں نے اسے نہ صرف امریکی ادب میں مستقل حیثیت دی بلکہ بیرونی دنیا میں بھی وہ بڑا معروف ہوا۔ اسی زمانہ میں واشنگٹن ارونگ نے ایک فرضی نام سے نیویارک کی تاریخ بھی لکھی تھی۔ اس کتاب کو امریکی ادب کا ایک اہم سنگ میل سمجھا جاتا ہے۔ ارونگ کی تصانیف کے تیسرے دور یا گروہ میں اس کی وہ تخلیقات شامل ہیں جو ہسپانیہ کے سفر کے متعلق ہیں۔ اس کی مشہور کتب ''الحمراء کی داستانیں'' اسی گروہ میں شامل ہیں۔ چوتھے اور پانچویں گروہ کی کتابوں کا موضوع مغربی امریکہ کی زندگی ہے۔

1825-26ء میں واشنگٹن ارونگ نے سپین کا سفر کیا اور بعدازاں وہ میڈرڈ میں امریکی سفارت خانے سے

منسلک رہا اور اس نے ہسپانوی موضوعات پر لکھنا شروع کیا مثلاً کولمبس کی سوانح عمری''، فتح نامہ غرناطہ(The Conquest of Granada) اور قصص الحمراء۔ قصص الحمراء واشنگٹن ارونگ کے سفر غرناطہ کی یادگار ہے۔ یہ کتاب 1832ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کو ارونگ نے ایک خط کی صورت میں اپنے ایک دوست ڈیوڈ ولکی کے نام معنون کیا تھا جو الحمرا کی رومانی مہمات میں اس کا شریک اور ہم سفر تھا۔ اس کے نام ایک خط میں واشنگٹن ارونگ نے لکھا تھا۔ محترم دوست! آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے ہسپانیہ کے بعض قدیم شہروں خصوصاً طلیطلہ، اشبیلیہ کی سیاحت کرتے ہوئے محسوس کیا تھا کہ اس پر مسلمانوں کی تہذیب کا رنگ چڑھا ہوا ہے جو موروں (مسلمانوں) کے عہد کی یادگار ہے۔ ان شہروں کے کوچہ و بازار میں گھومتے پھرتے ہماری نظریں بار بار ایسے مناظر اور واقعات سے دوچار ہوئی تھیں جن سے الف لیلہ کی داستانوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ ان مسلم یادگاروں و دیکھ کر ایک دن آپ نے مجھ سے فرمائش کی تھی کہ میں کوئی ایسی چیز لکھوں جس کا اسلوب ہارون الرشید انداز کا مظہر ہو اور جس میں عرب روایت کی وہ لذت ہو جس سے ہسپانیہ کی ہر چیز سرشار ہے۔ اس فرمائش کو ارونگ نے غرناطہ کی سیاحت کے دوران اپنی کتاب قصص الحمرا کے مواد اکٹھا کر کے کیا۔ ارونگ کو الحمرا اور اس کی سرزمین سے گہرا جذباتی تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ اس کا اظہار الحمرا کی داستانوں میں قدم قدم پر ہوتا ہے۔ واشنگٹن ارونگ نے لکھا تھا کہ غرناطہ پہنچنے کے بعد میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ الحمرا کے مشہور تاریخی قصر کی زیارت کو نکلا تھا۔

غرناطہ پہنچنے کے اگلے دن وہ اور اس کا دوست ڈیوڈ ولکی غرناطہ کے اس شاہی محل کی زیارت کی اس دلچسپ مہم پر روانہ ہوئے تھے۔ غرناطہ کے اس مشہور چوک سے گذر کر جس سے مسلمانوں کے عہد میں بازی گاہ کا کام لیا جاتا تھا انھوں نے اکسقاتین پر چلنا شروع کیا۔ اسلامی عہد میں یہ غرناطہ کا ''سوق الکبیر'' یا بڑا بازار تھا اور یہاں کی تنگ گلیاں اور چھوٹی چھوٹی دکانوں پر اب تک مشرقی رنگ چھایا ہوا تھا۔ حاکم شہر کے محل کے سامنے والے میدان سے ہوتے ہوئے وہ ایک ایسی تنگ اور پیچ دار گلی میں پہنچے جسے دیکھ کر غرناطہ کے عہد شجاعت کا یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ اس گلی کا نام ''سکۃ القمارش'' تھا۔ یہ عرب کے ایک ایسے گھرانے کے نام پر معنون تھی جس کا ذکر غرناطہ کی تاریخ وار گیتوں میں بار بار آتا ہے۔ اس گلی نے واشنگٹن اور اس کے ساتھی کو باب کبیر تک پہنچایا۔ باب کبیر چارلس پنجم کا بنوایا ہوا یونانی طرز تعمیر کا وہ شاندار پھاٹک ہے جس سے گذر کر الحمرا کی حدود میں داخل ہوا جاتا ہے۔ یہاں ایک بوڑھے سپاہی سے واشنگٹن ارونگ کی ملاقات ہوئی جس نے بتایا کہ الحمرا کے متعلق اس سے زیادہ واقف بھلا کون ہو سکتا ہے کیونکہ وہ الحمرا کا فرزند ہے......

قصص الحمرا Tales of Alhamra میں واشنگٹن ارونگ نے مسلمانوں کے عہد رفتہ کی طلسمی زندگی پر پڑے ہوئے پردے اٹھا کر بے تکلفی سے آئندہ زمانے کے سیاحوں کو الحمرا کے ایوانوں کی سیر کرائی ہے۔ ان ایوانوں

کے طلسم کو اپنے سینے میں بسا کر اس نے اپنے آپ کو ان کی رنگینیوں میں ڈبو دیا ہے اور اس کے بعد الحمرا کی وہ حسین داستانیں لکھی ہیں جو نغمہ و رومان بن کر ہمارے ذہنوں میں ابھرنے لگتی ہیں۔ الحمرا کی ان کہانیوں میں واشنگٹن ارونگ نے رومان اور تخیل کو ہر قدم اپنے ساتھ رکھا ہے اور ہر قدم پر وہ قاری کو یقین دلاتا ہے کہ اسے جو کہانیاں سنائی جا رہی ہیں انہیں سچی جاننے میں اسے کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی یہی یقین دہانی اس کتاب کو لافانی بناتی ہے۔

امریکہ واپس آنے پر ارونگ نے مغربی امریکہ کے متعلق ''گیاہستانوں کا دورہ، کپتان بونول کی مہمات'' اور ''رپ وان ونکل'' اور ''خوابیدہ وادی کی داستان'' جیسے شاہ کار تخلیق کیے تھے۔

(46)

1826ء - رفاعۃ رافع الطہطاوی

جدید دور کا عرب سیاح جو مغربی یورپ کی سیاحت پر پیرس پہنچا

رفاعۃ رافع الطہطاوی ایک مصری ادیب، مؤرخ، استاد، مترجم اور سیاح تھا۔ اس نے 1826ء سے 1831ء تک پیرس میں قیام کیا اور اپنے مغربی یورپ کے اس سفر کی یادداشتیں ''راحلۃ'' کے نام سے A Journey To Paris میں مرتب کیں۔ رفاعۃ ان اولین مصری ادیبوں میں سے ایک تھا جس نے مغربی یورپ کی تہذیب کے بارے میں لکھا اور مسلم اور عیسائی تہذیبوں کے دوران تفہیم پیدا کرنے کی کوشش کی۔

طہطاوی 1801ء میں مصر کے ایک قصبے طہطا میں پیدا ہوا اور اسی نسبت سے طہطاوی کہلایا۔ اس نے قاہرہ کی مشہور اسلامی یونیورسٹی جامعۃ الازہر سے تعلیم پائی۔ 1826ء میں مصر کے حکمران محمد علی پاشا نے مصری طالب علموں کے ایک گروپ کو پیرس اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بھجوایا۔ طہطاوی کے ازہری استاد حسن العطاری نے طہطاوی کو اس گروپ کا سربراہ یا امام مقرر کر کے اسے بھی پیرس بھجوا دیا۔ اس دور میں مصری طالب علموں کے کئی گروہ پیرس بھجوائے گئے تاکہ آرٹ و سائنس کی اعلی تعلیم حاصل کر کے ٹیکنیکل شعبوں، پرنٹنگ، جہاز سازی اور دیگر سائنسی امور کو سنبھال سکیں۔ طہطاوی کے سفرنامہ ''راحلۃ'' کے مطابق طہطاوی نے پیرس میں اخلاقیات Ethics اور سیاسی فلسفہ کی تعلیم حاصل کی اور علم ریاضی میں ڈگری حاصل کی۔ مغربی فلاسفہ، والٹیر، روسو اور کونڈالک کا مطالعہ کیا اور تقریباً پانچ سال پیرس میں رہا۔

طہطاوی 1831ء میں پیرس سے اپنے وطن واپس لوٹا اور مصر کو تعلیم اور دیگر شعبوں میں جدید بنانے کی کوششوں میں اس نے شمولیت اختیار کی۔ اس سلسلے میں اس نے جدید مغربی یورپی زبانوں کو پڑھانے کے لیے 1835 میں School of Lnguages نامی ادارے کی بنیاد رکھی جس کو ''مدرسۃ الترجمہ'' بھی کہا گیا۔ یہ اسکول بعد ازاں 1973ء میں مصر کی عین الشمس یونیورسٹی کا ایک حصہ قرار پایا۔ اسی اسکول میں مصر کے اولین جدید دانشمندوں

نے تعلیم پائی اور مصر میں تعلیمی ماحول تخلیق پایا۔طہطاوی نے سیاسی فلسفہ پر کام کیا اور اس کی تین تصانیف اخلاقی اور سیاسی فلسفہ پر بنی ہیں۔ان تصانیف میں اس نے مصری معاشرے کو سیاسی حقوق اور آزادی رائے وتحریر وتقریر کی تعلیم دی۔ طہطاوی کے اس کام سے مصر میں علمی نشاط ثانیہ کا آغاز ہوا جو 1840ء سے 1940ء تک جاری رہی۔ اس نے 1873ء میں قاہرہ میں وفات پائی۔طہطاوی کو مصر میں اسلامی جدیدیت کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔وہ ان اسلامی جدت پسندوں میں سے ایک تھا جنھوں نے اسلامی اصول کو یورپی سماجی فکر سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔جیسا کہ پہلے ذکر آیا کہ طہطاوی کو 1826ء میں خدیو مصر محمد علی پاشا، نے جدید تعلیم کے حصول کے لیے پیرس بھجوایا تھا،اس نے وہاں پانچ سال تک تعلیم حاصل کیا اور وہ 1831ء میں واپس مصر لوٹا اور اسکول آف لینگویجز کا ڈائریکٹر قرار کیا گیا۔اسی اسکول کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے اس نے کئی یورپی مصنفوں کی کتابوں کا ترجمہ عربی زبانوں میں کیا۔جغرافیہ،تاریخ اور فوجی ہدایت نگاری جیسے مضامین کی کتابیں شامل تھیں۔اس طرح تقریباً 2000 یورپی تصانیف کو طہطاوی کی سربراہی میں عربی میں منتقل کیا گیا۔طہطاوی کی اپنی تصنیف میں A Paris profile اس کا سفرنامہ ''راحلہ'' اور دیگر کئی اہم کتب شامل ہیں۔اس کے علاوہ اس نے The History of Ancient Egypt کو ترجمہ کیا تھا جو 1838ء میں شائع ہوئی تھی۔

(47)

1810ء لیڈی ہیسٹر سٹین ہوپ

LADY HESTER LUCY STAN HOP

فلسطین کی مقدس سرزمین کی طرف بھیجی جانے والی پہلی مہم آثار قدیمہ کی کھدائی کی برطانوی قائد

لیڈی ہیسٹر سٹین ہوپ ایک انگریز خاتون تھی جو ایک برطانوی سماجی کارکن، سیاح اور ماہر آثار قدیمہ تھی۔ اس نے 1815ء میں فلسطین کی مقدس سرزمین کی طرف بھیجی جانے والی پہلی مہم آثار قدیمہ کی کھدائی کی قیادت کی تھی۔

بہترین مہمان نواز

لیڈی ہیسٹر سٹین ہوپ، چارلس سٹین ہوپ، تیسرے ارل آف سٹین ہوپ کی بڑی صاحب زادی تھی۔ وزیراعظم برطانیہ ولیم پٹ ینگر اس کے چچا تھے۔ 1802ء میں ان کے گھریلو امور کی سربراہ مقرر ہوئی کیونکہ یہ وزیراعظم برطانیہ غیر شادی شدہ تھے۔ وہ دیگر گھریلو امور سنبھانے کے ساتھ ساتھ مہمانوں کی آؤ بھگت کا بھی خیال رکھتی تھی اور مہمانوں سے گفتگو کرنے میں اس نے بڑی شہرت پائی۔

ترک مردوں کا لباس چغہ، دستار پہننا اپنے لیے پسند کیا

اپنے چچا ولیم پٹ کی وفات کے بعد لیڈی ہیسٹر سٹین ہوپ نے 1810ء میں ایک طویل سمندری سفر پر نکلی۔ وہ اور اس کے ساتھی اس سفر میں پہلے ایتھنز پہنچے اور پھر وہاں سے استنبول پہنچنے کے بعد قاہرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ان دنوں مصر پر نپولین بوناپارٹ کے حملے کے اثرات ابھی باقی تھے۔ قاہرہ جاتے ہوئے ان کے بحری جہاز کو ایک سمندری طوفان نے گھیر لیا اور وہ بحرہ روم میں میں جزیرہ روڈس Rhodes کے قریب ڈوب گیا۔ اس حادثے میں لیڈی ہیسٹر سٹین ہوپ اور اس کے ساتھیوں کا بہت سا سامان جہاز کے ساتھ ڈوب گیا جس کی وجہ سے لیڈی

اور اس کے ساتھیوں کو ترکوں کے ملبوسات پہننے پر مجبور ہونا پڑا۔ تاہم لیڈی ہوپ نے ترکی کی خواتین کا باپردہ لباس اور نقاب پہننے کی بجائے ترک مردوں کا لباس چغہ، دستار پسند کیا۔ پھر جب جزیرہ روڈس سے ایک دوسرا برطانوی جہاز ان کو قاہرہ لے گیا تو لیڈی نے ایک نیا ارغوانی مخملین لباس خرید لیا اور اسی لباس میں وہ خدرو مصر محمد علی پاشا سے ملیں۔

ملکہ ہیسٹر کے نام سے مشہوری

قاہرہ سے وہ مشرق وسطیٰ کے دیگر علاقوں کی سیاحت پر نکلیں۔ دو سال کے عرصے میں اس نے جبرالٹر، مالٹا، روڈس، پیلو پونیز، ایتھنز، قسطنطنیہ، مصر، فلسطین، لبنان اور شام کی سیاحت کی۔ عرب ممالک کی سیاحت کے دوران اس نے دمشق جیسے قدیم عرب شہر میں نقاب پہننے سے انکار کر دیا۔ یروشلم میں اس کے اعزاز میں Church of the Holy Sepulche دوسرے زائرین سے فارغ کرا کے دوبارہ کھول دیا گیا۔ ایک نجومی کی پیش گوئی پر کہ اس کے مقدر میں ایک نئے مسیح کی دلہن بننا لکھا ہے لیڈی ہیسٹر نے عرب میں وہابیوں کے سربراہ ابن سعود سے جو موجودہ سعودی خاندان کے اولین سربراہ بھی تھے، شادی کی رسمی بات چیت کی۔ اپنی سیاحت مشرق وسطیٰ کے دوران لیڈی نے پالمیرا Palmyra کے قدیم شہر کی سیاحت پر اس راستے سے جانے کا فیصلہ کیا جس میں ایک صحرا پڑتا تھا اور جہاں بدوی لٹیرے قبائل رہتے تھے۔ اس سفر کے دوران لیڈی نے بدوی لباس زیب تن کیا اور صحرا کے اس سفر میں اپنے کارواں کو جو 22 اونٹوں پر مشتمل تھا، ساتھ لے کر کامیابی سے یہ سفر مکمل کیا۔ اس سفر کے بعد وہ ملکہ ہیسٹر Queen Hester کے نام سے مشہور ہوگئی۔

خزانے کی تلاش

لیڈی ہیسٹر کے ایک سوانح نگار نے لکھا ہے کہ لیڈی کو شام کی سیاحت کے دوران شام کی ایک قدیم مسیحی خانقاہ سے ایک قدیم اطالوی مسودہ یا دستاویز ملی تھی جس کے مطابق اشکلان کی ایک ویران مسجد کے کھنڈرات کے نیچے ایک بڑا خزانہ دفن تھا۔ اس اطالوی مسودے میں دیے گئے ایک نقشے کی مدد سے لیڈی غزہ کے شمال مین بحرہ روم کے ساحل کے قریب واقع مقام اشکلان Ashkelon پہنچی اور اس نے ترک حکام سے اس مقام پر آثاریاتی کھدائی کرنے کی اجازت طلب کی۔ ترک حکام نے گورنر جافہ ابونبوت کو لیڈی کے ساتھ بھیجا۔ یہ فلسطین کی سرزمین پر پہلی آثاریاتی کھدائی تھی جو لیڈی ہیسٹر سٹین ہوپ کی سربراہی میں کی گئی۔

ترک سلطان کی خوشنودی کے لیے مجسمہ کی بت شکنی

لیڈی ہیسٹر سٹین ہوپ کو اس کھدائی سے اگرچہ تیس لاکھ سونے کے سکوں کا وہ اطالوی مسودے میں بتایا گیا خزانہ تو نہ مل سکا البتہ اس کھدائی سے سنگ مرمر کا ایک بے سر مجسمہ دریافت ہوا۔ لیڈی ہیسٹر سٹین ہوپ نے ترک سلطان

کواپنی بت شکنی سے خوش کرنے کے لیے اس مجسمے کوٹکڑے ٹکڑے کرواکر سمندر میں پھنکوادیا۔ یہ مجسمہ فلسطین میں دریافت ہونے والے یونانی اور رومی آثار کا اولین نمونہ تھا۔ لیڈی ہیسٹر کی اس سفری مہم میں شریک اس کے طبیب اور سوانح نگار ڈاکٹر میریون نے اس مجسمے کو اسکندر اعظم کے کسی جانشین یا ہیرود اعظم فلطسین کا مجسمہ قرار دیا اور اس مجسمے کی دریافت پر وہ بڑا خوش ہوا مگر لیڈی اس کی اس خوشی میں شریک نہ ہوئی کیونکہ لیڈی کو خطرہ تھا کہ فلسطینی حکام اس پر آثار یاتی اشیا کو چرانے اور تلاش کرنے کا الزام نہ لگادیں۔

لیڈی ہیسٹر سٹین ہوپ نے بعد ازاں لبنان کے شہر سیڈان میں رہنے کا فیصلہ کیا جو آج کل بیروت اور قدیم شہر صور Tyre کے درمیان واقع تھا۔ اپنے طبیب میریون کے انگلستان واپس لوٹ جانے کے بعد لیڈی ہیسٹر سٹین ہوپ نے ایک قدیم خانقاہ میں رہائش اختیار کرلی اور وہ اپنی وفات تک اسی خانقاہ میں مقیم رہی۔ 1846ء میں لیڈی ہیسٹر سٹین ہوپ کی وفات کے بعد اس کے طبیب اور سوانح نگار ڈاکٹر میریون نے لیڈی کا سفرنامہ تین جلدوں میں Memories of Lady Hester کے نام سے مرتب کیا۔

(48)

1815ء جان لوئیس برکہارڈٹ

JOHN LUDWIG BURKARDT

یورپ کا وہ مشہور ومعروف سیاح عرب جو شیخ ابراہیم عبداللہ البرکات کے نام سے معروف ہوا

عرب کے یورپی سیاحوں کا بادشاہ

مسلمانوں کی ارض مقدس، حجاز میں یورپ کے سیاحوں نے سب سے پہلے سترہویں صدی میں بطور سیاح قدم رکھا تھا۔ سترھویں صدی سے انیسویں صدی تک کم وبیش بائیس سیاحوں نے اس مقدس سرزمین کی سیاحت کی اور یہاں کے چشم دید حالات سے اہل یورپ کو آگاہ کیا۔ ان یورپی سیاحوں میں سوئس سیاح جان لوئیس برکہارڈٹ سب سے ممتاز شخصیت ہے۔ اس کو اہل یورپ ''عرب کے یورپی سیاحوں کا بادشاہ'' کہتے ہیں۔ ایک مشہور مستشرق ڈاکٹر زویمر نے اپنی معروف تصنیف ''Arabia Cradle of Islam'' میں عرب کے یورپی سیاحوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ برکہارڈٹ کا ''سفرنامہ حجاز'' سب سے زیادہ معتبر و مستند اور عالمانہ ہے۔

سیاحت کے لیے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا

خدیو مصر عباس حلمی پاشا ثانی نے بھی اپنے سفرنامہ حجاز میں لکھا ہے کہ برک ہارڈٹ وہ قابل ذکر یورپی شخصیت ہے جس نے سب سے پہلے عرب ممالک کی سیاحت کی اور اس مقصد کے لیے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا۔ عرب دنیا میں وہ سب سے پہلے مصر آیا اور اس نے مسلمان ہونے کے دعویٰ کے ساتھ اپنا نام جان لوئیس سے شیخ ابراہیم بن عبداللہ البرکات اختیار کیا۔ عربی زبان سیکھی اور پھر صحرائے عرب کا سفر کیا۔ اس سفر کے متعلق ایک کتاب لکھی جو تمام یورپی سفرناموں برائے عرب میں بہترین ہے اور اس میں عرب تمدن و معاشرے کے بارے میں جو لکھا ہے وہ بہت زیادہ بہتر اور مفید و کارآمد ہے۔

جان لوئیس برکہارڈٹ ایک سیاح، ایک جغرافیہ دان اور مستشرق تھا اس نے عرب دنیا کے سفر کے دوران خطوط فرانسیسی زبان میں تحریر کیے اور اپنے دستخطوں میں لڈوِگ Ludwig کی بجائے Louis لکھا ہے۔ جان لوئیس برک ہارڈٹ 1784ء میں سوئٹزرلینڈ میں پیدا ہوا۔ وہ اپنے سفرنامہ حجاز کے علاوہ اردن کے قدیم ساحلی شہر پیٹرا Petra کے کھنڈرات کی دریافت کی وجہ سے بھی مشہور ہے۔ جرمنی کے شہر یسپ زیگ کی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد برک ہارڈٹ نے انگلستان کا سفر کیا اور 1806ء میں یہاں سول سروس حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ مگر کیمبرج یونیورسٹی سے طبابت اور جراحی اور عربی زبان میں ڈگریاں حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔

اسی زمانے میں براعظم افریقہ کی تحقیقات کے لیے لندن میں ایک سوسائٹی افریکن ایسوسی ایشن وجود میں آئی تھی۔ برک ہارڈٹ نے تعلیم سے فراغت حاصل کر کے اس سوسائٹی میں ملازمت کرلی۔ اس سوسائٹی کے میمبرز نے سوڈان کے حالات اور دریائے نائیجر کے منبع کی تحقیقات کے لیے اس کو مامور کیا۔ وہ اس مہم پر 1809ء میں انگلستان سے روانہ ہوا۔ سوسائٹی کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اس نے عربی زبان کی تکمیل کی اور اسلامی عوم کی تحصیل کے لیے شام آ کر دو سال قیام کیا اور اور اس عرصہ کے دوران یہاں کے تمام مشہور مقامات مثلاً حلب، دمشق، پالمیرا، بیت المقدس اور لبنان وغیرہ کی سیاحت کی۔ 1813ء میں وہ شام سے مصر کے لیے روانہ ہوا اور قاہرہ پہنچ کر کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد دریائے نیل کے راستے نوبہ چلا گیا۔ یہاں سے صحرائے نوبہ کو عبور کر کے سواکن آیا اور بحری جہاز میں سوار ہو کر 18 جولائی 1814ء کو بندرگاہ عرب جدہ پہنچا۔ جدہ سے اس نے طائف کا سفر کیا اور طائف سے وہ مکہ پہنچا۔ مکہ مکرمہ میں مناسک حج ادا کر کے یہاں تقریباً دو ماہ قیام پذیر رہا اور پھر 1815ء میں مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوا۔ مدینہ پہنچ کر بیمار پڑ گیا جس کے باعث اسے کئی ماہ تک المدینہ المنورہ میں قیام کرنا پڑا پھر جب صحت ہوئی تو وہاں سے ینبوع آیا اور ینبوع سے جہاز میں سوار ہو کر جزیرہ نمائے سینا چلا گیا اور وہاں سے سویز کے راستے 1815ء کے وسط میں قاہرہ پہنچا۔ قاہرہ میں برک ہارڈٹ کا قیام دو سال رہا۔ 1817ء میں اس نے سوڈان جا کر دریائے نائیجر کے منبع تک سفر کرنے کا ارادہ کیا مگر اس مہم پر روانگی سے پہلے ہی وہ وفات پا گیا۔ 15 اکتوبر 1817ء کو اس نے قاہرہ میں اسلامی وضع قطع میں انتقال کیا۔ مسلمانوں نے اس کی لاش کو قرافہ کے باب الفتوح میں شیخ یونس کے مقبرے کے قریب دفن کیا اور اس کے لوح مزار پر اس کا اسلامی نام کندہ کرایا:

''ابرہیم بن عبداللہ بورک ہارڈ''

بعدازاں مصر کے عوام نے اسے ایک مسلمان درویش سمجھتے ہوئے اس کی قبر پر ایک قبہ تعمیر کرایا اور اس کا نام ''ابراہیم برکات یا شیخ ابوالبرکات'' رکھ دیا

برک ہارڈٹ نے اپنے عرب دنیا کے سلسلہ سیاحت کو تین سلسلوں میں قلم بند کیا ہے۔ پہلا سلسلہ شام اور فلسطین کی سیاحت کے متعلق ہے اور ایک جلد میں 1821ء میں شائع ہوا تھا۔ دوسرا سلسلہ بلاد نوبہ اور مشرقی افریقہ کی سیاحت کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس کا یہ سفرنامہ Tavels in Nuba کے نام سے ایک جلد میں 1819ء میں شائع ہوا تھا۔

تیسرا سلسلہ حجاز اور مکہ المکرمہ اور مدینہ منورہ کی سیاحت اور اس کے فریضہ حج کی ادائیگی کے بارے میں ہے جو Travels in Arabia کے نام سے 1829ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے دو ضخیم جلدوں میں بدویوں اور وہابیوں کے حالات Notes on Bedouins & Whabys کے نام سے لکھے تھے جو 1831ء میں طبع ہوئے تھے۔ ایک تصنیف عربی کے ضرب الامثال کے بارے میں لکھی تھی جو 1831ء میں شائع ہوئی تھی۔

برک ہارڈٹ کے سفرناموں میں مکہ اور مدینہ منورہ یا سفرنامہ حجاز سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس میں ان شہروں کے حالات کے علاوہ عربوں کی طرز معاشرت، رسم ورواج کے گذشتہ حالات اور ایام حج کے کوائف درج ہیں۔

(49)
1853ء سر رچرڈ فرانسس برٹن

وہ عظیم مستشرق جس نے صرب دنیا کی سیاحت اور مناسک حج ادا کر کے شہرت پائی

ایک انگریز مستشرق، جغرافیہ نگار، مترجم اور سیاح۔ وہ اپنے امریکہ، ایشا اور افریقہ اور عرب دنیا کے سیاحتی دوروں اور اکتشافی سفروں کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ اس نے آکسفورڈ یونیورسٹی کے ٹرنٹی کالج سے تعلیم پائی اور کچھ عرصہ ہندوستان میں برطانوی فوج میں ملازم رہا۔ اس کے بعد اس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ ایشیا اور افریقہ کے اسلامی ملکوں کی سیاحت میں بسر کیا اور ان ممالک کے متعلق بہت سی مفید اور دلچسپ معلومات اپنے سفرناموں میں قلم بند کیں۔

عربی بھیس میں ناسک حج کی ادائیگی

اس نے ایک عرب کے لباس میں اسلامی نام اختیار کر کے 1853ء میں حجاز کا سفر کیا اور مناسک حج بھی ادا کیے۔ واپسی پر اپنے مشاہدات ایک سفرنامے کی صورت میں تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ سر رچرڈ برٹن کا ایک اور علمی کارنامہ "الف لیلیٰ" کا لفظ بلفظ ترجمہ ہے جو اس نے 16 جلدوں میں مکمل کیا تھا۔

مختلف زبانوں میں مہارت

سر رچرڈ فرانسس برٹن 19 مارچ 1821ء کو انگلستان میں پیدا ہوا۔ اسے مسیحی رسومات کے مطابق 2 ستمبر 1821ء کو بپتسمہ دیا گیا۔ اس کا والد ایک اینگلو آئرش فوجی افسر تھا۔ اس کے خاندان نے 1825ء میں فرانس کے شہر ٹورز Tours میں رہائش اختیار کر لی تھی اور یوں کچھ عرصہ اس کا خاندان فرانس اور انگلستان کے درمیان سفر کرتا رہا۔ برٹن نے 1840ء میں ٹرنٹی کالج سے میٹرک کیا اور 1842ء میں اس نے برطانوی فوج میں ملازمت اختیار کر لی اور ہندوستان آ گیا۔ اسے بمبئی انفنٹری میں سر چارلس نیپیر کی سربراہی میں گجرات میں کام کرنا پڑا۔ ہندوستان میں قیام

کے دوران اس نے مختلف ہندوستانی زبانیں سیکھیں جن میں سندھی، پنجابی، گجراتی اور سرائیکی شامل تھیں اس کے علاوہ اس نے عربی اور فارسی زبانوں پر بھی دسترس حاصل کی۔

اپنی سیرانی طبیعت کی وجہ سے رچرڈ برٹن نے رائل جغرافیکل سوسائٹی سے اور برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹر سے 1852ء میں سرزمین عرب کی سیاحت کی اجازت لی اور وہ حج کے سفر پر روانہ ہو گیا 1853ء میں کیا گیا حج کا یہ سفر رچرڈ برٹن کے لیے باعث شہرت بنا۔ اس نے پہلے سندھی مسلمانوں کے بھیس میں حج کا سفر کرنے کا منصوبہ بنایا تھا کیونکہ وہ کچھ عرصہ ہندوستان میں قیام کے دوران سندھ میں بھی رہا تھا مگر اس سفر کے دوران اسے کافی بھیس بدلنے پڑے۔

رچرڈ برٹن کا سفر مکہ ایک خطرناک سفر تھا اور سرزمین عرب میں اس کے کاروان پر لٹیروں کے حملے بھی ہوئے جو اس زمانے میں قافلہ حجاج پر ایک عام حیثیت رکھتے تھے۔ اس کے عالاوہ اگر اس کے عیسائی ہونے کا پتہ چل جاتا اور اس کی قلعی کھل تو حرم کی سرزمین میں داخل ہونے والے غیر مسلموں کی طرح اسے بھی سزائے موت دی جاتی تھی مگر خوش قسمتی سے رچرڈ برٹن کا یہ راز افشانہ ہوا اور حج کے بعد وہ ''حاجی'' کہلایا۔ اپنے سفر حج کی روئیداد اس نے اپنے سفر نامے

A personal Nrrative of a Pilgrimage to Al-Madina & Mecca

میں قلم بند کی ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کا اردو ترجمہ سفر نامہ دار المصطفی کے نام سے چھپا تھا۔

آدم خور قبائل کا سامنا

1855ء میں رچرڈ برٹن اور اس کا ایک ساتھی کیپٹن جے۔ اے۔ سپیک جو اسی کی طرح ہندوستان میں برطانوی فوج میں خدمات انجام دے چکا تھا دونوں دریائے نیل کے منبع کی تلاش میں نکلے۔ جون 1875ء میں وہ مشرقی افریقہ کے ملک زنجبار پہنچے۔ یہی ان کی اس مہم کا نقطہ آغاز تھا۔ زنجبار سے وہ کئی ماہ کے پیدل سفر کے بعد قاضی نامی ایک قصبے میں پہنچے۔ یہ قصبہ زنجبار میں عربوں کا ایک اہم مرکز تھا۔

قاضی میں شام کے دوران جب وہاں کے عرب باشندوں کو ان کی اس مہم کے بارے میں پتہ چلا تو انھوں نے ان دونوں مہم جوؤں کو بتایا کہ وہ دریائے نیل کے منبع یعنی جس جھیل کی تلاش میں نکلے ہیں وہ ایک نہیں بلکہ تین جھیلیں ہیں۔ عربوں نے مزید بتایا کہ ایک دریا جو اس جھیل سے نکلتا ہے اس کا نام دریائے روزیزی Rrzuzi ہے۔ وہی دریائے نیل کا اصلی سرچشمہ ہے۔ اس منبع نیل تک سفر کرتے ہوئے ان دونوں کو بڑے خطرات کا سامنا کرنا پڑا جن میں سے ایک آدم خور قبائل کا سامنا بھی تھا۔ قاضی سے روانہ ہو کر 25 دن کے مسلسل سفر کے بعد وہ ایک جھیل تک پہنچے اور اس

کا نام انھوں نے جھیل Nyanza رکھا۔ بعدازاں اس کا نام جھیل وکٹوریہ پڑ گیا۔ دراصل یہ سر رچرڈ برٹن کے ساتھی کیپٹن سپیک نے دریافت کی تھی۔

تحقیقی مناظرے کا اہتمام

فروری 1863ء میں یہ دونوں انگلستان واپس آ گئے۔ اسی سال سپیک کی کتاب ''سرچشمہ دریائے نیل کی تلاش میں'' شائع ہوئی۔ اس طرح دریائے نیل کے منبع کی تلاش کا معمہ حل ہو گیا مگر رچرڈ برٹن نے سپیک کے اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا۔ آخر برٹش ایسوسی ایشن نے ان دونوں سیاحوں کے درمیان ایک تحقیقی مناظرہ کرانے کا اہتمام کیا مگر اس سے صرف ایک دن پہلے سپیک تیتروں کا شکار کھیلتے ہوئے خود اپنی ہی بندوق سے مارا گیا یا شاید اس نے خودکشی کر لی۔ کہتے ہیں۔ سر رچرڈ برٹن برٹن نے اس پر طنز کی تھی کہ جب وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو پھر ایک جھوٹے شخص سے مناظرہ کیوں کر رہا ہے۔ یوں ایک جھوٹا مناظرہ کرنے کی بجائے سپیک نے خودکشی کر لی۔

''سر'' کا خطاب

سر رچرڈ برٹن عربی زبان کا ماہر تھا اور اس نے مشہور عربی کتاب الف لیلیٰ کا بڑا سلیس ترجمہ کیا تھا۔ اس کے اس ترجمے کو آج بھی نقاد بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ سر رچرڈ برٹن کو اس کی اس علمی خدمت پر برطانوی حکومت نے ''سر'' کا خطاب دیا تھا۔

(50)

1875ء چارلس مونٹیگ ڈفٹی

CHARLES MONTAGUE DOUGHTY

صحرائے عرب کا وہ سیاح جس نے قید و بند کی صعوبتوں کے باوجود عرب صحرائوں کی سیاحت کی

سب سے بڑا مہم جو اور سیاح

چارلس مونٹیگ ڈفٹی کو سرزمین عرب کی سیاحت کرنے والا سب سے بڑا سیاح اور مہم جو قرار دیا جاتا ہے۔ اسے غیر مسلم اور اجنبی ہونے کی وجہ سے بعض اوقات عربوں کی عداوت اور دشمنی کا بھی سامنا کرنا پڑا لیکن اس کے باوجود وہ عربوں کا ہمدرد ہی رہا۔ اس نے دو سال تک جزیرہ نما عرب میں قیام کر کے سرزمین عرب کی طبعی خصوصیات اور یہاں کے باشندوں کے رہن سہن و رسم و رواج کا تفصیلی مشاہدہ کیا اور کسی بھی دوسرے یورپی سیاح سے کہیں بہتر عرب دنیا کی تصویر اہل یورپ کے سامنے اپنے سیاحت نامے میں پیش کی۔ انگلستان واپسی پر اس نے اپنا یہ سیاحت نامہ "عرب صحراؤں کی سیاحت" Travels in Arab Desert کے نام سے شائع کیا۔ یہ سیاحت نامہ انگریزی میں لکھے گئے سفرناموں میں ایک عظیم رزمیہ سفرنامے کی حیثیت رکھتا ہے۔

چارلس مونٹیگ ڈفٹی انگلستان میں سفوک Suffolk کے مقام پر 1843ء میں پیدا ہوا اور ایک پادری کا بیٹا تھا۔ اس نے کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم پائی اور گریجوایشن کے بعد حاصل مطالعہ کے طور پر اس نے یورپ اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں کے سفر اختیار کیے۔ 1875ء کے موسم گرما کے آغاز میں وہ ارض فلسطین میں تھا اور جزیرہ نما عرب کی سیاحت کے لیے بے چین تھا۔ سرزمین عرب ابھی تک یورپی غیر مسلم سیاحوں کے لیے ایک ممنوعہ علاقہ اور خطرناک خطے کی حیثیت رکھتی تھی اور اس کی سیاحت میں جان کا خطرہ تھا۔ ڈفٹی نے فلسطین میں قیام کے دوران جزیرہ نما عرب کے ایک مقام مدائن صالح کے بارے میں سنا تھا جو یہاں کے قدیم تہذیبی اور یادگاری مقامات میں سے ایک تھا اور ریاست حجاز کی سرحد پر واقع تھا۔

چارلس مونٹیگ ڈفٹی اس مقام کی سیاحت کرنے کا ارادہ کر کے پہلے دمشق پہنچا اور پھر وہاں سے مکہ جانے والی ایک کاروانِ حج میں شامل ہو کر نومبر 1876ء میں سرزمین عرب میں داخل ہو گیا۔ وہ دمشق سے روانہ ہو کر سب سے پہلے مدائن صالح پہنچا جو شام کی سرحد کے قریب ہی واقع تھا۔ مدائن صالح کی یادگاروں کا ذکر ڈفٹی کی جزیرہ نما عرب میں آمد سے تقریباً 500 سال پہلے 1320ء کی دہائی میں مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں کیا تھا۔ مدائن صالح کے ان کھنڈرات کو اس زمانے میں ''الحجر'' کہا جاتا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ ان مکانات کی دہلیزیں سنگ سرخ کو کاٹ کر اور ان پر کندہ کاری کر کے بنائی گئی تھیں۔ ابن بطوطہ نے ان کھنڈرات کو قوم ثمود کے مکانات بتایا تھا جن پر مسلم روایات کے مطابق ایک عظیم زلزلے کی صورت میں عذاب الٰہی نازل ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ قوم اگلی صبح اپنے گھروں میں مردہ پائی گئی تھی۔ ڈفٹی نے قوم ثمود کے مقابر کی سیاحت الاولی نخلستان تک کی اور مدائن صالح میں چار ماہ تک قیام کیا۔ پھر اس کے بعد وہ کاروانِ حج سے علیحدہ ہو کر صحرائے عرب کے سفر پر نکل گیا۔

سرزمین عرب کے ان صحراؤں کے سفر کے دوران عربوں نے اسے ''الخلیل'' کے نام سے یاد کیا جو اس کے لیے ایک اعزازی خطاب تھا۔ عرب بدوؤں کے ساتھ ڈفٹی نے صحرائے النفوذ کے جنوبی حصوں کی صحرانوردی کی اور صحرائی زندگی کا بڑا قریب سے مطالعہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ عرب سرزمین کے ان حصوں کا جغرافیائی سروے بھی کرتا رہا۔ اس نے تیامہ کی سیاحت کی جو کھجور کے درختوں کا ایک طویل جزیرہ تھا۔ اس کے بعد وہ نجد پہنچا جہاں مشہور ریاست حائل کے امیر ابن الرشید نے اس کا استقبال کیا مگر وہ اپنے سفرنامہ میں اس امیر کو ایک سفاک اور قاتل کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اس امیر نے جس عداوت کے تحت ڈفٹی کو اپنی ریاست سے بعد ازاں نکالا تھا اس سے ابن الرشید کے بارے میں یہی پتہ چلتا ہے۔ نجد سے نکالے جانے کے بعد اس غریب الدیار سیاح کی جان کو سخت خطرہ لاحق تھا مگر خوش قسمتی سے اس کا شتربان اور رفیق سفر ایک اچھا انسان تھا جس کی وجہ سے ڈفٹی جنوب میں واقع نخلستان خیبر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

خیبر تک پہنچنے کے لیے ڈفٹی کو ایک 6000 فٹ بلند آتش فشاں پہاڑی سلسلے کو عبور کرنا پڑا جو ڈفٹی کے مطابق سرزمین عرب کا سب سے بلند کوہستانی سلسلہ تھا۔ خیبر میں ایک اور پریشانی ڈفٹی کی منتظر تھی۔ یہ گاؤں ترکوں کے زیر انتظام تھا۔ یہاں پہنچنے پر اسے ایک روسی جاسوس کے طور پر ترک حاکم نے گرفتار کر لیا اور اس کی کتابیں اور سفری کاغذات وغیرہ اس الزام کے تحت ضبط کر لیے اور گورنر مدینہ کو بھجوا دیے تاکہ اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جا سکے۔ آخر جب گورنر مدینہ نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم حاکم خیبر کو بھجوایا تو اسے رہائی ملی اور پھر وہ اپنی سیاحت کو دوبارہ شروع کر سکا مگر بردہ کے مقام پر اسے صحرائی بدوی لٹیروں نے لوٹ لیا اور بردہ سے عنیزہ پہنچنے پر اس کا عرب گائیڈ اسے

چھوڑ کر فرار ہوگیا۔ عنیزہ کا حاکم کا رویہ اگرچہ دوستانہ تھا مگر عنیزہ سے بھی اسے نکال دیا گیا۔ اب اس نے کاروان حج کے ساتھ مکہ کا سفر اختیار کیا تاکہ جدہ پہنچ کر بحری جہاز کے ذریعے یورپ واپسی کا سفر اختیار کرے مگر وہ مکہ کے باہر قیام کے دوران شریف مکہ کے تعصب کا شکار ہوگیا۔ امیر مکہ نے اسے حراست میں لے کر اس پر تشدد تک کیا اور اس کا قیمتی سامان اس سے چھین لیا یہاں تک کہ وہ خوراک ولباس خریدنے کے قابل تک نہ رہا۔ ان حالات میں امیر طائف نے اس کی مدد کی اور اسے خوراک ولباس فراہم کر کے جدہ تک پہنچادیا۔

ڈفٹی لکھتا ہے کہ جب ایک پہاڑی پر چڑھ کر مجھے اپنے سامنے بحیرہ قلزم کا پانی چمکتا ہوا نظر آیا تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اگست 1878ء میں وہ ایک بحری جہاز پر سوار ہو کر وطن واپس ہوا۔ صحرائے عرب کے سفر کے بعد جب ڈفٹی تھکا ماندہ انگلستان پہنچا تو اس نے اگلے گیارہ سال اپنے سیاحت نامے کو مرتب کرنے پر صرف کیے۔ اس کا یہ سیاحت نامہ 1888ء میں شائع ہوا۔ اس کا یہ سفرنامہ ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ڈفٹی نے بعمر 82 سال وفات پائی۔

(51)

1837ء یوسف خان کمبل پوش

یوسف خان کمبل پوش (1803-1861ء) انشا پرداز، شاعر اور سفر نامہ نگار

اس کا تعلق حیدر آباد دکن سے تھا، لیکن اس نے 1828ء میں لکھنؤ میں مستقل طور پر رہائش اختیار کر لی تھی۔ اس نے براعظم یورپ اور انگلستان کے عجائبات کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ لہٰذا وہ اس سرزمین اور اس کے عجائبات کو دیکھنے کے لیے بڑا بے چین رہتا تھا۔ اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے انگریزی زبان پر دسترس حاصل کی۔ سلطنت اودھ میں وہ شاہ نصیر الدین حیدر کی فوج میں جمعدار اور پھر صوبیدار بھی رہا۔ پھر دو سال لیے رخصت لے کر وہ 1837ء میں کلکتہ سے سفر انگلستان پر روانہ ہوا اور اس نے انگلستان، فرانس، سپین پرتگال، جرمنی، ترکی اور عرب کی سیاحت کی۔ ان ممالک کی سیاحت پر بعدازاں اس نے اپنے ایک انگریز دوست کی فرمائش پر اپنا سفر نامہ لکھا۔ مؤرخین اور نقادوں نے لکھا ہے کہ یہ یورپ پر اردو زبان میں لکھا گیا پہلا رپورتاژ ہے۔ یوسف خان کمبل پوش نے اپنے اس سفر نامہ کا عنوان ''عجائبات فرنگ'' رکھا تھا۔ یہ سفر نامہ پہلی بار پنڈت دھرم نارائن کے زیر اہتمام دہلی کالج کے پریس مطبع العلوم سے 1847ء میں شائع ہوا تھا۔ اسے ''تاریخ یوسفی'' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ یوسف خان کمبل پوش نے 1861ء میں لکھنؤ میں وفات پائی۔

مشہور محقق گارساں دتاسی نے یوسف خان کا نام دلمیرک Delmeric اور والد کا نام رحمت خان غوری اور اسے مذہباً رومن کیتھولک مسیحی بتایا ہے جو غلط ہے۔ یوسف خان نسلاً پٹھان اور اسلام کا پیروکار تھا۔ خود سلیمانی مذہب کا قائل بتاتا تھا۔ یوسف خان کمبل پوش اپنے سفر نامہ میں اپنے شوق سیاحت کے بارے میں کچھ یوں رقم طراز ہے:

''سن اٹھارہ سو چھتیس میں میرا دل طلبگار سیاحی جہاں خصوصاً ملک انگلستان کا ہوا۔ شاہ سلیمان جاہ سے اظہار کر کے رخصت دو برس مانگی۔ شاہ گردوں بارگاہ نے بصد عنایت و انعام اجازت

دی۔ عاجز تسلیمات بجالایا اور راہی منزل مقصود ہوا۔ تھوڑے دنوں بعد دارالامارۃ کلکتہ پہنچا۔ پانچ چھ مہینے وہاں کی سیر کرتا رہا۔ بعدازاں جمعرات کو دن تیسویں تاریخ مارچ کے مہینے سن اٹھارہ سوسینتیس میں جہاز پر سوار ہو کر بیت السلطنت انگلستان کو چلا۔ نام جہاز ''ازابیلہ'' کپتان اس کا ڈبیڈ بران صاحب مع اپنی بی بی کے تھا۔ جہاز وزن میں چھ سوٹن کنارے گنگا پر آلگا تھا۔ یہاں سے دریائے شور (سمندر) پہنچنے تک اس کی اعانت کو دھویں کا جہاز مقرر رہا۔ تھوڑے دنوں میں اپنے زور سے ہمارے جہاز ازابیلہ کو لے چلا۔''

ان الفاظ میں یوسف خان کمبل پوش نے اپنے اس سفرنامہ کا آغاز کیا ہے۔

اس سے پہلے وہ لکھتا ہے کہ:

''بعد حمد ونعت کے کہتا ہے امیدوار رحمت پروردگار خطا پوش عذر ہوش یوسف خان کمبل پوش کہ اس عاجز اکثر اوقات اپنی سیر ملکوں میں بسر کی اور کیفیت عجائبات زمانیہ کی اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اکثر دوستوں پر روئداد سفر بیان کیا اور ناچار خاطران کے فقیر نے جو کچھ سفر میں دیکھا بھالا تھا اس رسالہ میں مفصل لکھا۔''

اپنے حیدر آباد دکن سے تعلق اور وہاں سے لکھنؤ کی طرف ہجرت کرنے کے بارے میں وہ رقم طراز ہے:

''یہ فقیر بیچ سن اٹھارہ سو اٹھائیس عیسوی مطابق سن بارہ سو چوالیس ہجری کے حیدر آباد وطن خاص اپنے کو چھوڑ کر عظیم آباد ڈھاکہ مچھلی بندر، صدر راج گورکھپور، نیپال، اکبر آباد، شاہجہاں آباد وغیرہ دیکھتا ہوا بیت السلطنت لکھنؤ میں پہنچا۔''

انگلستان پہنچنے کے بارے میں رقم طراز ہے:

''اکیسویں تاریخ اگست 1837ء میں قریب ولایت انگلستان کے پہنچے۔ ولایت لندن وہاں سے ڈیڑھ سو کوس باقی ہا۔ بندہ شکر خدا کا بجالایا اور کپتان صاحب سے رخصت ہو کر جہاز ازبیلہ سے اترے۔ بوچڑ صاحب کے ساتھ اس ناؤ پر سوار ہو کر چلے۔ آب وہوا وہاں کی دل کو بھائی، روح کو اس سے تازگی آئی۔ شام کے وقت ایک گاؤں میں پہنچ کر سیر کی۔''

لندن پہنچنے پر لکھتا ہے کہ:

''خدایا خانہ شاہ لندن میں آیا یا راہ بھول کر پرستان میں آنکلا۔ جب وہاں جا کر پہنچا دیکھا کہ انگریز جابجا بیٹھے اپنے اپنے کام میں مشغول تھے۔''

لندن کے بارے میں مزید لکھتا ہے:

''لندن عجب شہر گلستان ہے۔ دانائی کی وہاں کان ہے۔ یہ تماشے دیکھ کر سرائے بل موت میں پھر آیا۔ راجڑ صاحب کو ساتھ لے کر مکان کرائے کا تلاش کیا۔ بہت جستجو سے محلہ سمور پیس میں نمبر تیسرا قریب سینکرک کلیسا کے ایک مکان سو روپے کرایہ پر ٹھہرایا۔ بعد اس کے دو کانوں اور بازار کی سیر کرنے گیا۔ ایک راستہ دیکھا۔ پشت ماہی سا بنا تھا اور دونوں طرف زمین کے برابر لوہا لگا۔ اس لیے کہ پہیا گاڑیوں وزدا کا اونچا نیچا نہ ہو جائے۔''

ریل گاڑی کے بارے میں لکھتا ہے:

''فی الفور وہ تیر کی طرح دھویں کے زور سے رواں ہوتی ہر ایک گاڑی رنجیر کے لگاؤ سے اس کے ساتھ چل نکلتی میں نے ایسا تماشا کبھی نہیں دیکھا۔ نہایت مشتاق تھا۔ گاڑی بان سے پوچھا کہاں جاؤ گے؟ اس نے کہا آٹھ کوس پر۔''

عجائبات فرنگ کے ہر صفحہ پر یوسف خان کمبل پوش نے انگلستان اور سرزمین یورپ کے عجائبات اس طرح بیان کیے ہیں کہ قاری ان کو پڑھے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہی اس قدیم سفرنامے کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

(52)

1832ء چارلس ڈارون

CHARLES DARWIN

نظریہ ارتقا کا خالق

چارلس ڈارون (1882-1809ء) انیسویں صدی کا ایک ماہر موجودات (Naturalist) تھا۔ جہاز بیگل پر ماہر موجودات کے عہدے پر فائز ہونے سے پہلے اس نے طب اور مذہب کا مطالعہ کیا۔ اس کے انکشافات، مشاہدات اور تحقیقات سے آج کا ''نظریہ ارتقا'' وجود میں آیا جو ''ڈارونیت'' بھی کہلاتا ہے۔ نظریہ ارتقا پر اس نے اپنی کتاب ''آغاز انواع'' (Origin of Species) میں بحث کی ہے۔ اس بحث میں اس نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ زمین پر موجود انواع زندگی ایک ہی اجداد سے تعلق رکھتی ہیں۔ موجودات میں دلچسپی کی وجہ سے ڈارون ایڈنبرا یونیورسٹی میں اپنی طب کی تعلیم کو چھوڑ کر بحری ریڑھ کی ہڈی دار حیوانات (Marine Invertibrates) کی تحقیق پر نکل کھڑا ہوا تھا۔ کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران اس کی دلچسپی سائنس موجودات میں مزید بڑھ گئی اور وہ جہاز بیگل پر ماہر موجودات کی حیثیت سے اپنے پانچ سالہ سفر پر نکلا۔ وہ اپنی کتاب تاریخ طبعی میں لکھتا ہے کہ:

> ''جب میں ایک طبیعی ماہر موجودات کی حیثیت سے ملک معظم کے جہاز بیگل (Beagle) پر تھا تو میں بعض حقائق سے بہت متاثر ہوا جو جنوبی امریکہ کے نامی اجسام کی تقسیم اور اس براعظم کے موجودہ گزشتہ نامی اجسام کے ارضیاتی روابط میں پائے گئے۔ یہ حقائق ایسے تھے جن سے زندگی کے اصل انواع پر کچھ روشنی پڑتی تھی جسے ہمارے سب سے بڑے فلاسفہ میں سے ایک نے سرالاسرار قرار دیا تھا۔ جب میں وطن واپس لوٹا تو 1837ء میں مجھے خیال آیا کہ اگر وہ تمام

حقائق صابرانہ سعی وکوشش سے اکٹھے کردیے جائیں تو ممکن ہے حل کی کوئی صورت پیدا ہوسکے۔"

پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد ڈارون نے اپنا نظریہ ارتقا اپنی کتاب "آغاز انواع" میں پیش کیا جس نے تاریخ فکر ونظر میں ایک انقلاب پیدا کردیا۔ جہاز بیگل پر کیے گئے اپنے تحقیقی سفر کو اپنے سفرنامے "بیگل پر بحری سفر" (The Voyage of the Beagle) میں بیان کیا ہے۔ یہ کتاب 1839ء میں شائع ہوئی تھی اور اس کا اضافہ شدہ ایڈیشن 1845ء میں شائع ہاتھا۔ اس کا پہلا نام Journal of Researches تھا جبکہ 1905ء میں شائع ہونے والے ایڈیشن میں اس "بیگل پر بحری سفر" کا نام دیا گیا۔

جہاز بیگل نے اپنا یہ تحقیقی سفر انگلستان کی مشہور بندرگاہ پلائی ماؤتھ ساؤنڈ سے 27 دسمبر 1831ء کو شروع کیا تھا۔ اس جہاز کا کپتان رابٹ فٹز رائے (Robert Fitz Roy) تھا اس تحقیقاتی مہم کی اصل منصوبہ بندی دو سال کے لیے کی گئی تھی مگر یہ تحقیقاتی مہم پانچ سال تک جاری رہی اور جہاز بیگل 2 اکتوبر 1936ء کو اس سفر سے واپس وطن لوٹا۔ اس سفر میں چارلس ڈارون نے تقریباً 1 ماہ سمندر کے سینے پر بسر کیے جبکہ تقریباً تین سال اور تین ماہ تک وہ خشکی پر اپنی تحقیقات جاری کیے رہا۔

چارلس ڈارون کی یہ تصنیف جہاں ایک سفری یادداشت کی حیثیت رکھتی ہے، وہیں علم حیاتیات اور علم موجودات کی سائنسی بیاض بھی ہے اور اس میں ڈارون نے اپنے سائنسی مشاہدات پیش کیے ہیں۔ یہ کتاب اس زمانے میں تصنیف ہوئی جب مغربی یورپ کے تلاش کار پوری دنیا کے بارے میں معلومات فراہم کرنے میں مصروف تھے۔

اس سفر کے دوران ہی چارلس ڈارون نے بعض حیوانات کے رکازد (Fossels) اور ان کی موجودہ انواع میں اپنے مشاہدات کے دوران ربط پایا تھا اور بہت سے اہم نوٹس تیار کیے تھے۔ انگلستان واپس لوٹنے پر اس نے انھیں نوٹس کو اپنے اس سفرنامے کی شکل دی تھی اور انھیں کی مدد سے اپنا مشہور زمانہ نظریہ "ارتقا" مرتب کیا تھا

اس کتاب کا جو دوسرا ایڈیشن 1845ء میں شائع ہوا اس میں بہت سے ترمیم و اضافے کیے گئے تھے۔ 1890ء میں جان مرلے نے اس کتاب کا ایک مصور ایڈیشن شائع کیا تھا جو ایک مصور ربرٹ ٹیلر کی تخلیق کی گئی اس سفر کی تصایر پر مشتمل تھا۔ یاد رہے کہ آرٹسٹ رابرٹ ٹیلر اس سفر میں ڈارون کا ہمراہی تھا۔

(53)

1875ء ہنری جیمز

HENRY JAMES

انگلستان اور امریکہ کی ایک مشترکہ ادبی شخصیت کا سفر نامہ

نوبل پرائز برائے ادب 1911ء کے لیے نامزدگی

ہنری جیمز ایک امریکی برطانوی مصنف اور ناول نگار تھا۔ وہ 15 اپریل 1843ء کو پیدا ہوا اور اس نے 28 فروری 1916ء کو وفات پائی۔ وہ اپنے ان ناولوں کی وجہ سے مشہور ہے جن میں امریکیوں کو سرزمین یورپ میں اہل یورپ سے ملتے جلتے دکھایا گیا ہے۔ ناولوں اور افسانوی ادب کے ساتھ وہ اپنے سفر نامہ نگاری کی وجہ سے مشہور ہے۔ وہ امریکہ کے شہر نیویارک میں پلا بڑھا اور بعد ازاں 1869ء میں اس نے برطانیہ میں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی۔ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں اسے نوبل پرائز برائے ادب 1911ء کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔

لندن میں قیام کے بعد وہ 1875ء میں پیرس میں منتقل ہو گیا تھا اور اس نے 1884ء میں دوبارہ پیرس اور فرانس کے دیگر شہروں کی سیاحت کی تھی اور اپنا سفر نامہ A Little tour in France مرتب کیا تھا۔ یہ سفر نامے پہلے قسط وار The Atlantic Monthly میں شائع ہوئے تھے۔

اس سفر نامہ میں ہنری جیمز نے فرانس میں چھ ہفتے کی اپنی سیاحت کی روئیداد بیان کی تھی۔ یہ سفر فرانس کے کئی صوبائی شہروں میں کیا گیا تھا جن میں ٹورز Tours، بورج Borges، نینٹیز Nantes اور طولوس Toulouse وغیرہ شامل تھے۔ اس سفر نامہ کی پہلی جلد 1884ء میں چھپی تھی جبکہ ایک اور ترمیم و اضافہ کے ساتھ ایڈیشن 1900ء میں شائع ہوا تھا۔

ہنری جیمز نے اپنے اس سفر کا آغاز فرانس کے شہر ٹورین Tourane سے کیا تھا جہاں سے وہ جنوب

مغرب میں واقع پرونس Provence کی سیاحت پر نکلا تھا اور پھر طغیانی پر اترے ہوئے دریائے رون Rhone کے ساتھ ساتھ وہ شمال میں برگنڈی تک چلا گیا تھا۔ اپنے شہروں کے سفر کی روئیداد میں ہنری جیمز ان کی تاریخی تعمیرات اور ان شہروں میں تخلیق پانے والے کلاسیکل فرانسیسی ادب کے شاہ کاروں کا تذکرہ کیا ہے اور ان شہروں کے قابل دید مقامات اور ان میں رہنے والے فرانسیسی لوگوں کے متعلق بھی معلومات درج کی ہیں اور ساتھ ساتھ ان شہروں کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی ہے اور ثقافت بھی بیان کی ہے اور یہ سب کچھ بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔

ہنری جیمز اپنے سفرنامے میں ولولہ انگیز تفصیلات فراہم کرنے سے کبھی اجتناب نہیں کرتا اور ان لوگوں کی بہت خوبصورت تصویر پیش کرتا ہے جو اسے دوران سفر ملے تھے جیسا کہ وہ باتونی نن Nun (راہبہ) جس نے اسے کلیسائے مارموٹیئر Marmoutier Abba کی سیاحت کرائی تھی یا پھر وفرانسیسی فوجی جو اوی گنان Avignon شہر میں پوپ کی سابقہ رہائش گاہ میں قیام پذیر تھا۔ اس سفر میں وہ خصوصی طور پر محلات، کلیساؤں اور دیگر تاریخی عمارات میں دلچسپی لیتا ہوا نظر آتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ وہ جدید دور کی اہم چیز کی بھی تفصیلات مہیا کرتا ہے اور بدہیئت سراؤں اور غیر آرام دہ ریلوے سفروں اور میوزیموں اور عشائیوں کی جزئیات قاری کو فراہم کرنے میں غفلت سے کام نہیں لیتا۔ ہنری جیمز عام طور پر وہی کچھ بیان کرتا نظر آتا ہے جو اس نے دیکھا تھا۔ اس نے ازابیل گارڈنز کو اپنے 12 نومبر 1882ء میں لکھے گئے خط میں لکھا تھا کہ اس سفر میں میں نے فرانس کو اتنے قریب سے دیکھا ہے کہ جو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اس طرح یہ کتاب انیسویں صدی کے فرانس کے متعلق ایک تاریخی دستاویز کے طور پر سامنے آئی ہے اور ہنری جیمز کا ایک بڑا ادبی کارنامہ ہے۔ فرانس کے اس سفرنامہ کے علاوہ ہنری جیمز نے کئی اور ملکوں کے سفرنامے بھی لکھے تھے جن میں The American Scene`s ، The Continent ، Italian Hour وغیرہ شامل ہیں۔

ہنری جیمز کا تخلیقی زمانہ پچاس سال پر محیط ہے۔ اس عرصے میں اس نے بیس ناول، سو سے زائد افسانے اور آدھی درجن سے زائد سفرنامے لکھے۔ وہ بیسویں صدی کا عظیم حقیقت پسند مصنف تھا۔

(54)

1867ء مارک ٹوین

CLEMENS, SAMUEL LANG HORNE

سیموئیل لینگ ہارن کلمینز کا قلمی نام مارک ٹوین تھا۔ اس مشہور امریکی مزاح نگار اور مصنف نے نوعمری کے دن ہینی بال نامی قصبے میں گذارے۔ اس کے 1857ء سے امریکی خانہ جنگی کے زمانے تک وہ دریائے مس سپی میں جہازرانی کرتا رہا۔ امریکی جہازرانوں کے اصطلاحی الفاظ ''مارک ٹوین'' سے ہی اس نے اپنا قلمی نام منتخب کیا۔ اس نے بطور مصنف اپنے مستقبل کا آغاز ورجینیا شہر سے نکلنے والے ایک اخبار ''انٹر پرائز'' میں لکھنے سے کیا تھا مگر اس کو شہرت کی بلندی 1865ء میں اس وقت ملی جب اس کی کہانی The Celebrated شائع ہوئی۔ اس کے بعد 1869ء میں اس کے سفرنامے Innocents Abroad کی اشاعت نے اس کی شہرت میں اضافہ کیا۔ 1870ء میں اس نے شادی کی اور ہارٹ فرڈ کینیٹی کٹ میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ اس نے اپنی تصنیف The Adventure of Huckle Berry Fin میں بڑے استادانہ انداز میں اپنے بچپن کی یادیں تازہ کی ہیں۔

مارک ٹوین کی زندگی کے آخری ایام بڑے دردوالم میں گزرے۔ کاروبار میں اس نے جو روپیہ لگایا ھاوہ سب ڈوب گیا۔ اس کے علاوہ اس کی بیوی اور دو بیٹیوں کا انتقال ہوگیا۔ اس نے روپیہ تو اپنی محنت اور قابلیت سے دوبارہ پیدا کرلیا لیکن بیوی اور بیٹیوں کی دائمی جدائی نے اسے قنوطیت پسند اور مردم بیزار بنا دیا تھا۔ چنانچہ اس کی آخری تصنیف میں قنوطیت پسندی کے اثرات نمایاں ہیں مثلاً The Man that Corrupted Hadleyburg اور Wht Is Man میں یہ رنگ بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ 1916ء میں شائع ہونے والے اس کے مجموعے The Mysterious Stranger میں بھی اس نے مایوسی کا انداز اپنایا تھا۔

The Innocent یا نیو پلگرم پروگرس (The New Pilgrims Progress) مارک ٹوین کا سفرنامہ ہے۔ یہ کتاب 1869ء میں شائع ہوئی تھی۔ اسے مزاحیہ طور پر مارک ٹوین نے اپنا انتہائی خوشگوار سفر قرار

دیا تھا۔ یہ سفر جہاز Quaker City پر امریکی سیاحوں کے ایک گروہ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اس سفر کی روئیداد پر مشتمل یہ کتاب مارک ٹوین کی بہترین کتابوں میں سے ایک ہے اور اس کی جلدیں بڑی تعداد میں فروخت ہوئی تھیں۔

اپنے اس سفر کو مارک ٹوین نے مقدس سرزمین کی مہم A Holy Land Expedition کا نام بھی دیا تھا۔ مقدس سرزمین کے اس سفر میں مارک ٹوین اور اس کے ساتھی مشرقی بحیرہ روم کے کئی ساحلی مقامات پر بھی ٹھہرے تھے اور انھوں نے ممالک، یورپ کی بھی سیاحت کی تھی۔ اس سفرنامے کے عنوانات میں ان کی اس سیاحت کا بھی ذکر ملتا ہے جیسے مارسیلز سے پیرس تک ٹرین میں سفر، 1867ء میں لگنے والی پیرس کی صنعتی نمائش جو شاہ فرانس نپولین سوم کے عہد میں لگی تھی۔ اس کے علاوہ پاپائے روم کی ریاستوں میں سفر، بحیرہ اسود سے اوڈیسا تک کا سفر وغیرہ وغیرہ۔

اپنے اس سفر میں مارک ٹوین نے یورپی ممالک کے ثقافتی پہلوؤں کا جائزہ بھی لیا ہے اور انیسویں صدی کے یورپی معاشرے کی ایک واضح تصویر پیش کی ہے۔ اس کے سفری مشاہدات اس کے ہم عصر دیگر سیاحوں کے مشاہدات سے تضاد رکھتے ہیں اور اس کی گہری فکر نظر کے امین ہیں۔ مارک ٹوین نے اپنا یہ سفرنامہ۔ پہلے اخباری کالموں کی شکل میں شائع کیا تھا۔ بعدازاں ان اخباری کالموں کو کتاب کی صورت میں منتقل کر دیا تھا۔ نقادوں نے لکھا ہے کہ ''دی انوسینٹ ابروڈ'' ایک ایسا سفرنامہ ہے جس میں یورپی ممالک اور ارض مقدس کی سیاحت بڑے پراثر انداز میں بیان کی گئی ہے اور اس کے بیان کا انداز مزاحیہ ہے۔

(55)

1869ء سرسید احمد خان

جس دھن میں سر سید نے یہ سفر کیا تھا اس کا ثبوت اس سفر نامہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ ملتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سفر نام لکھنے والا وطن اور قوم کی خیر خواہی اور ہمدردی میں شرابور ہے۔

سرسید احمد خان (1817ء۔1898ء) مشہور مصلح، علی گڑھ کالج کے بانی، دہلی کے معزز خاندان سادات کے معزز اور اہم رکن، ان کے والد سید محمد متقی خان ایک درویش مزاج انسان تھے۔ نانا خواجہ فرید جو دبیر الملک کہلاتے تھے مغل بادشاہ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان سفارت پر مامور تھے۔ مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے سرسید احمد خان کو بھی خطاب ''جوادالدولہ عارف جنگ'' دیا تھا۔ ان کی تعلیم و تربیت ننھیال میں ہوئی۔ انگریز کمپنی میں پہلے، سررشتہ دار پھر منصفی کا امتحان دے کر منصف مقرر ہوئے (1846-1854ء) بڑے بھائی کی وفات پر سخت صدمہ پہنچا جس کی بنا پر گوشہ نشینی اختیار کی جس کے دوران کتب بینی کرتے رہے اور دہلی کی عمارتوں کے متعلق معلومات جمع کر کے ''آثار الصنادید'' شائع کی (1847ء) انگریزی حکام نے سرسید کی اس کاوش کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ پروفیسر دتاسی نے اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ 1855ء میں ترقی پا کر سب جج کے عہدے پر بجنور میں فائز کیے گئے۔ اس دوران ''آئین اکبری'' تصحیح و تحشیہ کے بعد شائع کی مگر آخری جلد ہنگامہ 1857ء کی نذر ہوگئی۔ دوران ملازمت کی خدمات کے عوض وظیفہ خاص اور عہدہ صدر الصدور ملا۔ مراد آباد، غازی پور اور علی گڑھ میں سکونت پذیر رہے۔ علی گڑھ میں سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی جس میں علوم جدید پر تقریریں کرائیں اور تاریخ و سیاست کی بعض کتابیں ترجمہ کرائیں۔

سفر کا آغاز

یکم اپریل 1869ء کو سرسید احمد خان اپنے دو بیٹوں کے ساتھ بنارس سے انگلستان کے لیے روانہ ہوئے اور اس سفر میں بمبئی جاتے ہوئے وسطی ہندوستان سے گذرے۔ بمبئی پہنچ کر بذریعہ بحری جہاز عازم انگلستان ہوئے۔

راستے میں جتنے مقامات آئے اور جہاں جہاں ان کا بحری جہاز رکا ان مقامات کے بارے میں انھوں نے تفصیلات قلم بند کیں۔ مصر، نہر سویز اور رسل کے محلات دیکھ کر سرسید احمد خان کو محسوس ہوا جیسے وہ بہشت میں آ گئے ہیں۔ وہ شخص یا قاری جس نے وہ محلات نہ دیکھیں ہوں ان بیانات کو پڑھ کر سرشار ہو جاتا ہے۔

انگلستان میں

انگلستان پہنچ کر سرسید احمد خان کو ماہر تعلیم، مصنف، انجینئر سب سے ہی ملاقات کا موقع ملا اور ملکہ معظمہ وکٹوریہ نے بھی شرف ملاقات بخشا۔ ولایت کی ترقی دیکھ کر سرسید احمد خان بہت متاثر ہوئے اور خطوط میں یہ احوال اپنے دوستوں کو بھی لکھ کر بھیجتے رہے۔

سرسید احمد خان نے انگلستان میں سترہ ماہ تک قیام کیا اور اس دوران انھوں نے نظام تعلیم اور مغربی سماج کا گہرا مطالعہ کیا اور اس سے متاثر ہوئے۔ ہندوستان اور انگلستان کا موازنہ کیا اور دونوں کی معاشرت میں بڑا فرق پایا۔ متعدد خطوط ہندوستان لکھے اور دوستوں کو بتایا کہ دونوں ملکوں کی بود و باش میں کتنا فرق ہے۔

سرسید احمد خان انگلستان کے تعلیمی نظام کا مطالعہ کرنے کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں میں تعلیمی بیداری اور مغربی تعلیم کا رجحان پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اپنی قوم کی سماجی فلاح کے لیے انھوں نے تہذیب الاخلاق" کی اشاعت کا منصوبہ انگلستان ہی میں تیار کیا اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ یونیورسٹی کے قیام کا خاکہ بھی وہیں تیار کیا۔ مسافران لندن کو کتابی شکل مولانا اسمٰعیل پانی پتی نے دی تھی۔

انگلستان کے سفر کی تقریب ان کے الفاظ میں اس طرح پیدا ہوئی تھی کہ حکومت انگلشیہ نے ہونہار ہندوستانی طلبہ کو 66 ہزار روپے کے نو وظیفے دیے تھے اور انگلستان میں ان کے لیے اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم کیے تھے ان ہندوستانی طالب علموں میں سرسید احمد کے فرزند سید محمود بھی شامل تھے۔

سرکاری عطیہ

سرسید پہل ہی انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے تھے۔ اس سرکاری عطیہ سے سرسید کے اس ارادے کو بڑی تقویت پہنچی اور سید محمود کے ساتھ وہ خود بھی عازم ولایت ہو گئے۔ سرسید نے اس سفر کے اخراجات پورے کرنے کے لیے اپنا آبائی مکان واقع دلی گروی رکھ دیا اور بطور سرکاری ملازم اپنی کچھ تنخواہ بطور ایڈوانس حاصل کر کے وہ بھی اس سفر پر روانہ ہوئے۔ اس سفر میں ان کے ساتھ ان کے دونوں صاحبزادے سید حامد اور سید محمود کے علاوہ مرزا خداداد بیگ اور ان کا ایک قدیمی خدمت گار چھجو بھی ان کا شریک سفر تھا۔

ان کا یہ سفر 18 ذوالحجہ 1285ھ بمطابق یکم اپریل 1869ء کو یو پی کے شہر بنارس سے شروع ہوا جہاں

اس وقت سرسید احمد خان بطور جج متعین تھے۔ان کے اس سفر کا ایک جامع اور عمدہ خلاصہ شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالؔی نے ان الفاظ میں تحریر کیا تھا:

''سرسید احمد نے اپنے اس سفرنامے میں ہر ایک دلچسپ حال جو اثنائے راہ میں ان کو پیش آیا قلمبند کیا ہے اور سفر کی ضروریات جو ہر مسافر کو پیش آتی ہیں مفصل بیان کی ہیں اور وقتاً فوقتاً جو خیالات اپنے خاص مقصد یعنی وطن کی بھلائی کے ان کے دل و ذہن میں آئے ان کو بھی ہر موقع پر ظاہر کیا ہے۔ جا بجا ایشیا اور یورپ کی معاشرتی اور اخلاقی حالتوں کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ یورپ کے عجائبات ایسے طور پر بیان کیے ہیں جس سے قارئین کو یورپ کی سیر و سیاحت کی ترغیب ہو۔

نہر سویز کے انجینئر سے ملاقات

جس دھن میں سرسید نے یہ سفر کیا تھا اس کا ثبوت اس سفرنامہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ ملتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سفرنام لکھنے والا وطن اور قوم کی خیر خواہی اور ہمدردی میں شرابور ہے۔ بمبئی پہنچ کر کہیں وہ میمن مسلمانوں کے اخلاق، نام ونمود پر مرنے، جھوٹی شیخیاں بگھارنے، مفید تعلیم پر متوجہ نہ ہونے اور گھروں پر مدرس نوکر رکھنے پر افسوس کرتا ہے اور پارسیوں کی عمدہ حالت سے ان کا مقابلہ کرتا ہے کہیں پارسیوں کے صاف اردو بولنے پر حیران ہوتا ہے اوران لوگوں پر تعجب کرتا ہے جو اردو کو ہندوستان کی قومی زبان نہیں تسلیم کرتے۔ کہیں گجراتی زبان کی عبارت میں عربی الفاظ کا سراغ لگاتا ہوا نظر آتا ہے۔ ریل جیسے اس وقت کے اہم ذریعہ سفر کی تعریف کر کے افسوس بھی کرتا ہے کہ ریل کا تمام سامان فرانس اور انگلستان کا بنا ہوا ہے۔ سرسید احمد خان کی ملاقات جہاز پر فرانس کے مشہور انجینیئر وی لسیس سے ہوتی ہے جس میں وہ ظاہر کرتا ہے کہ نہر سویز کا نام انگریزوں نے نہر وی لسی رکھنا تجویز کیا تھا مگر وی لسیس کی قوم پرستی تھی کہ اس نے تجویز پیش کی کہ اس نہر کا نام ''نہر فرانس'' ہونا چاہیے جو انگریزوں کو نامنظور ٹھہری۔ اسی طرح سرسید پیرس کی عمارتوں کا ذکر کرتا ہوا کبھی روضہ تاج اور دلی میں قطب مینار کی خوبصورتی کو بھی نہیں بھولتا اسی طرح وہ فرانسیسیوں کے امام عبدالقادر سے غیر مہذب رویہ اختیار کرنے پر بھی تنقید کرتا ہے۔

نتائج سفر

اس کے بعد وہ لندن پہنچتا ہے اور اپنے سفرنامہ کے اختتام پر ہندوستان کے تمام شیعہ، سنی اور

ہندوؤں کو آگاہ کرتا ہے کہ سب ہندوستانی اپنے اپنے مذہب کی پابندی کے ساتھ یہ سفر طے کر سکتے ہیں۔ پھر اپنی جان پہچان، انگریزوں سے ملاقاتوں کا ذکر کرنے کے بعد کلفٹن کے معلق پل کے بننے کی تاریخ بیان کرتا ہے جو مدت سے ناتمام پڑا تھا اور جس کو سول انجینئر انسٹی ٹیوٹ کے ممبروں نے ایک ممبر کی بدنامی کے خیال سے باہم اتفاق کر کے اپنی فیاضی سے بنا دیا تھا۔ پھر اپنے ہم وطنوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ "اے میرے ہم وطنو! بتاؤ انسان یہ لوگ ہیں یا ہم؟ جو حیوانوں کی طرح اپنی خود غرضیوں میں مبتلا ہیں اور اپنے ہر کام کا بندوبست گورنمنٹ سے کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے لڑکوں کو بھی وہی پڑھائے اور مذہبی تعلیم کا انتظام بھی وہی کرے پھر ایک رصدگاہ کا ذکر لکھ کر کہ ایک عورت اس کا تمام کام انجام دیتی ہے اپنے ملک کے مدعیان علم و فلسفہ و منطق کو شرمندہ کرتا ہے۔"

(56)

نیلی بلے 1889ء

NELLIE BLY

دنیا کے گرد 72 دن میں ریکارڈ توڑ دینے والا سفر کرنے والی صحافی اور سیاح خاتون

الیزبیتھ کوچران سی مین Elizabth Cochran Sea Man، 5 جنوری 1864ء کو پیدا ہوئی۔ وہ اپنے قلمی نام نیلی بلے سے جانی جاتی ہے۔ تعلیم کے حصول کے بعد اس نے صحافت کو بطور پیشہ اپنایا۔ وہ ایک مصنف، صنعت کار اور موجد بھی تھی۔ سماجی کارکن اور صحافی کی حیثیت سے اس نے دنیا کے گرد 72 دن میں ریکارڈ توڑ دینے والا سفر کیا اور بے حد شہرت پائی۔ یہ سفر اس نے مشہور سائنسی ناول نگار جولیس ورن کے افسانوی کردار "فلیاس فوگ" کی تقلید میں کیا تھا اور وہ تحقیقی صحافت کی بانی بھی تھی۔

پیدائش کے وقت اس کا نام الیزبیتھ جین کوچران رکھا گیا تھا۔ اس کا باپ ایک مل میں کام کرنے والا مزدور تھا۔ اس کی ماں میری جین تھی جس کا باپ 1790ء میں آئر لینڈ سے ہجرت کر کے امریکہ آیا تھا۔ الیزبیتھ کے والد نے اپنے بچوں کو سخت محنت میں کامیابی کے مضمر ہونے کا سبق دیا تھا اور خود اپنی محنت سے ایک مل اور اس کے اردگرد کی زمین خرید لی تھی۔ بچپن میں الیزبیتھ "پنکی" کے عرفی نام سے پکاری جاتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پنک یا گلابی کلر اس کا پسندیدہ رنگ تھا۔

صحافی کے طور پر

1880ء میں کوچران اور اس کا خاندان پٹس برگ منتقل ہو گیا۔ پٹس برگ میں الیزبتھ نے اخبار "پٹس برگ ڈسپیچ" میں ایک کالم Girls are Good for Orphan girl پڑھا اور ایڈیٹر کے نام اس کالم کی تردید میں ایک مضمون Lonely لکھا۔ اخبار کا ایڈیٹر جارج میڈین اس کے مضمون سے بہت متاثر ہوا اور اس نے الیزبتھ کو اخبار کے لیے مستقل طور پر لکھنے کی دعوت دی اور اسے اخبار میں ملازمت دے دی۔ اس زمانے میں جو خواتین صحافت کے پیشہ سے متعلق ہوتیں یا اخبار میں لکھتیں وہ اپنے اصل نام کی بجائے قلمی نام اختیار کرتی تھیں۔ الیزبتھ نے "نیلی بلے" کا قلمی نام اختیار کر لیا۔

اخبار میں کام ملنے کے بعد نیلی بلے نے سب سے پہلے فیکٹریوں میں کام کرنے والی خواتین کی حالت زار پر مضامین لکھے اور اخبار میں ''خواتین کے صفحات'' کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا پھر ایک صحافی کے طور پر اس نے میکسیکو کا سفر کیا اور وہاں سے ایک غیر ملکی نامہ نگار کی حیثیت سے میکسیکو کے لوگوں کو رسم ورواج پر بہت سی رپورٹیں بھجوائیں۔ بعدازاں اس کی یہ رپورٹیں ''چھ ماہ میکسیکو میں'' کے عنوان سے ایک کتاب کی شکل میں شائع ہوئی۔ چونکہ اس کی رپورٹیں میکسیسو کی آمرانہ حکومت کے خلافت تھیں اس لیے میکسیکو کے حکام نے اسے گرفتار کرنے کی دھمکی بھی دی اور فوری طور پر میکسیکو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔

دس دن پاگل خانے میں

1887ء میں تھیٹر آرٹس پر لکھنے سے اکتا کر نیلی بلے نے ''پٹس برگ ڈسپیچ'' میں کام چھوڑ دیا اور نیویارک آ گئی جہاں چار ماہ کے قیام کے بعد اس کی جیبیں خالی ہوگئیں جس کے بعد اس نے ''نیویارک ورلڈ'' نامی اخبار میں ملازمت کرلی۔ اخبار نے اسے ایک جعلی پاگل کی حیثیت سے امریکی معاشرے میں ہونے والے مظالم کو بے نقاب کرنے کا کام دیا۔ ایک رات جعلی پاگل پن ہونے کی اداکاری کی پریکٹس کرنے کے بعد جلد ہی ڈاکٹروں نے اسے ''پاگل'' قرار دے دیا اور اسے پاگل خانے منتقل کردیا اور یوں اسے پاگلوں کی حالت زار کو اخبار میں شائع کرانے کا موقع مل گیا۔ اس نے لکھا کہ پاگل پن کے مریضوں کو علاج کے نام پر عقوبت سے دوچار کیا جاتا ہے۔ دس دن تک پاگل خانے میں رہنے کے بعد اسے پاگل خانے سے خارج کردیا گیا۔ پاگل خانے کے متعلق اس کی رپورٹ بعدازاں ''پاگل خانے میں دس دن'' کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع ہوئی۔

دنیا کے سفر پر

1888ء میں نیلی بلے نے ''نیویارک ورلڈ'' کے ایڈیٹر کو تجویز پیش کی وہ وہ جولیس ورن کے افسانوی ''80 دن میں دنیا کے گرد سفر'' کو حقیقت میں بدلنا چاہتی ہے۔ پھر تقریباً ایک سال بعد 14 نومبر 1889ء کو صبح نو بج کر چوالیس منٹ پر وہ ایک سٹیمر ''آگسٹا وکٹوریہ'' پر دنیا کے گرد 24894 میل کا سفر کرنے لیے سوار ہوگئی۔ اس سفر میں زادراہ کے طور پر اس کے ایک گرم اور کوٹ، ایک بیگ، کچھ ضروری سامان اور 200 پونڈ کے انگلستانی بنک نوٹ اور سکے ساتھ لیے۔

اس کے دنیا کے گرد سفر پر نکلنے پر نیویارک کے ایک اور اخبار ''کوسموپولیٹن'' نے بھی اپنی رپورٹر کو فلیاس فوگ اور نیلی بلے کا ریکارڈ توڑنے کے لیے اپنے خرچ پر روانہ کیا۔ کوسموپولیٹن کی رپورٹ ایلزبتھ بس لینڈ نے نیلی بلے کی مخالف سمت میں دنیا کا سفر شروع کیا۔

نیلی بلے دنیا کے گرد سفر میں پہلے فرانس اور انگلستان پہنچی اور ناول نگار جولیس ورن سے فرانسیسی شہر

Amiens میں ملی پھر نہر سویز کے راستے وہ سیلون (سری لنکا) کے راستے پینانگ، سنگاپور اور ہانگ کانگ اور جاپان تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس زمانے میں زیر آب ٹیلی گراف کیبلوں کے ذریعے نیلی بلے اپنے سفر کے متعلق مختصر رپورٹیں مسلسل ''نیویارک ورلڈ'' کو بھیجتی رہی جبکہ طویل رپورٹیں اس نے بذریعہ ڈاک بھجوائیں جو کئی ہفتوں کی تاخیر کے بعد اخباروں میں شائع ہوئیں۔

بندر ہمراہی

دنیا کے گرد یہ سفر نیلی نے دخانی جہازوں اور ریل گاڑیوں کے ذریعے طے کیا جس کی وجہ سے براعظم ایشیا میں سفر کے دوران اسے بہت سی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ چین میں سفر کے دوران اس نے کوڑھیوں کی ایک کالونی بھی دیکھی جبکہ سنگاپور سے اس نے ایک بندر بطور ہمراہی خرید لیا۔

موسم کی خرابی کی وجہ سے بحرالکاہل کو بحری جہاز اوشیانک میں عبور کرتے ہوئے نیلی اپنے شیڈول سے دو دن کی تاخیر کے بعد سان فرانسسکو پہنچی۔ سان فرانسسکو سے اخبار نیویارک ورلڈ کے مالک جوزف پلٹرز نے ایک چارٹرنجی ٹرین کے ذریعے نیلی بلے کے نیویارک تک کے سفر کا خصوصی انتظام کیا اور وہ 25 جنوری 1890ء کو تین بج کر اکیاون منٹ پر نیو جرسی پہنچی۔

عالمی سفر کا نیا ریکارڈ

اپنی روانگی کے تقریباً 72 دن کے بعد نیلی بلے دنیا کے گرد چکر لگا کر واپس نیویارک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی اور اس نے یہ طویل سفر اکیلے ہی طے کر لیا۔ جبکہ کوسموپلیٹن کی رپورٹر بس لینڈ Bisland اس وقت ابھی بحراقیانوس کو عبور کر رہی تھی اور وہ نیلی سے تقریباً ساڑھے چار دن بعد نیویارک پہنچی اور یوں نیلی کو شکست دینے میں ناکام رہی۔ نیلی نے دنیا کے گرد سفر کرنے کا نیا ریکارڈ قائم کیا جسے تقریباً چند ماہ بعد جارج فرانسس ٹرین نامی شخص نے توڑ دیا جس نے صرف 60 دن میں دنیا کے گرد سفر مکمل کیا۔ بعدازاں 1913ء میں یہ سفر اس سے کم دنوں میں بھی مکمل کیا گیا تھا۔

نیلی نے 1895ء میں 31 سال کی عمر میں ایک امریکی کروڑ پتی سے شادی کی جس کی عمر 73 سال تھی۔ شادی کے بعد نیلی صحافت سے دستبردار ہوگئی اور لوہے کی چادریں بنانے کی صنعت کار بن گئی۔ اس نے اپنے اس یادگار سفر کی روئیداد اپنی کتاب Around The World in Seventy Two Days میں لکھی۔

(57)

1895ء جوشوا سلوکم

JOSHUA SLOCUM

دنیا کے گرد تنہا کشتی میں پہلی بار سفر کرنے والا مہم جو سیاح

اچانک گم شدگی

جوشوا سلوکم وہ بہادر مہم جو اور سیاح تھا جس نے تنہا اپنی کشتی میں دنیا کے گرد سفر مکمل کیا تھا۔ وہ کینیڈا کے صوبے نووا اسکوٹیا میں پیدا ہوا تھا (20 فروری 1844ء) اور اس نے بطور مصنف اور مہم جو سیاح کی حیثیت سے شہرت پائی۔ 1900ء میں اس نے اپنے دنیا کے گرد تنہا اس سفر پر ایک کتاب Sailing Alone Around the World لکھی جو دنیا بھر میں بہت زیادہ فروخت ہونے والی کتاب قرار پائی۔ نومبر 1909ء میں اپنی کشتی The Spray میں سفر کرتا ہوا اچانک غائب ہو گیا۔

سمندری آب و ہوا کا شوقین

جوشوا سلوکم نووا اسکوٹیا میں ماؤنٹ ہینلے کے مقام پر اپنے خاندان کے ذاتی فارم میں پیدا ہوا اور اس نے ماؤنٹ ہینلے اسول میں پڑھنا لکھنا سیکھا۔ ہوش سنبھالتے ہی اس نے سمندر مہم جوئی میں دلچسپ لینا شروع کر دی تھی اور وہ ساحلی بادبانی کشتیوں میں خلیج فنڈی Bay of Fundy میں ماؤنٹ ہینلے کے قریبی مقامات تک سفر کرتا رہا تھا۔ جوشوا سلوکم کا نانا جنوب مغرب سمت میں واقع ایک مینارہ روشنی Light House کا منتظم تھا جبکہ اس کا والد سخت ڈسپلن کا قائل ایک دکاندار تھا مگر جوشوا سلوکم دوکانداری پر سمندر کی آب و ہوا کو ترجیح دیتا تھا اور سمندر کی مہماتی زندگی کی طرف راغب تھا۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے گھر سے کئی بار بھاگنے کی کوشش کی اور آخر 14 سال کی عمر میں کامیاب ہو گیا اور ماہی گیری کی ایک کشتی پر اس نے کیبن بوائے اور باورچی کی ملازمت اختیار کر لی اور اس طرح وہ سمندر کی مہماتی زندگی

کو اختیار کرنے میں کامیاب ہو گیا مگر جلد ہی گھر واپس لوٹ آیا۔ دو سال بعد جب وہ 16 سال کی عمر کو پہنچا تو اس کی ماں کا انتقال ہو گیا اور جوشوا سلوکم نے ہمیشہ کے لیے اپنے گھر کو خیر آباد کہہ دیا۔ وہ اور اس کا ایک دوست کینیڈا کی بندرگاہ میں ڈبلن آئرلینڈ جانے والے ایک تجارتی بحری جہاز پر ملازم ہو گئے۔

سمندر کے سفر کے دوران بورڈ کے امتحان کی تیاری

ڈبلن پہنچنے پر وہ انگلستان کی بندرگاہ لیورپول Liver Pool منتقل ہو گیا اور اس نے ایک ملاح کے طور پر ایک برطانوی تجارتی جہاز ٹینجیر Tangier پر ملازمت کر لی۔ یہ تجارتی جہاز چین جا رہا تھا۔ ملاح کی حیثیت سے اس نے دو سال کے عرصے میں کیپ آف دی گڈ ہوپ، جنوبی افریقہ کے دو بار چکر لگائے اور جکارتہ جو اس زمانے میں بٹاویہ Batavia کہلاتا تھا اور ڈچ ایسٹ انڈیز میں واقع تھا، منیلا اور ہانگ کانگ، سائیگون، سنگاپور اور سان فرانسسکو تک کے سفر کیے۔ سمندر کے سینے پر سفر کرتے ہوئے اس نے بورڈ آف ٹریڈر کے امتحان کی تیاری کی اور اٹھارہ سال کی عمر میں دوسری پوزیشن میں اس امتحان کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ 1865ء اس نے سان فرانسسکو میں مستقل سکونت اختیار کی اور امریکی شہریت حاصل کر لی۔ کچھ عرصہ سامن مچھلی اور فر Fur کی تجارت سے وابستہ رہنے کے بعد وہ ساحلی بادبانی کشتیوں کا کپتان بن گیا۔ 1869 میں اس نے سان فرانسسکو سے آسٹریلیا اور پھر براستہ الاسکا واپسی کا سفر کیا اور بحرالکاہل کو کامیابی سے عبور کر کے واپس لوٹا۔ 1871ء میں اس نے ورجینیا البرٹینا واکر سے شادی کی جس کا تعلق نیویارک کے ایک خاندان سے تھا۔

الاسکا میں سفر کرتے ہوئے اس کی کشتی واشنگٹن کے ایک سمندری طوفان میں گھر کر غرقاب ہو گئی تاہم جوشوا سلوکم اپنی اور اپنے عملے کی زندگیاں بچانے میں کامیاب ہو گیا اور بڑی حد تک اس کشتی پر لدا ہوا سامان تجارت بھی اس نے ڈوبنے سے بچا لیا۔ اس کے اس کارنامے سے شپنگ کمپنی اتنی متاثر ہوئی کہ اس نے جوشوا کو ایکا ور کشتی Constitution کی کمانڈ دے دی۔

سخت ترین سفر

1893ء میں جوشوا سلوکم نے وہ سمندری سفر کیا جو اس کے اپنے الفاظ کے مطابق اس کی زندگی کا سب سے سخت ترین سفر تھا۔ یہ امریکہ کے مشرقی ساحل سے برازیل تک کا سفر تھا جو جوشوا سلوکم نے دخانی طاقت سے چلنے والی تارپیڈو بوٹ ڈسٹرائر Destroyer کو برازیل پہنچانے کے لیے کیا تھا۔ ڈسٹرائر دشمن کے بحری جہاز پر 300 فٹ سے تارپیڈو مارنے کی سکت رکھتی تھی۔

سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب

جوشوا سلوکم دنیا کا وہ پہلا انسان تھا جس نے اپنی بادبانی کشتی ''سپرے'' Spray میں دنیا کے گرد تنہا سفر کیا

تھا۔ 1900ء میں اس نے اس سفر کی روئیداد پر مبنی کتاب Sailing Alone Around the World لکھی تھی جو سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب بن گئی تھی۔

46000 میل کا سفر

جوشوا سلوکم ایک انتہائی تجربہ کار جہاز ران تھا اور اس نے تیرہ مہینے میں میسا چوسٹس امریکہ میں اپنی کشتی سپرے دوبارہ خود تیار کی تھی اس کشتی میں جوشوا ن 24 اپریل 1895ء سے 27 جون 1898ء تک دوبارہ بحر اوقیانوس کو عبور کیا تھا اور آبنائے جبرالٹر سے جنوبی امریکہ میں واقع آبنائے ماگلین تک کئی بار سفر کیا تھا۔ اس نے جنوبی افریقہ اور آسٹریلیا کی بھی سیاحت کی تھی اور میسا چوسٹس امریکہ واپس لوٹتے وقت اس نے تقریباً 46000 میل کا سفر کیا تھا۔

بحر الکاہل میں سفر کرتے ہوئے وہ کئی بندرگاہوں میں ٹھہرا اور اس نے اپنے اس سفر پر کئی مقامات پر لیکچر دیے تھے۔ اس کی اس سیاحت کا احوال پہلے قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ 1900ء میں اس نے اسے کتاب کی شکل دی تھی۔ اس کتاب میں اس کے سفر کی نایاب تصاویر بھی شامل تھیں۔

دوران نیند کشتی کی حفاظت ایک خیالی پائلٹ کے سپرد

اپنے اس سفر نامہ میں جوشوا نے اپنی سفری روئیداد مسلسل ایڈونچرز کی شکل میں بیان کی ہے اس تنہا سفر کے دوران جب وہ سوتا تھا تو اپنی کشتی کی حفاظت ایک خیالی پائلٹ کے سپرد کر دیتا تھا جو اس کے مطابق کولمبس کے امریکہ کے دریافت کے سفر میں اسکے جہار پنٹا کا کپتان تھا۔ اس تنہا سفر میں وہ بوسٹن، گلوسیسٹر، نووا اسکوٹیا، جزائر اے روں، جزائر کیناری آئی لینڈ، کیپ وردی، سڈنی، ملبورن، شمانیہ، کرسمس آئی لینڈ، ڈربن کیپ ٹاؤن، ہیلینا، ٹرینیڈا، فیرہیون سے گزرا۔ اس کے اس تنہا سمندر سفر میں اسے جن خطرات کا سامنا تھا ان میں دھند، آندھیاں، سمندری طوفان، دوسرے بڑے جہازوں سے ٹکراؤ، تنہائی، جسمانی ماندگی اور الکساہٹ، جہاز رانی کی تھکاوٹ، مشینی کل پرزوں کی خرابی، اس کے علاوہ سمندر میں ساحل کے قریب سفر کرنے میں بحری قزاقوں کے علاوہ وحشی آدم خور قبائل کے حملے کا بھی سخت خطرہ تھا۔ کسی سمندری کھاڑی میں محصور ہو جانے کے علاوہ سمندر میں بھٹک جانے، اتھلے پانی میں ریتلے پوشیدہ کنارے پر چڑھ جانے، سمندر میں چھپے ہوئے مونگے کی چٹانوں سے ٹکراؤ کے علاوہ کشتی کے ڈوب جانے کے خطرات بھی پورے سفر میں اس سر پر منڈلاتے رہے۔ ٹیرا ڈیل فیوگو Terra Del Fuego سے گذرنے کے بعد اسے ساحلی گارڈز نے رات کے وقت وحشی ریڈ انڈین Yahgan قبائل کے متوقع حملے سے خبردار کیا گیا تو اس نے اپنی کشتی کے عرشے پر کیل بچھا دیے تا کہ کسی متوقع وحشی قبائل کے حملے سے بچا جا سکے۔ اکثر اوقات وہ رات گئے دردزہ آوازوں سے جاگ اٹھتا تھا۔ اس طرح وہ اپنے دفاع کے لیے کی گئی ان کوششوں پر فخر کرتا تھا۔

پتوار کے دستے کو چھوئے بغیر دو ہزار میل کا سفر

اس کے علاوہ اس سفر کے دوران جہاز کا کنٹرول سنبھالنے کے لیے ایک قسم کی آٹو پائلٹ تیکنیک بھی ایجاد کی تھی جس کی وجہ سے بحرالکاہل میں سفر کرتے ہوئے اس کی کشتی نے اس کے پتوار کے دستے کو چھوئے بغیر دو ہزار میل تک سفر کیا تھا۔

1950ء میں جوشوا سلوکم کے اس یادگار سفر کو دوبارہ کرنے کا اعلان رابرٹ کارل آف مونکٹن نے کیا تھا اور جوشوا کی بادبانی کشتی ''سپرے'' کا نقش ثانی بھی تیار کر لیا تھا مگر اس اعلان کے باوجود جوشوا کے نقش قدم پر اس کے سفر کرنے کا کوئی اور ثبوت نہیں ملتا تھا۔ 1976ء میں بھی جوشوا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دنیا کے گرد تنہا سفر کرنے کی ایک کوشش کی گئی تھی۔

(58)

1890ء مولانا شبلی نعمانی

اردو دنیا کو علامہ شبلی کے ان دوستوں اور عزیزوں کا مشکور ہونا چاہیے جن کے اصرار پر انھوں نے اتنا معلومات افزا سفرنامہ قلم بند کیا اور یہ خزانہ علمی اردو دانوں کے ہاتھ لگ گیا۔

دارالمصنفین اعظم گڑھ کی بنیاد

سیاحت کے میدان میں قدم رکھنے کے بعد ایک دقیع اور پراز معلومات سفرنامہ لکھنے والے علامہ شبلی نعمانی (1857-1914ء) مؤرخ، معلم، سیاح اور عربی، فارسی اور اردو ادب کے متبحر عالم، اعظم گڑھ کے نواحی قصبے بندول میں پیدا ہوئے۔ والد شیخ حبیب اللہ بیک وقت کامیاب تاجر اور وکیل تھے۔ علامہ شبلی نے مولانا محمد فاروق، مولانا فیض الحسین، مولانا ارشاد حسین اور مولانا احمد علی جیسے جید علما سے تعلیم پائی۔ 1876ء میں سفر حجاز کیا اور وکالت کا امتحان پاس کیا مگر وکالت میں دل نہیں لگا۔ 1882ء میں بطور مددگار پروفیسر علی گڑھ کالج میں تقرر ہوا جہاں علمی کاموں کے لیے بہت سی سہولتیں میسر آئیں۔ پروفیسر آرنلڈ سے بعض جدید علوم میں استفادہ کیا۔ سرسید احمد خاں کی صحبت کا بڑا اثر ہوا۔ اردو میں پراثر قومی نظمیں کہیں جن میں ''صبح امید'' خاص طور پر تحریک علی گڑھ کی نمائندہ ہے۔ ان کے علی گڑھ کے شاگردوں میں چوہدری نثار، مولانا ظفر علی خان، مولانا محمد علی، سجاد حیدر یلدرم قابل ذکر ہیں۔

سرسید کی وفات کے بعد 1898ء میں ''ندوۃ'' سے وابستہ ہوگئے۔ اس کے بعد حیدرآباد گئے اور چار سال علمی اور تعلیمی کاموں میں مصروف رہے۔ بعد ازاں ندوہ آکر اس کے نصاب میں انگریزی بھی شامل کیا۔ علامہ شبلی نعمانی نے دارالمصنفین اعظم گڑھ کی بنیاد رکھی جو ان کا ایک خاص کارنامہ ہے کتب خانے کے لیے انھوں نے اپنا باغ وقف کردیا۔ آپ کی تصانیف میں شعرالعجم، الفاروق، النعمان، سوانح مولانا روم اور سیرت النبی ﷺ اہم ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کا سفرنامہ روم و مصر و شام ایک خاصے کی چیز ہے۔

سفر کا آغاز

علامہ شبلی نعمانی نے انیسویں صدی کی آخری دہائی میں ممالک اسلامیہ کا سفر کیا۔ سفر سے واپس آنے کے بعد دوستوں کے اصرار پر حالات سفر قلم بند کیے۔ اس طرح اردو زبان میں ایک دقیع اور پراز معلومات سفرنامے کا اضافہ ہوا۔ مولانا شبلی نعمانی اپنے سفر کے حالات و واقعات کو سپرد قلم کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رمضان المبارک 1309ء میں میں نے قسطنطنیہ وغیرہ کا جو سفر کیا وہ محض ایک طالب علمانہ سفر تھا اور چونکہ نہ یہ کوئی غیر معمولی امر تھا نہ واقعات سفر میں چنداں کوئی ندرت تھی سفرنامہ لکھنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر سفر سے واپس آیا تو ہر دوست و عزیز سفرنامہ کا متقاضی تھا۔"

علامہ شبلی نعمانی کی یہ عالی ظرفی تھی کہ انھوں نے اپنے اس عالمانہ سفر کو محض طالب علمانہ کہہ کر اپنے عجز و انکسار کا اظہار کیا ورنہ ان کا یہ سفر اتنے قیمتی تجربات و مشاہدات کا آئینہ دار تھا کہ اگر اسے سفرنامہ کی صورت میں شائع نہ کیا گیا ہوتا تو اس وقت تک ترک و مصر کے صحیح حالات سے واقفیت کا کوئی اور معتبر ذریعہ اردو زبان کے پاس نہیں تھا۔ اردو دنیا کو علامہ شبلی کے ان دوستوں اور عزیزوں کا مشکور ہونا چاہیے جن کے اصرار پر انھوں نے اتنا معلومات افزا سفرنامہ قلم بند کیا اور یہ خزانہ علمی اردو دانوں کے ہاتھ لگ گیا۔

سفر کی نوعیت

علامہ شبلی کا یہ سفر خالصتاً علمی نوعیت کا تھا۔ انھیں تحقیق اور ادب و تاریخ سے خصوصی دلچسپی تھی۔ انھوں نے مسلمانوں کی تاریخ کا بنظر غائر مطالعہ کیا تھا اور اسی مطالعہ کے دوران انھیں اہل یورپ کی دنیائے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں کا علم ہوا تھا۔ اہل یورپ کی مسلمانوں اور بلاد اسلامیہ کو بدنام کرنے کی حکمت عملی یورپی سامراجی قوتیں پوری طاقت سے جاری کی ہوئی تھیں۔ ترکوں کے سلسلے میں یورپی مورخین نے اور زیادہ زہر افشانیاں کی تھیں اور زہریلا پروپیگنڈا پھیلایا ہوا تھا۔ ان تمام اسباب کی روشنی میں شبلی کا یہ سفر ایک نیک فال ثابت ہوا۔ اس سفرنامہ میں انھوں نے دنیائے اسلام کی ایک واضح اور مختلف تصویر پیش کی جو یورپی مورخین سے بالکل الگ اور جدا تھی۔ انھوں نے یورپی پروپیگنڈے کے زہریلے اثرات اپنی تحریروں سے زائل کرنے کی کوشش کی اور ترکوں کے گرد جو غبار دنیائے مغرب نے پھیلایا تھا اسے دور کر دیا

بادشاہوں سے ملاقاتیں

شبلی نے اپنے اس سفر میں یوں تو علمی کاموں کی طرف ہی زیادہ توجہ دی اور قسطنطنیہ، بیروت، بیت المقدس اور قاہرہ کے ہر قابل ذکر مدرسہ، دار العلوم، کتب خانہ سررشتہ تعلیم اور درس و تدریس کا بغور مطالعہ کیا اور علمی کاموں کا تحقیقی

جائزہ لیا اور اسی کے ساتھ شہر کے عام اجمالی حالات، قابل دید مقامات اور مشہور عمارات کو قریب سے دیکھنے کی کوشش کی۔ مشہور اخبارات ورسائل کا تجزیہ کیا۔ بادشاہوں اور ارباب اقتدار سے ملاقاتیں کیں اور عربوں اور ترکوں کے اخلاق وآداب کے بارے میں تفصیلات جمع کر کے ان تمام خوبوں کو اجاگر کیا جنھیں متعصب یورپ مورخین نے یکسر انظر انداز کر دیا تھا۔

سمندر میں سفر

شبلی نعمانی نے بحری جہاز کے سفر کے واقعات بھی قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ شبلی کا جہاز بمبئی سے روانہ ہو کر جب سمندر کے سینے کو چیرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے تو ان کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ سر میں درد اور متلی کی وجہ سے طبیعت میں بے کیفی اور اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے اور کئی دن اسی کیفیت میں گزرتے ہیں پھر طبیعت میں ٹھہراؤ پیدا ہوتا چلا جاتا ہے اور سفر میں لطف آنے لگتا ہے۔ اس کے بعد پیش آنے والے سمندری واقعات شبلی مزے لے لے بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ قارئین کو اس متعصب عیسائی کا قصہ بھی سناتے ہیں جو مسٹر آرنلڈ کے عربی پڑھانے سے جلتا تھا اور عربی کو اونٹوں کی زبان کہہ کر تحقیر آمیز انداز میں نہایت برے لہجے کے ساتھ عربی کے الفاظ ادا کرتا تھا۔ شبلی کے اندر ایک سچے سیاح کی روح موجود تھی اور دوران سفر پیش آنے والی صعوبتوں کا ذکر بہت کم کرتے ہیں اور ان کی قطعی پروا نہیں کرتے۔ ہر طرح کی معلومات یکجا کر کے انھوں نے اس سفر نامہ کو معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ بنا دیا ہے۔ عمارتوں کا حال ہو یا افراد کا ذکر، قابل دید معلومات کی سیر ہو یا کسی دار العلوم کے اصول وضوابط، انھوں نے ہر چیز کو زبان عطا کر دی ہے۔ ایک مقام پر قسطنطنیہ کی عمارتوں کا حال کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

قسطنطنیہ کی عمارتوں کا حال

> ''یہاں کی عمارتیں ہندوستانی عمارتوں سے بالکل جدا وضع کی ہیں۔ مکانات عموماً سہ منزلہ ہیں اور کچھ چومنزلہ بھی ہیں۔ عمارتیں تمام لکڑی کی ہیں۔ بڑے بڑے بادشاہوں اور امراء کے محلات بھی لکڑی کے بنے ہوئے ہیں اور یہی سبب ہے کہ یہاں اکثر آگ لگتی ہے۔ کوئی مہینہ خالی نہیں جاتا کہ دو چار گھر آگ سے جل کر تباہ نہ ہوں اور کبھی کبھی تو پورے محلے جل کر خاکستر ہو جاتے ہیں۔''

علامہ شبلی کے سفر نامے کی یہ ایک بہت بڑی خوبی ہے کہ اس کو پڑھ کر اگر کوئی شخص اس عہد کے روم، مصر و شام میں قدم رکھتا ہے تو اسے ہر چیز مانوس سی اور جانی پہچانی سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ سب کچھ وہ پہلے علامہ شبلی کی آنکھوں سے اس کی تحریروں کے ذریعے دیکھ چکا ہوتا ہے۔

(59)

1899ء اکائی کاواگوچی

EKAI KAVH GUCHI

دنیا کے دور دراز گوشے میں واقع ملک تبت کا احوال جو ایک جاپانی سیاح نے رقم کیا

اکائی کاواگوچی ایک جاپانی بدھ راہب تھا۔ وہ اپنے نیپال کے چار سفروں کی وجہ سے مشہور ہے جو اس نے 1899ء، 1903ء، 1905ء اور 1913ء میں کیے تھے۔ وہ 26 فروری 1866ء کو جاپان میں پیدا ہوا اور اس نے 24 فروری 1945ء کو بعمر 79 سال وفات پائی۔

تارک الدنیا راہب

اکائی کاواگوچی جس کا پیدائشی نام سادا جیرو Sada Jiro تھا بچپن ہی سے راہب بننے کی طرف مائل تھا۔ وہ ایک ایسے ملک میں مذہبیات کی طرف مائل تھا جو تیزی سے ترقی کر رہا تھا اور وہاں جدیدیت کی طرف رجحان بڑھ رہا تھا۔ اس نے بدھ مت کے تمام عقائد اور اصول اپنا لیے تھے۔ وہ ایک سبزی خور اور پاکیزگی کا بہت خیال رکھنے والا راہب تھا جبکہ دوسرے بدھ راہب ایسی باتوں کی طرف بہت کم توجہ دیتے تھے۔ انھیں وجوہات کی بنا پر وہ ایک تارک الدنیا اور جاپان کی سیاسی بدعنوان زندگی سے کوسوں دور تھا۔ 1891ء تک وہ ایک بدھ خانقاہ سے ٹوکیو میں وابستہ رہا۔ اس کے بعد وہ کیوٹو Kyoto میں تین سال تک ایک تارک الدنیا راہب کی حیثیت سے چینی بدھ صحائف پڑھتا رہا اور پالی زبان سیکھتا رہا۔ جب اس نے جاپان میں بدھ مت کی زبوں حالی دیکھی تو اس نے بدھ مت کی جنت تبت جانے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ اسے معلوم تھا کہ تبت کسی غیر ملکی کو اپنے ہاں آنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اکائی کاواگوچی کے علم میں نہیں

آیا تھا کہ بہت سے جاپانی عالموں نے 1890ء کی دہائی میں تبت جانے کی کوششیں کی تھیں مگر ناکام رہے تھے۔ وہ تبت سے بدھ مت کی نایاب کتب جاپان لانا چاہتے تھے۔

ہندوستان کا سفر

اکائی کاواگوچی جون 1897ء میں جاپان سے ہندوستان کے لیے روانہ ہوا۔ اس کے پاس کوئی نقشہ یا گائیڈ بک نہیں تھی۔ ہندوستان کا سفر اس نے ایک سامان لے جانے والے بحری جہاز پر کیا۔ وہ تھوڑی بہت انگریزی زبان بولتا اور سمجھ سکتا تھا مگر ہندی اور تبتی زبان کے ایک لفظ سے بھی آشنائی نہیں تھی۔ ایک تارک الدنیا راہب کی حیثیت سے اس کے پاس زادِ راہ کے لیے کوئی خاص رقم بھی نہیں تھی۔ اس نے اپنے دوستوں سے اپنے سفر کے لیے کوئی امداد و عطیات لینے سے پہلے ہی انکار کر دیا تھا۔ اس کی بجائے اس نے بہت سے ماہی گیروں اور قصابوں کو ان کے آبائی پیشے چھوڑ کر بدھ مت کے اصولوں کے مطابق سبزی خور بنا دیا تھا۔ محض اس لیے کہ کرما اس کے اس سفر کو کامیاب بنا دے اور یہی اس سیاح کا زادِ راہ تھا۔

جاسوسی کا الزام

ہندوستان پہنچنے پر اس کی ملاقات ایک تبتی عالم، چندر داس سے ہوئی جو برطانوی ایجنٹ تھا۔ اس نے اکائی کاواگوچی کے شمالی ہندوستان کے سفر کو ترتیب دیا تھا۔ بعد ازاں کاواگوچی پر یہ الزام لگا تھا کہ وہ چندر داس کے لیے جاسوسی کرتا ہے مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا اور نہ ہی کاواگوچی کی سفری ڈائری میں اس کے متعلق کوئی اشارہ ملتا ہے کاواگوچی دارجلنگ میں تقریباً کئی ماہ تک ایک تبتی خاندان کے ساتھ قیام پذیر رہا۔ اس کے اس قیام کا بندوبست چندر داس نے کیا تھا۔ تبتی خاندان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اس نے تبتی زبان پر دسترس حاصل کر لی اور وہ روانی سے تبتی زبان بولنے لگا۔

ہمالیہ سے تبت

ہمالیائی کوہستان کو اس نے ایک ناقابل اعتماد گائیڈ کے ساتھ ایک غیر معروف کچے راستے سے عبور کیا اور وہ تبت پہنچ گیا۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ راستے میں ملنے والا ہر شخص اس کے لیے دوستی کے جذبات رکھتا تھا چاہے وہ کوئی عام راہ گیر تھا یا کوئی چرواہا یا پھر کوئی لٹیرا۔ لیکن اس کے باوجود اسے تبت کے دارالحکومت تک پہنچنے میں تقریباً چار سال لگے۔ اس دوران اس نے ہر تبتی خانقاہ میں حاضری دی اور مغربی تبت میں واقع متبرک پہاڑ کیلاش Kailash کی زیارت بھی کی۔ اس دوران اس نے ایک چینی راہب کا لباس پہنا ہوا تھا اور ایک طبیب کی حیثیت سے اس نے شہرت پائی تھی جو بالآخر اسے تیرھویں دلائی لاما، تھوبٹن گیاٹسو Thubten Giatso کے دربار تک لے گئی۔ اس نے سیرا Sera کے خانقاہ میں بھی کچھ عرصہ قیام کیا۔

بدھ مت کے متبرک مقامات

اکائی کاواگوچی نے تبت میں قیام کے دوران اپنا پورا وقت بدھ متبرک مقامات کی زیارت اور بدھ مت کی کتابوں کے مطالعے میں صرف کیا۔ اگرچہ اسے تبتی زبان پر عبور حاصل تھا مگر اس کے باوجود وہ تبتی راہبوں کا بدھ مت کے اصولوں سے معمولی سا انحراف بھی برداشت نہیں کرتا تھا اس برفانی ملک میں جہاں زراعت برائے نام تھی وہ بدھ راہبوں کی گوشت خوری کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ تبت کے خانقاہی حلقوں میں اپنے لیے کوئی مقام نہیں بنا سکا تھا مگر ایک چینی طبیب کی حیثیت سے وہ بڑا کامیاب رہا تھا۔

کاواگوچی نے لہاسا میں چینی طبیب کے بھیس میں وقت گزارا اور جب اس کے اس بھیس کی قلعی کھلی تو اس نے نہایت سرعت سے یہ ملک چھوڑ دیا۔ اس نے تبت کی حکومت کو بہت سی عرض داشتیں بھی گزاریں کہ ایک راہب کی حیثیت سے اسے تبت میں رہنے دیا جائے مگر اس کے دوستوں نے اسے یقین دلایا کہ اسے اس قیام کی قانونی اجازت نہیں مل سکتی۔ جن لوگوں کے ہاں اس نے اپنے غیر ملکی ہونے کا راز افشا ہونے کے بعد پناہ لی تھی تبتی حکومت نے ان لوگوں کو بھی معاف نہیں کیا اور انھیں اس کی سزا دی۔ تبت چھوڑ دینے کے بعد اس نے اس وقت کے نیپالی وزیر اعظم چندرا شمیر رانا سے مدد کی درخواست کی۔ نیپالی وزیر اعظم کی سفارش پر تبت کی حکومت نے کاواگوچی کے دوستوں کو قید سے رہا کیا۔

تبت سے واپسی

کاواگوچی جب جاپان واپس پہنچا تو اس کے تبتی سفر کی داستان نے جاپانیوں کے دلوں میں دور دراز تبت کو دیکھنے کا ولولہ پیدا کر دیا۔ جلد ہی اس کا سفرنامہ تبت منظر عام پر آ گیا۔ اس نے تبتی شہروں اور شہریوں کا جو احوال پیش کیا تھا اس کے مطابق صحت عامہ کے انتظامات کی وہاں بہت کمی تھی اور تبتی شہری اچھی زندگی نہیں گذار رہے تھے۔ خانقاہی اصولوں سے انحراف وہاں عام تھا اور مختلف قسم کی بدعنوانیوں اور توہمات تبتیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ دوسری طرف اپنے تبت میں قیام کے دوران کاواگوچی نے تبت کے لوگوں کے دوستانہ رویے کی تعریف بھی کی۔ کاواگوچی کے بیان کردہ تبت کے متعلق حقائق پر جاپانی اخباروں میں بھی بڑی لے دے ہوئی اور تبتی لوگوں کے صحت عامہ کے اصولوں سے انحراف پر بڑی تنقید کی گئی۔ ادھر نیریٹا یاسوتیرو Narata Yasuteru نامی ایک جاپانی جاسوس کو خفیہ طور پر 1890ء کی دہائی کے آخری سالوں میں تبت بھیجا گیا تا کہ وہ کاواگوچی کے بیانات کی تحقیق کرے جس نے گمنام شخص کی حیثیت سے کاواگوچی پر الزام لگایا کہ وہ کبھی تبت نہیں گیا۔ جب اس کے لگائے گئے یہ الزامات اخبارات میں اچھالے گئے تو تحقیق سے پتہ چلا کہ نیریٹا خود کبھی تبت میں داخل نہیں ہو سکا تھا اور اس کی الزام تراشی محض کاغذی کارروائی تھی اور کاواگوچی کو پہلا جاپانی ہونے کا شرف حاصل تھا جس نے تبت کی سیاحت کی تھی۔

تبت کے قدرتی حسن کی تعریف

1896ء میں لومبینی Lumbini کے مقام پر اشوک اعظم کی ایک لاٹھ دریافت ہونے کے بعد پتہ چلا کہ یہی مہاتما بدھ کی پیدائش کا مقام ہے تو اکائی کاواگوچی نے لومبینی کی سیاحت کی اور 1912ء میں وہ دوسرے کئی جاپانیوں کے ساتھ وہاں پہنچا۔ لومبینی کی سیاحت کے بعد 1913ء میں وہ آخری بار پھر تبت گیا۔ اس مرتبہ اس نے تبت کے بارے میں بہت سی نظمیں بھی لکھیں جن میں تبت کے قدرتی حسن کی بڑی تعریف کی گئی تھی۔ اس مرتبہ وہ تبت کی فن سنگ تراشی کے کئی نمونے بھی اپنے ساتھ جاپان واپس لے گیا۔ وہ ہندوستان کی مسز اینی بسنت کا دوست تھا۔ اینی بسنت نے کاواگوچی کو اس کا سفر نامہ انگریزی میں شائع کرنے کی سفارش کی تھی اور Three Years in Tibet شائع کیا تھا۔

(60)

مولوی محبوب عالم

براعظم یورپ، ایشیا کوچک اور بلاد شام و مصر کی سیاحت کرنے والے برصغیر کی مشہور شخصیت

مولوی محبوب عالم (1882-1937ء) ممتاز صحافی اور انشا پرداز گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان اعزازی طور پر پاس کیا جس کے اعتراف کے طور پر پنجاب یونیورسٹی نے انھیں نقد انعام کے علاوہ متعدد کتابیں بھی دیں۔ ابتدا میں گوجرانوالہ میں اپنے چچا مولوی احمد دین کے پریس میں کام کیا۔ چچا نے اپنے ہونہار بھتیجے کی انتظامی صلاحیتوں کو اچھی طرح بھانپ لیا تو پریس ان کے حوالے کردیا۔ چنانچہ انھوں نے گوجرانوالہ سے پیسہ اخبار جاری کیا پھر جب پریس کو لاہور منتقل کیا تو پیسہ اخبار بھی لاہور سے ہی شائع ہونا شروع ہوگیا۔ اس اخبار کی قیمت اس زمانے میں صرف ایک پیسہ تھی اور یہ بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں برصغیر پاک و ہند کا مقبول ترین اخبار بن گیا۔

یورپ کی سیاحت پر

مولوی محبوب عالم صاحب نے اسی زمانے میں یورپ کی سیاحت کی اور اپنا ''سفرنامہ یورپ'' لکھا۔ اپنے اسی سفرنامہ کے دیباچہ طبع اول میں وہ خود رقم طراز ہیں کہ:

''جب میں نے 1900ء میں پیرس کی عالمگیر نمائش گاہ اور انگلستان اور دیگر ممالک یورپ کے ساتھ قسطنطنیہ، شام اور مصر کی سیاحت کی تو میں نے اس سفر کے حالات بذریعہ خطوط پیسہ اخبار میں شائع کرائے جسے تمام ملک میں نہایت پسند کیا گیا۔ یورپ سے لوٹنے پر نواب محسن الملک بہادر مرحوم نے مجھے بمقام رام پور فرمایا کہ سرسید احمد خاں کے سفر یورپ کے حالات کے بعد کبھی اس قدر دلچسپی سے میں نے یورپ و بلاد اسلامیہ کی کیفیت نہیں پڑھی تھی۔ اس طرح سینکڑوں دیگر احباب نے بھی ان حالات کو پسند کرکے انھیں کتابی شکل میں شائع کرنے کا تقاضا کیا۔''

یوں 1908 میں مولوی محبوب عالم کا سفرنامہ یورپ شائع ہوا۔ اس سفرنامہ کے مطابق مولوی محبوب عالم

27 مئی 1900ء کو لاہور سے بذریعہ ٹرین بمبئی کے لیے روانہ ہوئے۔ بمبئی سے یکم جون کو جہاز امپرے ٹرکس میں یثرپ کے لیے روانہ ہوئے۔ اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں کہ:

''جو شخص جہاز میں پہلی مرتبہ سوار ہوا ہو اس کے لیے سمندر کا نظارہ کیسا دلچسپ اور ساتھ ہی کیسا ہیبت ناک ہوتا ہے کہ اس وقت اس کے دل میں جو جو جذبات پیدا ہوتے، ان کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔''

یورپ میں

7 جون کو گیارہ بجے دن یہ جہاز 1664 میل کا سفر طے کر کے یمن کی بندرگاہ عدن پہنچا۔ عدن میں طاعون پھیلنے کے خطرے کی وجہ سے مولوی محبوب عالم اور دوسرے مسافروں کو عدن جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ پھر یہ جہاز سرگرم بحر پیمائی کرتا ہوا بحیرہ قلزم Red Sea سے گذر کر نہر سویز میں داخل ہوا۔ مولوی محبوب عالم لکھتے ہیں کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے ایک قدیم بادشاہ رعمسیس ثانی نے بحرہ قلزم اور بحرہ روم کے درمیان ایک نہر کھدوائی تھی۔ 18 جون کو جہاز یورپ کے پہلے شہر ٹریسٹ پہنچا۔ پھر مولوی محبوب عالم صاحب نے اگلی صبح اٹلی کے مشہور شہر وینس تک سفر کیا اور وینس کے عالیشان محلات اور گرجوں کے گنبدوں اور میناروں کو دیکھا اور سینٹ مارک کے گرجا کی سیر کی۔ پھر 20 جون کو ٹریسٹ سے بذریعہ ریل ویانا کے لیے روانہ ہوئے۔ ویانا کی سیاحت کے بعد مولوی صاحب جرمنی کے دارالحکومت برلن پہنچے۔ برلن میں جس ہوٹل میں ٹھہرے اس کا نام قیصر ہوٹل تھا جو جرمنی کے قیصر کے نام پر رکھا گیا تھا۔ برلن سے بذریعہ ریل نو گھنٹے میں کولون پہنچے جو جرمنی ہی کا ایک شہر تھا۔ کولون سے برسلز پہنچے اور پھر یہاں سے عازم پیرس ہوئے۔ پیرس میں ان دنوں وہ عالم گیر نمائش لگی ہوئی تھی جسے دیکھنے کے لیے مولوی صاحب پیرس گئے تھے۔ مولوی صاحب نے اس نمائش کا حال خاصا طویل لکھا ہے اور پیرس کے متعلق بھی بہت معلومات فراہم کی ہیں۔ پیرس سے مولوی صاحب 7 اگست 1900ء کو لندن کے لیے روانہ ہوئے اور رود بار انگلستان کا سفر کر کے سرزمین انگلستان پر وارد ہوئے۔ 9 اگست کی صبح لندن کی سیاحت کو نکلے اور پیدل ہی لندن کی گلیوں اور بازاروں میں گھومتے رہے۔ مولوی صاحب لندن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ کیسی لچسپ بات ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا شہر براعظم یورپ سے بھی پرے ایک سمندری جزیرہ میں واقع ہے۔

لندن سے براستہ پیرس قسطنطنیہ کا سفر

لندن سے براستہ پیرس قسطنطنیہ کے لیے روانہ ہوئے اور مشرقی یورپ کے بعض ممالک کی، جس میں ہنگری شامل تھا، سیاحت کی، شہر بوڈاپٹ کی رونقوں کو دیکھا۔ 5 ستمبر کو مولوی صاحب نے بڈاپسٹ سے بذریعہ خط اپنے سفر کا

احوال پیسہ اخبار کے لیے لاہور بھیجا پھر بلغاریہ سے ہوتے ہوئے ترکی پہنچے اور شہر ایڈریانوپل کی سیاحت کی اور شہر کی مشہور مساجد کی زیارت کی۔ یہاں سے 9 ستمبر کو استنبول، قسطنطنیہ پہنچے۔ جب صبح سویرے ریل گاڑی استنبول کے مضافات میں داخل ہوئی تو قسطنطنیہ کے بلند مکانات اور ارفع مینار نظر آئے۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ استنبول میں وہ اجنبی نہ رہے اور ترکوں کی سرخ ٹوپیاں اور مساجد کے عالیشان مینار یا ہلال وستارہ کے نشانات انھیں اپنے سے معلوم دیے۔ قسطنطنیہ میں ترک مشاہیر سے مولو صاحب کی ملاقاتیں رہیں۔ قسطنطنیہ کا مفصل احوال انھوں نے اپنے سفرنامے میں درج کیا ہے۔ قسطنطنیہ سے بذریعہ بحری جہاز بیروت کے لیے روانہ ہوئے اور سمرنا یا ازہر کی سیاحت کرتے ہوئے جزیرہ روڈس، اسکندریہ، لازقیہ اور طرابلس سے ہوتے ہوئے بیروت پہنچے۔ بیروت کی سیاحت کے بعد ان کی اگلی منزل دمشق تھا۔ بیروت وہ بذریعہ ریل گاڑی دمشق پہنچے۔ دمشق کے مشہور مقامات میں انھوں نے صحابہ کرام اور انبیائے کرام کی قبور کی زیارت کی اور مرقد شیخ محی الدین ابن عربی پر حاضر ہوئے۔ جامع اموی دمشق میں نہ صرف نماز ظہر ادا کی بلکہ دیکھا کہ اس کے مشرقی مینارے پر بیک وقت پندرہ سے بیس آدمی اذان دیتے ہیں۔ مقبرہ صلاح الدین ایوبی بھی دمشق کے قابل دید مقامات میں شامل ہے۔ مولوی صاحب نے یہاں بھی حاضری دی۔ بیت المقدس کی زیارت کرنا چاہتے تھے مگر دمشق سے یافہ جاتے ہوئے جہاز کے لیٹ ہو جانے کے اندیشے سے بیت المقدس نہ جا سکے۔ فلسطین کی بندرگاہ یافہ سے روانہ ہو کر مولوی صاحب مصر کی بندرگاہ پورٹ سعید پہنچے اور مصر کی سیاحت کی۔ سکندریہ پہنچے اسکندریہ سے

واپس بمبئی سے لاہور

بذیعہ ریل قاہرہ کا سفر کیا۔ مصر کی سیاحت کے بعد وہ براستہ نہر سویز عدن بالآخر 19 نومبر 1900 کو واپس بمبئی پہنچ گئے۔ بمبئی میں ان کی بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ بمبئی سے بذریعہ ریل گاڑی لاہور آئے جہاں دوستوں کی لمبی قطار نے ریلوے اسٹیشن پر ان کا استقبال کیا پھر 23 دسمبر کو اپنے احوال سفر ایک لیکچر میں اسلامیہ کالج لاہور میں بیان کیے۔

(61)

1917ء سمرسیٹ ماہم

SOMERSAT MAUGHAM

مشہور برطانوی ناول نگار، ڈرامہ نگار، صحافی اور سیاح جس نے مشرق بعید کے متعلق بہت کچھ لکھا

آج کل یہ ناول انگریزی زبان کے بہترین ناولوں میں سے ایک تسلیم کیا جاتا ہے مگر اس وقت اس کی قدر نہ کی گئی تھی۔

سمرسیٹ ماہم 25 جنوری 1874ء کو پیرس میں پیدا ہوا۔ اس کا والد رابرٹ ماہم ایک وکیل تھا اور پیرس کے برطانوی سفارت خانے کے قانونی معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ ان دنوں فرانس میں یہ قانون رائج تھا کہ پیرس کی سرزمین پر پیدا ہونے پر بچے کو فوج میں خدمات انجام دینا لازم ہیں۔ اس قانون سے بچنے کے لیے اس کے والد نے سمرسیٹ کی پیدائش کا انتظام برطانوی سفارت خانے کی عمارت میں کیا جو ٹیکنیکل طور پر برطانوی سرزمین تھی، تاہم سمرسیٹ ماہم نے پیرس میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کی ماں کی وفات کے بعد ماہم کو برطانیہ بھیج دیا گیا جہاں اس کے والد کی وفات کے بعد اس کے چچا نے اس کی پرورش کی اور اسے تعلیم دلوائی۔ ماہم نے کنٹربری اور ہیڈلبرگ یونیورسٹی میں اور پھر سینٹ ٹامس ہسپتال میں طب کی تعلیم پائی۔ لندن میں وہ کچھ عرصہ تک پیشہ ورانہ صلاحیت کو بروئے کار لاتا رہا۔ 1897ء میں اس نے لیزا آف لیمبتھ لکھ کر بحیثیت ناول نگار شہرت پائی۔ اسکے بعد متعدد کتابیں لکھیں جو لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہوئیں۔ اس کی تصانیف میں ایک تصنیف OF HUMAN BONDAGE ہے جو 1915ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب اس نے پہلی جنگ عظیم کے دوران ایمبولینس ڈرائیور کی خدمات انجام دیتے ہوئے لکھی تھی۔ اس کے ساتھ اور 24 اور مشہور مصنف بھی ایمبولینس ڈرائیور کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ ان میں مشہور امریکی مصنف ارنسٹ ہیمنگوے بھی شامل تھا۔ اسی زمانے میں سمرسیٹ کی ملاقات ایک نوجوان سان فرانسسکو امریکہ کے رہنے والے جیرالڈ ہیکسٹن Gerald Haxton سے ہوئی تھی جو اگلے 29 سال تک اس کا دوست اور ساتھی رہا۔

اشبیلیہ کی سیاحت پر

1920ء کی دہائی کے اولین سالوں میں سمرسیٹ ماہم کو اسپین کے مشہور شہر اشبیلیہ جانے کا موقع ملا۔ وہ اس شہر میں تقریباً سولہ ماہ تک قیام پذیر رہا اور اس نے ہسپانوی زبان پر دسترس حاصل کرلی۔ اس نے اپنے قیام سپین کا ذکر In The Land of the Blessed Virgin میں کیا ہے۔ جنگ عظیم اول کے بعد اور انقلاب روس 1917ء کے رونما ہونے سے پہلے جون 1917ء میں برطانوی سیکرٹ سروس کے ایک افسر اعلیٰ سر ولیم وائزمین Sir William Wiseman نے ایک خصوصی مشن پر روس بھیجا۔ اس مشن کا مقصد روس کی عبوری حکومت کو بالشویکوں کے مقابلے میں تقویت پہنچانا تھا مگر سمرسیٹ کے روس پہنچنے کے صرف ڈھائی ماہ بعدی بالشویکوں نے انقلاب اکتوبر 1917ء کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ ماہم نے بعدازاں لکھا تھا کہ اگر اسے صرف چھ ماہ پہلے اس مشن پر بھیجا جاتا تو وہ بالضرور کامیاب رہتا۔ اس نے اس جاسوسی مشن اور تجربے کو اپنے افسانوں کے انتخاب Ashenden میں پیش کیا ہے۔

چین اور جاپان کے سفر

مشرق بعید میں اس کے لامتناہی سفروں کا سلسلہ جو بورنیو Borneo چین، بحرالکاہل اور جاپان کے سفروں پر محیط ہے 1920ء کی دہائی سے شروع ہوا تھا۔ ان سفروں میں اس دوست ہیکسٹن اس کے ساتھ تھا

سمرسیٹ ماہم کی 78 تصانیف میں صرف چار ایسی ہیں جنھیں سفرناموں کی فہرست میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سرفہرست اس کی تصنیف The Gentleman in the Parlor ہے جو رنگون سے ہے پھونگ Haiphong تک اس کے سفر کا احوال ہے اور آج تک جنوب مشرقی ایشیا پر لکھی جانے والی اہم ترین کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ یہ کتاب 1929ء میں شائع ہوئی تھی۔ چین کے متعلق اس کی کتاب On A Chinese Screen بھی ایک کلاسیک کی حیثیت رکھتی ہے۔ جنوبی سپین میں اس کی آوارہ گردیاں، جیسا کہ پہلے ذکر آیا، اس کی کتاب "ان دی لینڈ آف بلیسڈ ورجن" میں قلم بند کی گئی ہیں۔

اگرچہ اس کی تمام تصانیف کے پس منظر میں اس کے سفر ہی کارفرما تھے مگر وہ سفرنامہ کی صنف میں شامل نہیں کی جاتیں۔ سمرسیٹ ماہم کی سفرنگاری کی ایک خوبصورتی یہ ہے کہ سفرنامہ نگاری کے اس وقت رائج تمام اصول توڑتا ہوا نظر آتا اور یہی بات اسے بیسویں صدی کے اہم سفرنگاروں میں شامل کردیتی ہے۔

(62)

1921ء ڈیوڈ ہربرٹ لارنس

DAVID HERBERT LAWRENCE

اس کی بیوی کی ہدایت پر اس کی لاش دفنانے کے بعد نکالی گئی اور اسے اس کی وصیت کے مطابق
آگ کا غسل دیا گیا اور اس کی راکھ کو نیو میکسیکو کے ایک گرجا گھر میں دفن کر دیا گیا۔

ڈیوڈ ہربرٹ لارنس (1885-1930ء) انگریز مصنف اور شاعر جس نے نئے موضوعات اور طرز دونوں میں ایک خاص انفرادیت نمایاں کی اس کا اصل موضوع بے تصنع اور فطری جذبات ہیں اور وہ انسان کی جبلی قوتوں کی نشان دہی کی کوشش کرتا نظر آتا ہے جو اس کو مسرت سے ہمکنار کر سکتی ہیں۔ اس کے ناولوں میں Sons & Lovers، White Moor اور قوس قرح، گرفتار محبت عورتیں Women in Love اور کلغی دار سانپ The Plumed Serpent بہت مشہور ہیں۔ صحت کی تلاش میں اس نے میکسیکو کا سفر بھی کیا اور وہ سسلی اور اٹلی کی سیاحت پر بھی (1920ء) میں نکلا تھا۔

آدھی زندگی کی رضا کارانہ جلاوطنی

ڈی۔ ایچ۔ لارنس نے تقریباً آدھی زندگی رضا کارانہ جلاوطنی میں گذاری کیونکہ اس پر فحش نگاری کا الزام تھا اور سرکاری حلقے اس کے کام کا بائیکاٹ کرتے تھے۔ اپنی جلاوطنی کو وہ "Savage Pilgrimage" کہتا تھا۔ وہ کچھ زیادہ عمر بھی نہیں پا سکا اور اس کی موت کے وقت عوام میں اس کی شہرت زیادہ تر ایک فحش نگار Pornographer کی تھی جس نے اپنی صلاحیتوں کو ایسے غیر ضروری موضوعات پر لکھنے سے ضائع کر دیا تھا، تاہم اس کے ایک ہم عصر ناول نگار اور نقاد نے اس کی عوامی شہرت سے صرف نظر کرتے ہوئے اس کی صلاحیتوں کو بطور شاعر اور ناول نگار تسلیم کرتے ہوئے لکھا تھا کہ وہ ہمارے زمانے کا سب سے عظیم جذبات نگار تھا۔ اس کے بعد کیمبرج یونیورسٹی

کے ایک نقاد نے اسے انگریزی زبان کے عظیم ناول نگاروں میں شامل کر دیا تھا۔ 1915ء میں اس کا ناول قوس قزح Rain Bow شائع ہوا تو اس پر نقادوں نے فحش نگاری کا الزام لگایا۔ اسی دوران اس نے اپنا ناول ''گرفتار محبت عورتیں'' Women In Love مکمل کیا مگر یہ 1920ء سے پہلے نہ شائع ہو سکا۔ آج کل یہ ناول انگریزی زبان کے بہترین ناولوں میں سے ایک تسلیم کیا جاتا ہے مگر اس وقت اس کی قدر نہ کی گئی تھی۔

جاسوسی کا الزام

انھیں دنوں جنگ عظیم اول چھڑ جانے کے بعد ڈی۔ ایچ۔ لارنس پر جرمن آبدوزوں کو سگنل دینے کا الزام لگا اور اسے جرمنوں کا جاسوس قرار دیا گیا۔ 1917ء کے آخر میں برطانوی فوج نے اسے کارن وال Corn Wall چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا۔ 1919ء میں اس کے افسانوں کا مجموعہ سرمائی مور Wintry Peacock شائع ہوا تو وہ انفلوئنزا کا حملے کا شکار ہو گیا اور بڑی مشکل سے اس کی جان بچی۔

امریکہ اور میکسیکو میں

جنگ عظیم کی سختیاں برداشت کرنے کے بعد وہ اپنی خود ساختہ جلاوطنی پر نکل کھڑا ہوا۔ اس دوران اس نے آسٹریلیا، اٹلی، سری لنکا، امریکہ اور میکسیکو کی سیاحت کی اور کچھ دنوں کے لیے وہ جنوبی فرانس میں بھی رہا۔ اس نے برطانیہ نومبر 1919ء میں چھوڑا اور وسطی اٹلی کے مقام ابروزو Abruzzo میں کچھ عرصہ رہا۔ پھر جزیرہ کیپری چلا گیا۔ کیپری کے بعد اس کی اگلی منزل سسلی تھا جہاں سے وہ سارڈینیا گیا پھر مانٹی کسینو، مالٹا، شمالی اٹلی، آسٹریا اور جنوبی جرمنی کی سیاحت پر نکلا۔ اسی سفر اور جلاوطنی کے دوران اس کے کئی شاہکار ناول شائع ہوئے جن میں The Lost Girl، عصائے ہارون Aaron`s Rod شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ اس کا سفرنامہ Sea and Sardinia شائع ہوا جو اس کی نفیس ترین تحریروں میں سے ایک ہے اور انگریزی زبان کے بہترین سفرناولوں میں سے ایک تسلیم کیا جاتا ہے۔

سری لنکا اور آسٹریلیا

1922ء میں ڈی۔ ایچ۔ لارنس نے امریکہ میں مستقل قیام کی نیت سے یورپ کو خیر آباد کہا۔ یہ سفر امریکہ اس نے مشرق کی سمت میں کیا۔ سب سے پہلے وہ سری لنکا (Ceylvn) اور پھر آسٹریلیا پہنچا۔ کچھ عرصہ وہ اسٹریلیا کے شہر ڈارلنگٹن میں مقیم رہا جو مغربی آسٹریلیا میں واقع ہے۔ اسی دوران اس کی ملاقات آسٹریلوی ادیب مولی سکنر Mollie Skinner سے ہوئی۔ اسی دوران اس نے اپنا ناول کینگرو Kangroo مکمل کیا جو جنگ عظیم اول کے دوران اس کے کارن وائل کے تجربات کا عکاس ہے۔

ستمبر 1922ء میں آخر کار لارنس ریاست ہائے متحدہ امریکہ پہنچا۔ وہ امریکی ریاست نیو میکسیکو میں دو سال تک مقیم رہا جہاں اس کی ملاقاتیں مشہور امریکی ادیب آلڈس ہکسلے سے رہیں۔ امریکہ میں قیام کے دوران ڈی۔ ایچ لارنس نے Studies In Classic American Liter شائع کرائی جو اس کے ہم عصر نقادوں کے مطابق اس موضوع پر لکھی جانے والی بہترین کتابیں تھیں۔

سسلی سے سارڈینیا تک

اس کا سفرنامہ Sea & Sardinia اس کے جنوری 1921ء میں کیے گئے سسلی سے سارڈینیا تک کے بحری سفر کا روئیداد ہے۔ یہ سفر اس نے اپنی بیوی Frieda کیساتھ کیا تھا۔ سارڈینیا کی سیاحت کے دوران وہ Mandas،Cagliari، سور گونو Sorgono اور Nuoro کی سیر کے لیے گئے۔ اس سفرنامہ کی اقساط The Dial میں شائع ہوئیں پھر یہ سفرنامہ نومبر 1921ء میں نیویارک سے شائع ہوا جبکہ اس کا برطانوی ایڈیشن 1923ء میں نکلا۔

مرنے کے بعد بھی جلاوطن

2 مارچ 1930ء کو ڈی۔ ایچ ۔ لارنس کی وفات بعارضہ ٹی بی رابر منڈ وینس فرانس میں واقع ہوئی۔ اس کا آخری کام Book of Revelation تھا۔ اس کی بیوی کی ہدایت پر اس کی لاش دفنانے کے بعد نکالی گئی اور اسے اس کی وصیت کے مطابق آگ کا غسل دیا گیا اور اس کی راکھ کو نیو میکسیکو کے ایک گرجا گھر میں دفن کر دیا گیا۔ یوں مرنے کے بعد بھی ڈی۔ ایچ لارنس جلاوطن ہی رہا اور برطانیہ کبھی واپس نہ آ سکا سوائے ایک دو مختصر دوروں کے جو شاید کاروباری نوعیت کے تھے۔

(63)

1921ء قاضی عبدالغفار

مولانا محمد علی اور دیگر اراکین وفد خلافت کی واپسی کے بعد ہر شخص نے یہ سمجھ لیا تھا کہ جہاں تک اہل برطانیہ اور برطانوی وزراء کا تعلق ہے ہم مسلمانان ہندوستان نے آخری محبت پیش کر دی

قاضی عبدالغفار (1888-1956ء) مراد آباد بھارت میں پیدا ہوئے اور انھوں نے وفات حیدر آباد دکن میں پائی۔ مشہور صحافی اور افسانہ نگار تھے۔ عملی زندگی کا آغاز صحافی کی حیثیت سے کیا۔ پہلے ''صداقت'' کلکتہ اور پھر ہمدرد (دہلی) میں کام کیا پھر متعدد اخبار خود جاری کیے۔ آخری دور میں حیدر آباد دکن چلے گئے تھے اور وہاں سے اخبار ''پیام'' جاری کیا تھا۔ صحافت کے ساتھ ساتھ ان کی ادبی تخلیقات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ''لیلیٰ کے خطوط''، ''مجنوں کی ڈائری'' اور ''تین پیسے کی چھوکری'' ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔ لیلیٰ کے خطوط کو ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے قارئین نے پسند کیا اور اسے بہت زیادہ مقبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ اس کتاب میں انسانی عمل کا نفسیاتی تجزیہ کیا گیا ہے اور یہ شگفتہ ادبی انداز میں قصے کے طور پر لکھی گئی ہے۔

بھارتی فوج کے مظالم کی رپورٹ

قاضی صاحب نے کچھ سوانح عمریاں بھی لکھیں۔ 1947ء میں علی گڑھ آ گئے اور انجمن ترقی اردو بھارت کے معتمد مقرر ہوئے۔ قاضی صاحب، گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد کے قریبی دوست تھے۔ اسی وجہ سے تحریک آزادی کے دوران برطانوی حکومت نے انھیں بھی قید و بند کی صعوبتیں دیں۔ حیدر آباد دکن پر ہندوستان کی حکومت کے قبضے کے بعد قاضی صاحب کو پنڈت سریندر لال اور مولانا عبدل مصری کے ساتھ بھارتی فوج کی طرف سے کیے گئے مظالم کی رپورٹ تیار کرنے کا کام دیا گیا تو ان کی اس رپورٹ پر بھارت کی حکومت شرمندہ ہوگئی۔ قاضی صاحب 1921ء میں یورپ گئے اور انھوں نے اس کا سفر نامہ بھی لکھا۔

قاضی عبدالغفار کے سفر نامہ ''نقش فرنگ'' میں نظر افروزی کم اور عبرت انگیزی زیادہ ہے۔ قاضی صاحب

لندن میں 1921ء کے سفر کے دوران ایک غلام ملک کے سیاسی نمائندے تھے اسی لیے وہ لندن کی رعنائیوں میں گم ہو جانے کے بجائے اپنے سیاسی وجود کا احساس دلانے میں مصروف رہے تاہم جب سیاسی مذاکرات ختم ہوئے تو قاضی صاحب کے اندر کا ادیب جاگا اور انھوں نے دیدہ دل کے درمیان حائل سب پردوں کو اٹھایا۔ سفرنامے کے اس حصے میں ادبی شان پیدا ہوئی ہے۔ جدید سفرنامہ میں مشاہدات اور محسوسات میں امتزاج عمل میں لایا جا رہا ہے اس کی ابتدا بجا طور پر قاضی صاحب سے منسوب کی جاسکتی ہے۔

نقش فرنگ کی اشاعت

نقش فرنگ 1924ء میں شایع ہوا تھا لیکن اس کی اشاعت میں کافی وقت لگا تھا کیونکہ قاضی صاحب نے اس کا انتساب مسیح الملک حکیم اجمل خان کے نام کیا تھا۔ یہ سفرنامہ 1923ء میں سپردقلم کیا گیا اور ''پھر دل طواف کوئے سلامت کو جائے ہے'' کے زیرعنوان پیش لفظ جون 1923ء میں لکھا۔ گذشتہ سال موسم گرما میں یورپ سے واپس آنے کے بعد چند ہفتے بمقام سوان جناب قبلہ مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب کی پاکیزہ اور دل فریب صحبت میں گذارے۔ ان ہی چند ہفتوں میں یہ اوراق مرتب ہوئے مگر ان کی تکمیل نہ ہوسکی۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یورپ کا یہ سفر 1921 میں کیا گیا تھا اور ''نقش فرنگ'' کا مسودہ بھی اسی سال لکھا گیا تھا۔ اس وقت قاضی عبدالغفار کی عمر 33 سال تھی۔ ایک طرف لیلیٰ کے خطوط اور مجنوں کی ڈائری اور دوسری طرف آثار جمال الدین افغانی، ''حیات اجمل' اور آثار ابوالکلام آزاد کے مصنف کے حیثیت سے قاضی صاحب نے جو شہرت اور امتیاز حاصل کیا تھا اس کا نقش اولین ہمیں ان کے سفرنامے ''نقش فرنگ'' میں نظر آتا ہے۔ اس کتاب کو اپنی اولین تصنیف خود قاضی عبدالغفار نے بتایا ہے۔

یورپ کا پہلا سفر

یورپ کا پہلا سفر قاضی عبدالغفار نے وفد خلافت کے سیکریٹری کی حیثیت سے کیا تھا۔ یہ خلافت کمیٹی کا دوسرا وفد تھا جو خود حکومت برطانیہ کی طلبی پر لندن گیا تھا جبکہ پہلا وفد مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں جا کر ناکام واپس آ چکا تھا۔ اس کے بارے میں قاضی صاحب کا تاثر یہ تھا کہ مولانا محمد علی اور دیگر اراکین وفد خلافت کی واپسی کے بعد ہر شخص نے یہ سمجھ لیا تھا کہ جہاں تک اہل برطانیہ اور برطانوی وزراء کا تعلق ہے ہم مسلمانان ہندوستان نے آخری محبت پیش کردی اس کے بعد دلائل و براہین کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی گنجائش ہے۔ پھر وزیراعظم برطانیہ لائیڈ جارج کی دعوت پر یہ دوسرا وفد لندن گیا تھا۔

(64)

1924ء۔راہول سنکریتیان

MAHA PANDIT RAHAL SANKRITAYAN

پھر بدھ مت اختیار کرنے کے بعد اس کی زندگی بدل گئی اور آہستہ آہستہ پھر وہ مارکسسٹ بن گیا اور خدا کے وجود پر یقین کھو بیٹھا۔یوں دہریت اس کی زندگی کا فلسفہ بن گئی۔

بابائے ہندی سفرنامہ جس نے اپنی زندگی کے 45 سال سفر میں گذار دیے مہا پنڈت راہول سنکریتیان (1893-1963ء) بابائے ہندی سفرنامہ کہلاتا ہے۔اس نے ہندی زبان میں یہ سفرنامہ لکھنے کی روایت قائم کی تھی۔ ہندوستان کے اس عالم نے اپنی زندگی میں بہت سے سفر کیے اور تقریباً اپنی زندگی کے 45 سال گھر سے باہر سیر وسیاحت میں بسر کیے۔اس نے بہت سے مقامات کی سیاحت کے بعد سفرنامے لکھے۔اس کا سفرنامہ "میری لداخ یاترا" بہت مشہور ہے اور ایک ایسا سفرنامہ ہے جس میں راہول نے اس علاقے کی تاریخ وجغرافیہ کے ساتھ ساتھ تہذیب وثقافت کو بھی بیان کیا ہے۔راہول ہندومت چھوڑ کر ایک بدھ بھکشو بن گیا تھا اور اپنی زندگی کے آخری سالوں میں مارکسسٹ بن گیا تھا۔

راہول 9 اپریل 1893ء کو اعظم گڑھ تحصیل کے ایک گاؤں پنڈا Pandah میں پیدا ہوا جو بھارت کے صوبے اتر پردیش میں واقع ہے۔تعلیم کے حصول کے دنوں میں وہ آریا سماج کے سوامی دیانند سرسوتی سے بہت متاثر تھا۔پھر بدھ مت اختیار کرنے کے بعد اس کی زندگی بدل گئی اور آہستہ آہستہ پھر وہ مارکسسٹ بن گیا اور خدا کے وجود پر یقین کھو بیٹھا۔یوں دہریت اس کی زندگی کا فلسفہ بن گئی۔

لداخ، کنور اور کشمیر

سفر وسیاحت سے دلچسپی اسے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں لے گئی جن میں لداخ، کنور اور کشمیر شامل

تھے۔اس کے علاوہ اس نے کئی غیر ممالک کے سفر بھی کیے جن میں نیپال، تبت سری لنکا، ایران، چین اور روس شامل ہیں۔اس نے صوبہ بہار کے ایک گاؤں پرساگڑھ میں گذارے آج کل اس گاؤں کے داخلی دروازے کا نام اس کے نام پر ''راہول گیٹ'' رکھ دیا گیا ہے۔۔دوران سفر وہ زیادہ تر زمینی سواریوں میں سفر کرتا تھا۔اس نے کئی ممالک کا سفر چوری چھپے بھی کیا جیسے کہ ان دنوں تبت میں غیر ملکیوں کے داخلے کی ممانعت تھی اس لیے وہ تبت کی سیاحت پر ایک بدھ بھکشو کے بھیس میں نکلا اور اس نے تبت کی کئی مرتبہ سیاحت کی اور وہاں سے کئی نایاب تصاویر اور پالی اور ہندی زبان کے قدیم مسودے ہندوستان لایا اور انھیں نالندہ اور وکرسٹملا کی لائبریریوں میں محفوظ کرادیا۔یادر ہے یہ مسوادات بارھویں صدی میں مسلمانوں کے ہندوستان پر حملے کے دوران بھارت سے فرار ہونے والے بدھ عالم اپنے ساتھ تبت لے گئے تھے۔ ایک بیان کے مطابق یہ مسودات تبت سے واپس لانے کے لیے سنکر یتیان نے 22 خچروں پر لاد کر پہاڑوں کو عبور کیا تھا۔

سات زبانوں پر دسترس

سنکر یتیان بہت سی زباوں پر دسترس رکھنے والا ایک عالم تھا۔اسے سنکرت، پالی، اردو، بھوج پوری، فارسی، عربی، تامل، کناڈا، تبتی اور سنہائی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔اس کے علاوہ یورپی زبانوں میں وہ انگریزی، فرانسیسی اور روسی زبانوں پر دسترس رکھتا تھا۔اس نے اپنی عمر کی بیسویں دہائی میں لکھنا شروع کیا تھا اور اس کی تصانیف کی تعداد 100 سے زائد ہے اور علم التاریخ، سوشیالوجی، فلسفہ، بدھ مت، گرامر، لوک داستانیں، سائنسی اور ڈرامہ اور سیاسات جیسے علوم کا یہ کتابیں احاطہ کرتی ہیں۔اس کی تصانیف میں ایک اہم ترین کتاب اس کا سفرنامہ ''وولگا سے گنگا تک'' ہے جو ہندی زبان میں لکھا گیا ہے۔یہ قدیم زمانے میں آریاؤں کی روس سے ہندوستان ہجرت کے بارے میں پراز معلومات کتاب ہے۔یہ کتاب 600 ق م سے شروع ہوتی ہے اور 1942ء میں گاندھی کی چلائی گئی تحریک ''ہندوستان چھوڑدو''

میری یورپ یاترا

تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔اسکے علاوہ اس کے سفرناموں میں اہم سفرنامہ ''تبت میں سواورشا'' ''میری یورپ یاترا'' ایشیا کے ورگم بھوکانڈ میں ''میری لداخ یاترا'' ہیں اس کی تصانیف پر اس کو 1963ء میں ''پدم بھوشن'' بھارت کا سب سے بڑا ایوارڈ دیا گیا۔38-1937ء میں اسے روس کی لینن گراڈ یونیورسٹی نے اعزازی پروفیسر مقرر کیا تھا۔

(65)

1924۔ قاضی ولی محمد

قاضی صاحب کے سفرنامے میں قدم قدم پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف خود محوِ سفر ہیں بلکہ قاری کو بھی اپنا ہمسفر بنا لیتے ہیں۔ انھوں نے اس ملک کے ماضی کی ہر چیز کو بڑی چاہ سے دیکھا اور اس کی یاد میں دیر تک آنسو بہاتے رہے۔

اندلس کے سفر پر

اندلس جسے آج کل اسپین کہا جاتا ہے مسلمانوں کی عظمت شان و شوکت کا جیتا جاگتا نمونہ تھا۔ اندلس کا دارالحکومت میڈرڈ اور اس کا ایک عظیم شہر غرناطہ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن اور علم و فن کی ترقی اور کامرانی کا نقطۂ عروج تھا۔ تقریباً کئی ایک صدی پیشتر یہ عروج سیاسی زوال سے دوچار ہوا اور مسلمانوں کا یہ تہذیبی قلعہ مسمار ہو گیا۔ مسلمان جب اپنی عظمت پارینہ کا تصور کرتے ہیں تو اندلس انھیں بالضرور یاد آتا ہے۔ اسی اندلس کو چشم تصور سے باہر حقیقی آنکھوں سے دیکھنے کا شوق قاضی ولی محمد صاحب کو برطانوی ہندوستان سے اسپین لے گیا۔ یہاں پہنچ کر انھیں اپنی تاریخی معلومات میں اضافہ کرنے کا اچھا موقع ملا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''میں نے 1924ء کا یہ سفر یورپ محض اندلس کی صحرانوردی کے لیے کیا تھا اور حتی الامکان جزیرہ نما کے ایک بڑے حصے کی سیاحت کر کے اپنی تاریخ اندلس کے لیے تھوڑی بہت معلومات بہم پہنچائیں۔'' (سفرنامہ اندلس قاضی ولی محمد)

قاضی ولی محمد ایک بندہ تاریخ

قاضی ولی محمد بنیادی طور پر تاریخ کے آدمی ہیں۔ تاریخ نگاری ہی ان کا مقصودِ سفر تھا۔ انھوں نے اپنے سفرنامے میں امور سیاست سے دور رہنے کی کوشش کی اور تخلیقی اسلوب کی نئی جہت سے روشناس کرایا۔ سفر اندلس قاضی ولی محمد کا مقصدی سفر تھا۔ وہ اندلس کی ایک مبسوط تاریخ لکھنا چاہتے تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ تاریخی ماخذات کو جمع کر کے

مستند حوالوں سے کتاب کو معتبر بنا دیں۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ اندلس کی سیاحت کے دوران ان راستوں سے گزرے جن سے کبھی عرب فاتحین اس ملک میں داخل ہوئے تھے۔ انھوں نے اندلس میں اپنے چار ماہ کے قیام کے دوران اسی خاص مقصد کو سامنے رکھا اور عام روش سے ہٹ کر اپنا ''سفرنامہ اندلس'' قلمبند کیا۔

اندلس کے سفر کے مقاصد

قاضی ولی محمد نے اپنے سفر اندلس کے مقاصد کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے اور صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ انھیں سیر و سیاحت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور نہ ہی اسباب تجارت سے کوئی سروکار۔ تمدن تہذیب ایجادات و انکشافات، تعلیم و ثقافت اور اسی قسم کی دوسری باتوں سے انھوں نے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے۔ قاضی ولی محمد اپنے پورے سفر اندلس میں اندلس کی تاریخ کے اوراق پارینہ پلٹتے رہے تھے۔ تاریخ سے متعلق ہر دستاویز کو انھوں نے ایک سچے مورخ کی نظر سے دیکھا ہے اور قرائن کا بڑے غور و خوض سے مطالعہ کیا ہے۔ قاضی صاحب کے سفرنامے میں قدم قدم پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف خود محوِ سفر ہیں بلکہ قاری کو بھی اپنا ہمسفر بنا لیتے ہیں۔ انھوں نے اس ملک کے ماضی کی ہر چیز کو بڑی چاہ سے دیکھا اور اس کی یاد میں دیر تک آنسو بہاتے رہے۔ دوران سفر انھیں جہاں کہیں قدیم مساجد، مقابر، مزارات، دیہات اور قصبات اور شاہی کھنڈرات کا سراغ ملا وہاں وہاں وہ ضرور پہنچے۔ مسلمانوں کے جاہ و جلال اور شوکت و سطوت کو یاد کر کے وہ ہر اس مقام تک پہنچے جہاں کبھی غازیان اسلام کے گھوڑے دوڑتے پھرتے تھے۔ یوں ان کا یہ سفرنامہ خود ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔

(66)

1927ء محمد اسد لیوپولڈ ویس

مشہور جرمن مفکر محمد اسد جن کا نام لیوپولڈ ویس تھا قبول اسلام کے بعد محمد اسد نام رکھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد صحافت کا پیشہ اختیار کیا۔ یورپ میں رہتے ہوئے جب انھوں نے یورپ کے لوگوں کو ایک ایسے روحانی کرب میں مبتلا دیکھا جس کا علاج یورپ کی مرفہ الحالی، سائنس وتجارت کی ترقی اور سامان عیش وعشرت کی فراوانی کے پاس بھی نہیں تھا۔ اس روحانی بے چینی کا علاج ڈھونڈتے ہوئے لیوپولڈ ویس نے آغوش اسلام میں پناہ لی۔

مرکز ایمان کے سفر پر

محمد اسد نے تہذیب جدید کے یوروپی مرکزوں سے امن وایمان کے مرکز یعنی مکہ تک پہنچنے کے اس سفر کی روئیداد اپنی کتاب Road To Mecca میں بیان کیا ہے جو ان کا ایک اچھوتا سفرنامہ ہے۔ اس سفرنامے میں انھوں نے اپنے ذہنی سفر وہجرت کی داستان اور اپنے قبول اسلام کی کہانی بڑے نفسیاتی اور ادبی انداز سے سنائی ہے۔ انھوں نے بقول سید ابوالحسن علی ندوی اور موضوع کو توڑ کر اس کے اجزا کو صحرائے عرب کے پرخطر سفروں، عرب کے اجتماعی ومعاشرتی زندگی کے تجربات، قبائل عرب اور ان کے سرداروں اور سلطان ابن سعود اور ان کے خاندان کے امراء کے دلچسپ حالات اپنی اس سفری روئیداد میں اس طرح شامل کردیے ہیں کہ ایک مغربی قاری ان کو اسی شوق اور دلچسپی اور تجسس کے ساتھ پڑھ سکتا ہے جس شوق ودلچسپی سے وہ سندباد جہازی کے سفرنامے یا مشرق کے کسی دلچسپ اور پر از معلومات روئیداد سفر کو پڑھتا ہے۔ صحرائے عرب میں سفر کے واقعات اس انداز میں پیش کیے گئے ہیں کہ قاری ہر لمحہ پُرخطر واقعات پر چونک اٹھتا ہے مثلاً وہ لکھتے ہیں:

صحرائی طوفان کا سامنا

''صحرائی آندھی کی آمد سے پہلے میں نے اپنے سامنے والے ریت کے ٹیلے پر اچانک کچھ

حرکت سی محسوس کی۔ شاید یہ میرا گم شدہ اونٹ تھا جس کی تلاش میں میں نکلا تھا مگر جب غور سے دیکھا تو یہ حرکت ریت کے اوپر نہیں بلکہ اس کی سطح کے اندر ہو رہی تھی۔ پھر آسمان سرخ ہونے لگا اور افق پر صحرائی سرخی پھیل گئی۔ اسکے بعد ریت کے بادل میرے چاروں طرف جمع ہونے لگے اور میرے چہرے پر طمانچے لگانے لگے۔ جلد ہی وادی کے ہر طرف ہوا کی زبردست گڑگڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ آسمان تاریک ہو گیا اور ریت کے بادلوں نے سرخ کہر کی طرح سورج اور اس کی روشنی کو چھپا لیا۔ بلا شبہ یہ صحرا کی آندھی تھی...... پھر اس صحرائی آندھی میں گھر جانے کے بعد وہ صحرا میں بھٹک گئے اور کئی روز تک اپنے مشکیزے کا پانی ختم ہو جانے کے بعد سفر کرتے رہے۔ قریب تھا کہ وہ اس صحرا کی پنہائیوں میں گم ہو کر رہ جاتے کہ کچھ عرب بدوؤں نے ان کی جان بچالی۔"

مدینہ منورہ میں

مدینہ منورہ کے بارے میں کچھ یوں رقم طراز ہیں:

"عصر کا وقت تھا۔ میں مدینہ منورہ کے باہر ایک دوست کے کھجور کے باغ میں، جو قبا کے پاس واقع ہے، بیٹھا تھا۔ کھجور کے گھنے درختوں کے اندر سے ڈوبتے ہوئے سورج کی روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی۔ کچھ فاصلے پر شہر کی سفید سفید دیواریں نظر آ رہی تھیں جو سرخ پتھروں اور گارے کی بنی ہوئی تھیں۔ ادھر ادھر گنبد اور مینارے بھی صاف نظر آ رہے تھے۔ دور سے مسجد النبوی ﷺ کے پانچ مینار نظر آ رہے تھے، بلند اور دل نواز۔ اس کے بعد بڑا قبہ خضراء بھی نظر آیا...... نبی محترم ﷺ کی وفات کے بعد بھی لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت آج بھی اسی طرح قائم تھی جیسے روز اول میں تھی۔ آج بھی وہ اپنے ماننے والوں کے دلوں میں زندہ ہیں اور مدینہ منورہ کا ایک ایک پتھر اس کی گواہی دیتا ہے۔" (طوفان سے ساحل تک)

(67)

1937ء ایمیلیا ایرہارٹ

AMELIA EARHART .MARY

بحر اوقیانوس پر ہواباز کی حیثیت سے تنہا پرواز مکمل کرنے والی پہلی خاتون

اپنے ہوائی جہاز Lock Head M.10 سمیت اچانک غائب ہوگئی

ایمیلیا ایرہارٹ (1897-1937ء) ایک امریکی ہواباز اور امریکی محکمہ ہوابازی American Aviation کی بنیاد رکھنے والوں میں ایک تھی۔ ایرہارٹ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے بحراوقیانوس پر ایک خاتون ہواباز کی حیثیت سے تنہا پرواز مکمل کی تھی اور اپنے اس کارنامے پر اسے امریکی امتیازی فلائنگ کراس کا تمغہ دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی اس نے ہوابازی کے میدان میں کئی اور ریکارڈ بھی قائم کیے تھے۔ اس نے ہوابازی کے شعبے میں اپنے تجربات پر بھی کئی بیسٹ سیلنگ کتابیں لکھی تھیں۔ اس کے علاوہ اس خواتین ہوابازوں کی ایک تنظیم 99 NINETY-NINE قائم کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا تھا۔

دنیا کے گرد فضائی سفر

1937ء میں دنیا کے گرد فضائی چکر لگاتے ہوئے ایمیلیا ایرہارٹ وسطی بحرالکاہل پر پرواز کرتے ہوئے اپنے ہوائی جہاز Lock Head M.10 سمیت اچانک غائب ہوگئی تھی مگر اس کی فضائی مہمات، اس کی زندگی اور اس کے اچانک گم ہو جانے سے آج بھی لوگوں کو دلچسپی ہے۔

ایمیلیا ایرہارٹ، سموئیل ایڈون ایرہارٹ کی بیٹی تھی اور امریکی ریاست کنساس میں پیدا ہوئی۔ اس کے والدین جرمن نژاد امریکی تھے۔ مہمات سے دلچسپی اسے بچپن سے تھی۔ 1916ء میں اس نے شکاگو ہائیڈ پارک ہائی سکول سے گرجوایشن مکمل کی۔ 1917ء میں کرسمس کی چھٹیوں کے دوران اس نے اپنی ایک بہن سے ملنے کے لیے

ٹبر نٹو کینیڈا کا سفر کیا۔ پہلی جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ ایمیلیا ایرہارٹ نے انسانی ہمدردی کے تحت ریڈ کراس سے نرسنگ کی ٹریننگ لی اور رضا کارانہ طور پر ایک ملٹری ہسپتال میں خدمات انجام یں۔ 1918ء میں جب ہسپانوی انفلوئنزا کی وبا ٹورنٹو میں پھیلی تو ایمیلیا ایرہارٹ نرسنگ کی خدمات انجام دے رہی تھی۔ اس وبائی مرض میں وہ خود ایک مریض بن گئی۔ اس بیماری سے صحت یابی کے بعد ایمیلیا ایرہارٹ اور اس کی ایک دوست نے ٹورنٹو میں واقع ایک ایرفیلڈ کی سیاحت کی اور یوں ہوابازی سے اس کی دلچسپی قائم ہوگئی اور 1920ء میں اس نے باقاعدہ ہوابازی کی تربیت حاصل کی اور اس کی ہوابازی کے مستقبل کا آغاز ہوگیا۔ اس نے کینیری Canary ناک کا ایک بائی پلین ہوائی جہاز خرید لیا اور 14000 فیٹ کی بلندی پر پرواز کر کے ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔

بحراوقیانوس پر پرواز

1927ء میں چارلس لنڈبرگ کی بحراوقیانوس پر کامیاب پرواز کے بعد ایمیلیا ایرہارٹ کی دلچسپی ایک خاتون کی حیثیت سے بحراقیانوس کو تنہا پرواز کر کے عبور کرنے میں بڑھ گئی مگر اس سفر کے خطرناک سفر ہونے کی وجہ سے کسی کمپنی نے اس کی حوصلہ افزائی نہ کی۔ آخر اپریل 1928ء میں اسے کیپٹن ہلٹن ایچ ریلے کی طرف سے ایک فون کال موصول ہوئی جس میں بحراوقیانوس پر پرواز کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ پھر اس عبور اوقیانوس منصوبے میں تعاون کرنے والوں نے اس سے ملاقات کی۔ اس سلسلے کی پہلی پرواز اس نے کو پائلٹ کی حیثیت سے 17 جون 1928ء کو پائلٹ ولمر سٹلٹز کے ساتھ نیوفاؤنڈلینڈ سے ماؤتھ ویلز انگلستان تک 20 گھنٹے چالیس منٹ میں کی۔

تنہا پرواز کا ریکارڈ

پھر 19 جون 1928ء کو ایمیلیا ایرہارٹ نے بحراوقیانوس پر خاتون کی حیثیت سے پہلی تنہا پرواز کی اور وولسٹن، ساؤتھپٹ انگلینڈ پہنچنے پر اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ یہ پرواز اس نے ایک AVRO AVIAN 594 ہوائی جہاز میں کی تھی اور فضائی سیاحت میں ایک نیا ریکارڈ قائم کیا تھا۔ اس کامیاب فضائی مہم کے بعد اخبارات نے ایمیلیا ایرہارٹ کو ''ملکہ فضا'' (Queen of the Air) کا خطاب دیا تھا۔ ایمیلیا ایرہارٹ نے بحراوقیانوس پر کامیاب پرواز کے بعد ایک اور نیا ریکارڈ براعظم شمالی امریکہ کو تنہا پرواز کر کے عبور کرنے کا ایک اور ریکارڈ قائم کیا۔ پھر 1929ء میں پہلی سانتا مونی کا سے کلیولینڈ خوانی کی ایرڈربی ریس میں حصہ لے کر اس نے چوتھی پوزیشن حاصل کی۔ پھر 1930ء میں اس نے 18415 فیٹ کی بلندی پر پرواز کر کے اس نے ایک اور نیا ریکارڈ قائم کیا۔ 7 فروری 1931ء کو ایمیلیا ایرہارٹ نے پبلشر جارج پی پٹم سے شادی کر لی۔ شادی کے بعد بھی اس کی فضائی مہمات جاری رہیں اور مئی 1932ء میں ایمیلیا ایرہارٹ نے ہاربر گریس، نیوفاؤنڈلینڈ سے پیرس تک کامیاب تنہا پرواز مکمل کی۔ یہ پرواز 14 گھنٹے اور

56 منٹ میں مکمل کی گئی۔ اس پرواز میں کامیابی پر اسے امریکی صدر ہربرٹ ہورنے سونے کا تمغہ دیا اور فرانس نے بھی لیجن آف آنر سے نوازا۔ 1935ء میں ایمیلیا ایرہارٹ نے ہونولولو جزائر ہوائی سے اوکلینڈ، کیلی فورنیا تک تنہا پرواز کرنے کا ایک نیا ریکارڈ قائم کیا اور اسی سال وہ لاس اینجلس سے میکسیکو تک بھی تنہا پرواز کرنے میں کامیاب رہیں۔

اس کی کتاب Last Flight دراصل اس کے سفری روزناموں سے اقتباسات پر مشتمل ہے جو اس کی 1937ء دنیا کے گرد پرواز کے دوران گمشدگی کے بعد اس کے شوہر اور پبلشر جارج پٹنم نے مدون کر کے شائع کرائی تھی۔ یہ اس کے آخری سفر کی روئیداد ہے۔

آخری فضائی سفر

1936ء میں ایمیلیا ایرہارٹ نے دنیا کے گرد تنہا فضائی سیاحت کرنے کا فیصلہ کیا تھا جو 47000 کلومیٹر یا 29000 میل کے فضائی سفر پر مشتمل تھی۔ اس سفر کے لیے لاک ہیڈ کمپنی نے ایک خصوصی جہاز Lok Head Electra103 تیار کیا اور اسے فضائی لیبارٹری کا نام دیا۔ اس سفر میں ایمیلیا ایرہارٹ نے فریڈ نونان کو اپنے اس سفر کا نیوی گیٹر مقرر کیا۔ 17 مارچ 1937ء کو ایمیلیا ایرہارٹ اور اس کا ساتھی عملہ اس سفر کے پہلے مرحلے یعنی اوکلینڈ کیلیفورنیا سے ہونولولو، ہوائی کے لیے روانہ ہوا مگر یہ کوشش ناکام رہی۔ اس سلسلے کی دوسری کوشش مغرب میں مشرق کی سمت میں سفر کر کے کی گئی۔ اس سفر میں نونان ایمیلیا کا واحد سفری ساتھی تھا۔ اس سفر کا آغاز یکم جون 1931ء کو میامی امریکہ سے کیا گیا۔ اس مرتبہ جنوبی امریکہ، افریقہ، برصغیر پاک و ہند، جنوب مشرقی ایشیا اور نیوگنی میں سٹاپ کیے گئے اور 22000 میل کا فاصلہ طے کر لیا گیا۔ 2 جون 1937ء کو ایمیلیا ایرہارٹ جزیرہ Lae سے روانہ ہوئی اور نو کو مینو آئی لینڈ کے قریب وسطی بحرالکاہل میں اپنے جہاز کے ساتھ غائب ہوگئی۔ طیارے کو تلاش کرنے کی کوششیں کی گئیں جو ناکام رہیں۔

(68)

خواجہ حسن نظامی

مجھے ان گلیوں کا چپہ چپہ لندن و پیرس کی شاہراہوں سے بڑھ کر محسوس ہوتا ہے۔ یہ وہی راستے ہیں جہاں مولائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم چلتے پھرتے تھے۔ یہ وہی گلیاں ہیں جو ایک گزرنے والے کی غیبی خوشبو سے مہکا کرتی ہیں۔''

خواجہ حسن نظامی کا اسلوب نگارش

خواجہ حسن نظامی دہلوی (1878-1955ء) خواہرزادگان حضرت محبوب الٰہی کے خاندان سے تھے۔ محنت اور منفرد اسلوب تحریر کی بدولت بہت ترقی کی اور ہمہ گیر شہرت پائی۔ بے شمار چھوٹی بڑی کتابیں اور سفرنامے تصنیف کیے جن میں سب سے اہم سفرنامہ ''مصر و فلسطین و شام وحجاز'' ہے دہلی کے غدر کے افسانے اور دیگر تصانیف کے علاوہ قرآن مجید کا ہندی میں ترجمہ بھی کیا۔ پاکستان تشریف لائے تو سفرنامہ پاکستان بھی لکھا مگر سفرنامہ مصر و فلسطین و شام وحجاز'' ان کے مزاج کی اور ان کی تحریر دونوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس میں مختلف ممالک کے اہم مقامات اور اہم شخصیات کی تصاویر بھی شامل ہیں۔ تیکنیک کے اعتبار سے یہ سفرنامہ بھی خواجہ حسن کے دوسرے سفرناموں کی طرح ڈائری یا روزنامچہ کے انداز میں لکھا گیا ہے اور تمام واقعات، تاریخ وار درج کیے گئے ہیں۔ اس طریقے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ خواجہ حسن نظامی کے ہاں خواہ مخواہ کی قیاس آرائی اور ظن وگمان کی گنجائش باقی نہیں۔

دل وجان کا سفر

حج بیت اللہ اور بلاد اسلامیہ کا سفر ہر مسلمان کی طرح خواجہ صاحب کے بھی دل وجان کا سفر تھا۔ انھوں نے جب پہلی بار فریضہ حج ادا کرنے کا ارادہ کیا تو بمبئی پہنچ گئے تھے مگر بوجوہ دہلی واپس آنا پڑا اس ناکامی پر ملول وافسردہ خاطر ہوئے اور اپنے اس سفرنامہ کے آغاز میں لکھتے ہیں:

''وہ دن جب کل پرسوں آنکھوں کے سامنے تھے کیسے غم آلودہ گزرے بس دل ہی جانتا ہے۔

کشش حجاز نے بمبئی تک کھینچا مگر گردشِ ایام نے دامن پکڑ لیا، نامراد دہلی واپس آیا۔ اب پھر ولولوں میں موج اٹھی اور زیارت حجاز کا تصور لہریں لینے لگا۔'' (سفرنامہ مصر و فلسطین و شام و حجاز)

روضۂ اطہر کی جمال آرائی

پھر جب حجاز مقدس پہنچے اور حضور پاک ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت کی تو کیفیت ہی دوسری تھی۔ روضہ اطہر کے سامنے کھڑے ہیں اور یہ الفاظ زبان پر ہیں:

''خوش نصیب ہیں یہ آنکھیں کہ روضہ اطہر کی جمال آرائی کو دیکھ رہی ہیں۔ نصیب والا ہے یہ ہاتھ کہ اس نورانی جالی مبارک کو تھامے ہوئے ہے اور اس زبان کی عزت پر تو جس قدر رشک کیا جائے تو کم ہے کہ وہ اس زندہ اور زندہ کرنے والے وجود سے کلام کا شرف حاصل کر رہی ہے۔''

مدینہ منورہ کی گلیاں دیکھ کر خواجہ صاحب اپنی وارفتگی کا تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''پھول کی کلی مدینہ کی گلی، دونوں تنگ دہن ہیں۔ ترکی حکومت کی بے پرواہی سے صفائی بہت کم ہے مگر مجھے ان گلیوں کا چپہ چپہ لندن و پیرس کی شاہراہوں سے بڑھ کر محسوس ہوتا ہے۔ یہ وہی راستے ہیں جہاں مولائے کائنات ﷺ چلتے پھرتے تھے۔ یہ وہی گلیاں ہی جو ایک گزرنے والے کی غیبی خوشبو سے مہکا کرتی ہیں۔'' (سفرنامہ مصر و فلسطین و شام و حجاز)

حضرت بلالؓ سے خطاب

خواجہ حسن نظامی صوفی منش ہیں۔ مزارات اور مرقدوں سے متعلق حالات و واقعات تفصیل سے بیان کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمہ قسم کی معلومات بھی فراہم کرتے ہیں۔ حضرت بلالؓ کے مزار مبارک پر پہنچتے ہیں تو خواجہ صاحب کا قلم اپنی آب و تاب کے ساتھ کبھی مکالمہ لکھتا ہے کبھی خود کلامی اور کبھی حضرت بلالؓ کو اپنے مخصوص انداز میں مخاطب کرتا ہے:

اٹھو یا بلالؓ! اٹھو بابا جان تک لے چلو۔ جاگو بلالؓ! جاگو! اذان کا وقت آ گیا''

(سفرنامہ مصر و فلسطین شام و حجاز)

فرعون کی نعش

پھر مصر پہنچتے ہیں تو فرعون مصر کی ممی کے بارے میں تازہ تحقیق بیان کرتے ہیں۔

''ابتدا میں فرعون کی لاش کا صحیح حال معلوم نہیں ہوسکا۔ مسٹر بورو نے حروف تابوت پڑھ کر قیاس لگایا تھا کہ مرنے والا خود ساخت بادشاہ ہے مگر جروف کو اس بیان میں شک تھا آخر پانچ چھ یورپی

فاضلوں کی موجودگی میں یہ تابوت کھولا گیا تو کفن کی عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ منفتاح ابن رعمسیس ثانی کی لاش ہے جو حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کے خروج کے ایام میں ڈوب گیا تھا۔ سکندر اعظم کی تاریخوں سے منفتاح بن رعمسیس ثانی کا پورا حال معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ فرعون تھا جس کو حضرت موسیٰؑ سے مقابلہ پیش آیا تھا۔"

مصر کے حمام کا ذکر ہر سیاح نے کیا ہے اور اکثر نے اس کی صفائی ستھرائی کو بہت تعریف کی ہے۔ البتہ اس بے حیائی پر کہ بیشتر جوان بوڑھے اس میں برہنہ ہو کر نہاتے ہیں تقریباً تمام بیرونی سیاح اس پر معترض ہیں۔ خواجہ صاحب کے اس بارے میں تاثرات بھی ملاحظہ فرمائیے:

مصر کے حمام میں سب ننگے

'حمام گو بہت وسیع تھا مگر اس قدر غلیظ اور متعفن کہ خدا کی پناہ کپڑے اتار اور تہبند باندھ کر اندر کے درجے میں گیا۔ وہاں متعدد ننگے دھڑنگے ہاتھی دانت کے موٹے موٹے کھلونے (مصری) بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے تن زار اور جسم لاغر کو دیکھ کر زور زور سے دعائیں مانگنے لگے کہ خدا اس مرض لاغر سے بچائے۔ مجھے ان کی یہ باتیں ناگوار گزریں۔ اس پر حمام کی بو، گرمی کی شدت سے دم گھٹنے لگا۔ ہر چیز میلی، حمام اندر سے بھی تمام کا تمام میلا۔ نہاتے وقت یہ لوگ بالکل برہنہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ کئی بوڑھے جوان حماموں میں ننگے پڑے ہوئے تھے اور مجھ کو غیرت کے مارے پسینہ چلا آتا تھا۔ جب میری نوبت آئی اور حمامی نے حسب عادت مالش کے وقت میرے تہبند کو بھی دور کرانا چاہا مگر میں نے اس کو ڈانٹا اور جلدی فارغ ہو کر واپس آ گیا۔" (سفرنامہ مصر و فلسطین شام و حجاز)

(69)

1927ء چارلس لنڈ برگ

Charles Lind Bergh

اس نے 25000 ڈالر کا انعام جیتنے کے لیے خصوصی طور پر اپنا طیارہ سپرٹ آف دی لوئیس خود تیار کیا تھا جس میں یہ خصوصیت رکھی گئی تھی کہ وہ اتنا ایندھن اٹھا سکے جو اسے بحر اوقیانوس پر پرواز کرنے کے لیے کافی ہو۔

امریکہ کا پہلا فضائی ہیرو

چارلس لنڈ برگ (1902-1974ء) ایک مشہور امریکی ہواباز، موجد، سیاح اور مصنف، جس نے 1927ء میں بعمر 25 سال اچانک قعر گمنامی سے نکل کر شہرت کے ایوانوں میں جگہ پائی تھی۔ یہ شہرت اسے نیویارک سے پیرس بغیر رکے تنہا پرواز ساڑھے 33 گھنٹوں میں جہاز سپرٹ آف دی لوئیس میں 3600 میل کا فاصلہ طے کر کے ملی۔ یہ شمالی امریکہ سے براعظم یورپ تک کی جانے والی پہلی کامیاب پرواز تھی۔

اس کے اس عظیم کارنامے نے کمرشیل پروازوں اور ہوائی ڈاک کی پروازوں کو ممکن بنا دیا مگر ساتھ ہی ایک ایسے المیہ کو جنم دیا جس کو مورخین نے Crime of the Century کا نام دیا ہے۔ یہ چارلیس لنڈ برگ کے کم سن بیٹے چارلس جے آر کا اغوا اور قتل کی واردات تھی جو اس کی شہرت سے متاثر ہو کر کی گئی تھی۔

چارلس لنڈ برگ امریکہ کے شہر ڈیٹریوٹ میں پیدا ہوا۔ اس کے والد چارلس آگسٹ لنڈ برگ نے بچپن میں سویڈن سے امریکہ ہجرت کی تھی۔ اس کی والدہ ایک اسکول ٹیچر تھی اور لٹل فالز کے اس اسکول میں پڑھاتی تھی جہاں سے 1918ء میں چارلس نے گریجوایشن کی تھی۔ چارلس لنڈ برگ کو بچپن سے مشینوں اور ہوائی جہازوں میں دلچسپی تھی۔ جب 1922ء میں اس نے کالج چھوڑا تو نبراسکا ایر کرافٹ کارپوریشن کے فلائنگ اسکول میں لنکن میں داخلہ لیا۔ اس نے

9اپریل 1922ء کو بحیثیت مسافر ہوائی سفر کیا اور پھر کچھ دنوں بعد وہ خود ہوائی جہاز اڑانے لگا۔ پھر 1923ء میں اس نے پہلی جنگ عظیم میں کام آنے والا ایک ہوائی جہاز Surplus JN-4 خرید لیا۔ اکتوبر 1925ء میں چارلس ایک ایرمیل پائلٹ بن گیا۔ اس نے رچرڈ، ای بارڈ کی قطب شمالی کی مہم میں بطور پائلٹ شرکت کرنے کی کوشش بھی کی مگر اس کی درخواست تاخیر ہو جانے کی وجہ سے قبول نہ ہوئی اور ہوائی ڈاک کے پائلٹ کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ اس نے اپنی کتاب The Spirit of St.Lous میں لکھا ہے کہ ہوائی ڈاک کے شعبے میں بطور پائلٹ کام کرتے ہوئے اسے نیویارک سے پیرس تک تنہا پرواز کرنے کا خیال آیا تھا اور اس نے 25000 ڈالر کا انعام جیتنے کے لیے خصوصی طور پر اپنا طیارہ سپرٹ آف دی لوئیس خود تیار کیا تھا جس میں یہ خصوصیت رکھی گئی تھی کہ وہ اتنا ایندھن اٹھا سکے جو اسے بحر اوقیانوس پر پرواز کرنے کے لیے کافی ہو۔ اس کی تفصیل اس نے اپنی کتاب کے پہلے حصے The Craft میں دی ہے۔ اپنی اسی کتاب کے دوسرے حصے نیویارک سے پیرس تک میں چارلس لنڈ برگ نے اپنی نیویارک سے پیرس تک کی بحر اوقیانوس پر تنہا پرواز کی تفصیلات گھنٹوں کے سفر کی شکل میں ترتیب دی ہیں۔

عظیم تاریخی پرواز

اس کی یہ عظیم تاریخی پرواز 21 مئی 1927ء کو صبح سویرے شروع ہوئی تھی۔ اس نے لکھا ہے کہ اس تاریخی پرواز کے دوران اسے بہت سے چیلنجوں کا سامنا تھا جن میں کسی فضائی طوفان کے امکانات، نیند کی کمی اور ایندھن کے ختم ہو جانے کا خطرہ شامل تھا۔ اپنے اس سفر کی روئیداد بیان کرتے ہوئے چارلس برگ نے اپنے بچپن کی یادداشتوں پر مبنی فلیش بیک بھی پیش کیے ہیں جس سے اس کی یہ سفری داستان مزید دلچسپ ہو جاتی ہے۔

چارلس لنڈ برگ نے لکھا ہے کہ دوران پرواز جو بحر اوقیانوس پر رات کے حصے میں کی جارہی تھی اس کے نیند سے بوجھل دماغ میں بہت سی پریشانیاں بڑھ جاتی تھیں............اور پھر جب وہ پیرس پہنچا تو ایک دنیا اس کی منتظر تھی۔

چارلس لنڈ برگ کی سفری روئیداد

سپرٹ آف دی سینٹ لوئیس 14 ستمبر 1953 کو شائع ہوئی۔ لنڈ برگ نے اس کی ایک ایڈوانس کاپی کارل بی ایلن کو اگست میں پیش کی تھی۔ کارل بی ایلن نے اس کی اس روئیداد سفر کو ایڈٹ کیا تھا اور اس کے مسودے کو پڑھ کر اسے تنقیدی تجاویز پیش کی تھیں۔ شائع ہونے کے فوراً بعد یہ کتاب ایک ''بیسٹ سیلر'' ثابت ہوئی اور بڑی تعداد میں فروخت ہوئی۔

(70)

1933۔ پرل ایس بک

پرل ایس بک نے اپنی یادداشتیں مرتب کرتے ہوئے لکھا کہ اس کی زندگی ''کئی دنیاؤں''میں گزری ہے۔

کئی دنیاؤں میں زندگی

کئی ''دنیاؤں'' میں زندگی بسر کرنے والی امریکی سیاح اور مصنف خاتون پرل ایس بک PearlS.Buk (1892-1973ء) امریکی ناول نگار خاتون اور اپنے چینی نام ''سائی چینچو'' Shi.Zhenzhu سے بھی پہچانی جاتی ہیں۔ وہ ایک امریکی مشنری کی بیٹی تھیں۔ پرل ایس بک نے 1934ء سے پہلے کے اپنی زندگی کے ایام ژینجیا نگ چین میں گزارے تھے۔اس کی کتاب The Good Earth (1931-32ء) میں امریکہ میں ''بیسٹ سیلر'' کتاب رہی ہے اوراس کتاب پراسے پلٹزر پرائز بھی دیا گیا تھا۔1938ء میں پرل ایس بک کوادب کا نوبل پرائز بھی دیا گیا تھا۔یہ چینی معاشرے کی صحیح عکاسی کرنے کی بنا پر دیا گیا تھا۔ پرل ایس بک پہلی امریکی خاتون تھی جسےادب کا نوبل پرائز ملا تھا۔

1935ء میں امریکہ واپس آنے کے بعد پرل ایس بک نے وسیع پیمانے پر تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کر دیا اور وہ خواتین کے حقوق کی ایک رہنما بن گئیں۔اس کا زیادہ تر کام ایشیائی ثقافت پر ہے۔

پرل ایس کی یادداشتیں

پرل ایس بک امریکہ کی ریاست ورجینا کے ایک قصبے ہلز بورو میں پیدا ہوئیں۔اس کے والدین نے اس کا نام کمفورٹ Comfort رکھا تھا۔ اس کے والدین کا تعلق جنوبی پریس بائی ٹیرین مشنریز Southern Presbyterian سے تھا۔شادی کے فوراً بعد اس کے والدین 8 جولائی 1880 کو تبلیغی مشن پر چین روانہ ہوگئے مگر پرل کی پیدائش کے لیے وہ 1892ء میں واپس امریکہ لوٹے۔ پھر جب پرل ایس بک پانچ ماہ کی ہوئی تو یہ خاندان ایک بار پھر چین واپس آ گیا۔ بعدازاں پرل ایس بک نے اپنی یادداشتیں مرتب کرتے ہوئے لکھا کہ اس کی زندگی ''کئی دنیاؤں'' میں

گزری ہے۔ 1911ء میں وہ تعلیم کے حصول کے لیے امریکہ واپس آئی اوراس نے رینڈولف ملکن ویمن کالج ورجینا میں تعلیم پائی۔ 1914ء میں پرل ایس بک چین واپس لوٹی اوراس نے زرعی اقتصادیات کے ماہر مشنری جان لوسنگ لک سے شادی کرلی (1917ء) 1920 سے 1933ء یہ جوڑا نانجنگ میں رہااور نانکنگ یونیورسٹی میں پڑھاتا رہا۔ پرل ایس بک انگریزی ادب کی استاد تھیں۔

دوتہذیبوں کا مشاہدہ

پرل ایس بک ایک ایسی عورت تھی جس نے زندگی میں دومختلف معاشرتوں اور متضاد تہذیبوں کا مشاہدہ کیا۔ آج کی طرح پرل ایس بک کے دور میں بھی امریکہ اور چین میں نظریات اور خیالات کے حوالے سے بڑا تضاد تھا۔ پرل ایس بک نے ان دونوں معاشرتوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا۔

''دی گڈارتھ''

پرل ایس بک کی کتاب ''دی گڈارتھ'' چین کے کسانوں کی زندگی کی ایک سچی تصویر ہے۔ چین میں کمیونسٹ انقلاب برپا ہونے سے پہلے اکثر مصائب آلام کا شکار رہتے تھے۔ اس کتاب کے ذریعے پرل ایس بک نے چین کے متعلق اپنے سینے میں موجزن نظریات اور مشاہات کو اپنے طلباء وطالبات تک پہنچایا۔ یہ کتاب اس کے قیام چین اوراس کے چینی معاشرے میں رہ کر کیے گئے مشاہدات کی روئیداد ہے۔

(71)

1933- چیانگ یی

چالیس سال یورپ وامریکہ میں گزارنے والا چینی خاموش سیاح

خاموش سیاح

خود کو خاموش سیاح The Silent Traveller کہنے والا بیسویں صدی کا چینی سیاح چیانگ یی Chiang Yee چین کے شہر جیو جیانگ Jiu Jiang میں 1903ء میں پیدا ہوا۔ تعلیم کے حصول کے بعد اس نے 1924ء میں شادی کی۔ ایک سال تک چینی فوج میں ملازمت کرنے کے بعد اور پہلی چین وجاپان جنگ میں خدمات انجام دینے کے بعد وہ ایک مڈل اسکول میں علم کیمیا پڑھانے لگا اور اس کے ساتھ شنگھائی یونیورسٹی میں لکچر دینے لگا۔ اس نے اخبار Hangzhou میں اسسٹنٹ ایڈیٹر کے طور پر کام بھی کیا اور تین کاؤنٹیوں میں مجسٹریٹ کے عہدہ پر فائز بھی رہا مگر چین کی سیاست وصورت حال سے ناامید ہو کر اس نے انگلستان میں ایم ایس سی اکنامکس کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے لندن کا سفر کیا (1933ء) اس سفر میں اس نے اپنی بیوی اور بچوں کو چین ہی میں رہنے دیا۔

خاموش سیاح کا پہلا سفرنامہ

انگلستان میں وہ 1935ء سے 1938ء تک اسکول آف اورینٹ اسٹڈیز میں چینی زبان پڑھاتا رہا۔ 1938ء سے 1940ء تک اس نے ویلکم میوزیم آف اناٹومی اینڈ پیتھالوجی میں کام کیا۔ اس کی سفری سیریز کی پہلی کتاب انگلستان جھیلوں کے متعلق تھی۔ اس کا نام The Silent Traveller in Lake land تھا۔ اس سلسلے کی دوسری کتاب The Slent Traveller in London تھی۔ اسی سیریز کے تحت اس نے The Silent Traveller in Wa r Time بھی لکھی۔ اس کے سفرناموں کا سلسلہ اتنا کامیاب رہا کہ اس نے ایڈنبرو، ڈبلن، پیرس، نیویارک، سان فرانسسکو، بوسٹن اور جاپان کے سفرنامے بھی شائع کیے۔ ان سفرناموں میں اس نے

ان شہروں کے متعلق بڑی اہم معلومات پیش کیں۔اس کے علاوہ اپنی وار ٹائم کتابوں میں اس نے ایک چینی مشاہدہ نگار کی حیثیت سے ہٹلر اور نازی ازم کی مخالفت کی۔اس کے سفرناموں کی یہ سیریز اتنی کامیاب رہی کہ اس کی بعض کتابوں کے ایڈیشن اکیسویں صدی میں بھی شائع ہوئے ہیں۔1955ء سے 1975ء تک چیانگ یی امریکہ میں مقیم رہا اور کولمبیا یونیورسٹی میں چینی زبان کا پروفیسر مقرر رہا۔۔1966ء میں اسے امریکی شہریت عطا کی گئی۔اس نے جتنی کتابیں لکھیں ان میں شائع کی جانے والی تصاویر بھی اس نے خود ہی بنائی تھیں۔اپنے وطن سے تقریباً چالیس سال تک دور رہنے کے بعد اکتوبر 1975ء میں وہ چین واپس لوٹا اور اکتوبر 77ء میں اس نے وفات پائی۔اس کا مقبرہ کوہ لو M.Lu کی ڈھلوان پر واقع ہے جو اس کے آبائی قصبے کے قریب واقع ہے۔

سیاحت ناموں کی پوری سیریز

اس کے سفرناموں میں سے The Silent Traveller:A Chinese Artist in Lake Land جو 1937ء میں شائع ہوئی تھی اس کا نیا ایڈیشن 2004ء میں شائع ہوا۔

اس کی دوسری کتاب خاموش سیاح لندن میں The Silent Traveller In London کا نیا ایڈیشن سیگال سے 2001ء میں شائع ہوا جبکہ اس کے چھ ایڈیشن 1945ء تک شائع ہو چکے تھے۔اس کی دوسری اہم کتابوں میں اس کے درج ذیل سفرنامے شامل ہیں۔خاموش سیاح آکسفورڈ میں The Silent Traveller In Oxford،خاموش سیاح نیویارک میں The Silent Traveller In New York،خاموش سیاح پیرس میں The Silent Traveller In Paris،خاموش سیاح بوسٹن میں The Silent Traveller In Boston،خاموش سیاح سان فرانسسکو میں The Silent Traveller In San Fraisco۔

(72)

1936ء۔ ہنری گراہم گرین

اس نے اسکول جانے کے خلاف کئی بار خودکشی کی کوشش بھی کی

عظیم ادبی شخصیت

ہنری گراہم گرین (1904-1991ء) بیسویں صدی کے اہم ترین انگریزی زبان کے ناول نگاروں میں سے ایک تھا۔ وہ اپنے قلمی نام گراہم گرین سے جانا جاتا ہے۔ گراہم گرین نے بطور مصنف اپنے مستقبل کے آغاز ہی میں شہرت حاصل کرلی تھی 1966ء ار 1967ء میں اسے نوبل پرائز کے لیے نامزد کی گیا تھا۔ اس نے تقریبا' 67 سال تک لکھا۔ اس کی تصانیف میں 25 ناول اہم ہیں۔ ان میں اس نے اپنے عہد کے اخلاقی مسائل سے سیاسی مسائل تک پر روشنی ڈالی ہے۔

ناول نگاری

گرین برک ہیمسٹیڈ Berk Hemstead میں پیدا ہوا۔ اس کا تعلق ایک بااثر خاندان سے تھا جو شراب کشید کرنے کی فیکٹری کا مالک تھا مگر گراہم اسکول جانے سے نالاں تھا۔ اس نے اسکول جانے کے خلاف کئی بار خودکشی کی کوشش بھی کی۔ اسکول کے بعد اس نے بیلیل کالج آکسفورڈ میں داخلہ لیا۔ اپنی گریجوایشن کے دوران ہی اس نے شاعری پر اپنی پہلی کتاب شائع کرائی۔ اس کا پہلا ناول The Man Within، 1929ء میں شائع ہوا۔ اس ناول کی مقبولیت نے اسے ایک ناول نگار بنادیا۔ اس کے بعد اس نے فلموں پر تبصرہ نگاری شروع کی تو مشہور فلم ساز ادارے Twentieth Century Fox نے اسے میکسیکو میں رہنے کی ترغیب دی۔ میکسیکو میں قیام کے دوران اس نے اپنے ناول The Power and Glory کے پلاٹ پر کام کیا۔ 1930ء اور 1932ء میں شائع ہونے والے اس کے دو ناول The Name of Action اور Rummer At Night Fall کچھ زیادہ کامیابی نہ حاصل کرسکے۔ اس کا سب سے کامیاب ناول استنبول ٹرین رہا جو 1932ء ہی میں شائع ہوا۔ گراہم گرین نے افسانے اور ڈرامے بھی لکھے ہیں مگر وہ ناول نگاری میں سب سے زیادہ کامیاب رہا۔ اس کا پہلا ڈرامہ The Living Room 1953ء میں شائع ہوا تھا اہم

گرین نے اپنی زندگی میں انگلستان سے باہر بہت سے دور دراز کے سفر کیے۔ جنگ عظیم دوم کے دوران وہ سیرالیون میں تعینات رہا اور برطانیہ کے خفیہ ادارے کے لیے جاسوسی بھی کرتا رہا تھا۔

بغیر نقشہ کی مدد سے سفر

گراہم گرین نے اپنے جس سفر کا سفرنامہ Journye Without Map لکھا وہ 1935ء میں اس کا لائبیریا کا سفر تھا۔ اپنے لائبریا کے اس سفر میں وہ لائبریا کے اندرونی حصوں میں چار ہفتے تک پیدل سفر کرتا رہا تھا۔ یہ گراہم گرین کا بیرون یورپ کا پہلا سفر تھا۔ اس زمانے تک لائبریا کے اندرونی حصوں کا کوئی نقشہ تیار نہیں کیا گیا تھا اور تاریک براعظم افریقہ کے اس حصے کے امریکی نقشے میں ایک بڑے سفید حصے پر"آدم خوروں کا علاقہ" لکھا ہوا تھا۔ اس سفر میں گراہم گرین نے مقامی گائیڈوں اور قلیوں پر انحصار کیا گراہم گرین نے اپنے اس سفر کا آغاز لائبریا کے انتہائی جنوبی گوشے سے کیا جو سیرالیوں کی سرحد سے ملا ہوا تھا۔ وہ سرحدی قصبے کیلاہن Kailahun سے جنوب مشرقی سمت کے گھنے جنگلوں کی طرف روانہ ہوا اور جب اس نے فرانسیسی نو آبادی گینی Giunea کے کچھ حصے میں بھی سفر کیا۔

لائبریا کی سیاحت

گرین نے لائبریا کے سفرنامے میں لائبریا کے متعلق بہت ہی اہم معلومات جمع کی ہیں۔ اس وقت تک (1935ء) اس ملک نے کوئی خاص ترقی نہیں کی تھی۔ ساحل سے دور کے مقامات انتہائی پسماندہ حالت میں تھے۔ اس کے راستے میں کئی ایسے گاؤں آئے جہاں اب تک کسی سفید فام کا گزر نہیں ہوا تھا۔ ان مقامات پر گراہم نے کوڑھ سمیت کئی وبائی امراض پھیلے ہوئے دیکھے۔

گراہم گرین کی ہمراہی

گراہم گرین نے افریقہ کے اندرونی حصوں کا یہ سفر اپنی کزن باربرا گرین کے ہمراہ کیا تھا۔ باربرا نے 1938ء میں اپنے اس سفر کی روئیداد اپنی کتاب Memoir میں پیش کی۔ اس کی روئیداد سفر گرین کی سفری روئیداد سے بہت ملتی جلتی ہے۔ 2009ء میں گرین کے اس یادگار سفر کی یاد میں لائبریا کے ان حصوں کا سفر انگریز مصنف ٹم بچر نے کیا اور اس پر اپنی کتاب Chasing The Devil لکھی تھی۔

(73)

1931 عبدالماجد دریابادی

ہندوستان کی عورتیں ذیقعد کو ''خالی کامہینہ'' کہتی ہیں پر جس کے نصیب میں ''خالی مہینہ'' میں اس دولت سے مالامال ہونا مقدر ہو چکا ہو وہ اس ماہ کو کیا کہہ کر پکارے؟''

ایک عظیم محقق و مصنف

عبدالماجد دریابادی (1892-1977ء) معزز علمی خاندان کے فرد، کینگ کالج لکھنؤ کے تعلیم یافتہ، جوانی کے زمانے سے فلسفے کے فاضل، دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں مترجم فلسفہ رہے۔ لکھنؤ واپس جا کر علمی تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا۔ مذہبی خیالات میں بڑا انقلاب پیدا ہو گیا۔ 1925ء سے ایک ہفتہ وار اخبار ''سچ'' (بعدازاں ''صدق جدید'') شائع کرنا شروع کیا۔ اس اخبار میں انھوں نے مذہبی اور ملی شعائر و افکار کی بے باک وکالت کی اور اس کام میں نمایاں اور ممتاز رہے۔ وہ مولانا محمد علی جوہر کے قریبی رفیقوں میں شامل تھے۔ ان کی کتابیں اردو زبان کے ذخیرۂ علم میں نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ ان کی ایک ضخیم کتاب ''نفسیات عوام'' انگلستان سے چھپی۔ دیگر اہم تصانیف کے نام یہ ہیں۔ ''فلسفہ جذبات'' ''تصوف اسلام''، ''فلسفہ اجتماع''، مکالمات برکلے'' تاریخ اخلاق یورپ (ترجمہ) ''محمد علی جوہر (سیرت) ''حکیم الامت'' (سیرت مولانا اشرف علی تھانوی) ان کی سب سے اہم علمی خدمت اردو نیز انگریزی میں قرآن مجید کا ترجمہ اور مختصر مگر محققانہ تفسیری حواشی ہیں۔ انھوں نے اپنے سفر حج کی روئیداد ''اپنے سفرنامے'' ''سفر حج'' میں قلمبند کی ہیں۔ اس سفر نامے کے دیباچہ میں مولانا سلیمان ندوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

ذہن و دل میں انقلاب

''ہمارے صاحب دل اور دردآشنا دوست مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی زندگی میں مدت سے بتدریج جو انقلاب رونما ہو رہا تھا میرے خیال میں اس کی تکمیل 1348ء میں ہوئی جب وہ حجاز کے سفر کے لیے روانہ ہوئے اور انھوں نے جو احوال و مشاہد کتابوں میں پڑھے تھے ان کا سفر حج میں جا کر بالعین مشاہدہ کیا اور وہاں

جو عینی مشاہدات، قلبی کیفیات اور روحانی تاثرات ان پر وارد ہوئے انھوں نے اپنے اخبار ''سچ'' کے صفحات میں خطوط کی صورت میں انھیں منعکس کر دیا۔ موجودہ مجموعہ ان مضامین کا یکجا ذخیرہ ہے جو ان کے سفرنامہ سفر حجاز'' کی شکل میں منظر عام پر آیا ہے۔

عالم جذبات کی باتیں

اس سے پہلے جو سفرنامے لکھے گئے تھے یا وہ صرف عالم جذبات کی باتیں تھیں یا محض ایک سیاح و وقائع نگار کے روزنامچے تھے یا فقیہانہ مسائل اور مناسک حج کے ہدایت نامے تھے یا حجاز یا سفر حج کے لیے مسافروں کی گائیڈ بکیں تھیں۔ اس سفرنامہ کے مختلف ابواب اور مباحث میں اس کا مصنف کبھی ہمیں ایک مورخ دکھائی دیتا ہے تو کہیں ایک فقیہ کہیں ایک محدث تو کہیں ایک صوفی، کہیں شاعر اور کہیں ایک سیاسی مبصر۔ غرض اس کتاب میں جو ''سفر حجاز'' کے نام سے معنون ہے وہ سب کچھ ہے جس کی حجاج کرام کو اپنے سفر کے اتار چڑھاؤ کی مختلف حالتوں اور کیفیتوں یں ضرورت کے طور پر پیش آتی ہے۔ سفر کے واقعات، حج کے مناسک کے مسائل، مختلف مقامات کی دعائیں، سفر کے لیے ضروری ہدایات، حجاز کے ملکی و سیاسی حالات، آمد و رفت، مطوفین، راستے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے شہری حالات، مقامات مقدسہ اور ان کے آداب یہ تمام معلومات اس سفرنامہ میں یکجا کر دی گئی ہیں۔

سادگی میں حسن کمال

لیکن اس سفرنامے کی اصلی حیثیت حقیقی عزت میری نگاہ میں دو باتوں سے ہے۔ ایک اس کی انشا پردازی کہ مصنف کے قلم نے اس میں انتہائی سادگی کا کمال حسن دکھایا ہے۔ سہل الفاظ، سادہ ترکیبیں اور پھر شاعرانہ تخیل، اس لیے انشا کی حیثیت سے اس کی کافی حیثیت ہے۔ ودسری چیز وہ تاثرات اور وجدانیات ہیں جو اس کتاب کے فقرہ فقرہ میں نمایاں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب دل مصنف نے کاغذ کی سطح پر اپنے دل کے ٹکڑے پھیلا دیے ہیں۔ اگر چہ مسئلہ حجاز میں موصوف کے سیاسی مسلک سے ہر چند ہم کو اتفاق نہیں ہوتا تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے یہ صفحات لکھ کر ہماری زبان، ادب، تاریخ، جغرافیہ، فقہ اور تصوف میں سب پر احسان کی ہے اور ظاہر و باطن، لفظ و معنی اور روح و جسم کے مختلف مناظر و مظاہر کا ایک ایسا دلکش نظارہ گاہ تیار کیا ہے جو کہ ہر ذوق و خیال کے آدمی کے مذاق کے مطابق ہے۔ کہیں کہیں وہ اپنے اس سفرنامہ میں

ہمیں صوفیانہ رواداری اور صلح کن کے علمبردار نظر آتے ہیں اور کہیں عشق حقیقی میں ڈوبے ہوئے ایک فلسفی۔(سید سلیمان ندوی)

سفر حجاز سے ایک اقتباس:

سفر حجاز

''بولے یار مہربانم فی رسد بولے جاناں سوئے جانم فی رسد۔آج کے دن زندگی کا سب سے بڑا ارمان پورا ہونے کو ہے! آج ذرہ آفتاب بن رہا ہے۔آج بھاگا ہوا غلام اپنے آقا و مولا کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے۔آج گنہگار امتی کو شفیع اور شفیع رسول ﷺ کے آستانہ پر سلام کی عزت حاصل ہو رہی ہے! ہندوستان کی عورتیں ذیقعد کو ''خالی کا مہینہ'' کہتی ہیں پر جس کے نصیب میں اس ''خالی مہینہ'' میں اس اس دولت سے مالا مال ہونا مقدر ہو چکا ہو وہ اس ماہ کو کیا کہہ کر پکارے؟''

(سفر حجاز ص28)

(74)

1933ء۔ مولانا سید سلیمان ندوی

یہ ایک ایسا سفر نامہ ہے جس میں سید سلیمان ندوی نے اپنے مطالعے کے وسیلے سے مسلمانوں کے شاندار ماضی کو نادر شاہ کے آزاد افغانستان میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسلامی تاریخ کا غائر مطالعہ کرنے والے محقق

سید سلیمان ندوی (1884-1953ء) کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ مولانا شبلی کی سیرت النبی ﷺ کی آخری جلدیں لکھ کر انھوں نے جو عظیم کارنامہ انجام دیا تھا وہی ان کی پہچان ہے۔ ان کا تعلق دیسنہ ضلع پٹنہ بھارت سے تھا۔ 1905ء میں وہ ندوۃ العلماء سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اخبار "الہلال" کلکتہ میں کام کیا۔ انھوں نے اپنے استاد شبلی کی وصیت پر ماہنامہ "معارف" جاری کیا۔ سیاسی معاملات میں بھی سرگرمی سے حصہ لیا۔ سید سلیمان ندوی کا مطالعہ کمال کا تھا۔ مذہبی علوم کے علاوہ ادب و تاریخ سے بھی انہیں خاص رغبت تھی۔ اسلامی تاریخ کے غائر مطالعے کی وساطت سے مسلمانوں کے عروج و زوال کے تمام مناظر ان کے ذہن میں محفوظ تھے۔ چنانچہ جب افغانستان کے فرمان روا نادر شاہ نے افغانستان میں تعلیمی اصلاحات کا عمل تیز کرنے کے لیے سید سلیمان ندوی کو صلاح و مشورہ کی غرض سے افغانستان آنے کی دعوت دی تو ایک آزاد اسلامی مملکت کی یہ دعوت سید صاحب نے قبول فرمائی اور کابل کے لیے عازم سفر ہوئے۔ افغانستان کی خوش بختی کہیے کہ ڈاکٹر محمد اقبال اور سید احمد خان کے پوتے سر راس مسعود جیسے ماہر تعلیم ندوی کے شریک سفر تھے۔ تینوں عظیم شخصیتوں کا یہ قافلہ 1933ء میں افغانستان پہنچا۔ مسلمانوں کے ان بلند پایہ افراد کا یہ سفر کئی اعتبار سے تاریخی اور یادگار ثابت ہوا۔ اس سفر کے اختتام پر اقبال نے اپنی مشہور مثنوی "مسافر" لکھی۔ مولانا ندوی صاحب نے صرف چار روز کا قلیل عرصہ افغانستان میں گزارا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس ملک میں اتنا کچھ دیکھا اور سمجھا کہ عام مسافر کے لیے آسان نہیں تھا۔ چونکہ سید صاحب کا مطالعہ بڑا وسیع اور تاریخی شعور بڑا گہرا تھا، وہ تاریخ اسلام پر سند کا درجہ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ تاریخ اقوام عالم سے انھیں خصوصی شغف تھا یہی وجہ ہے کہ ان کا

سفرنامہ زمانہ حال کا رشتہ ماضی اور مستقبل دونوں سے جوڑ دیتا ہے۔ان کے سفرنامے میں سوانح، تذکرے، احوال، افکار، تاریخی اسناد، جغرافیہ، جغرافیائی معلومات غرض سب کچھ ہے۔

سفرنامہ افغانستان

سید سلیمان ندوی نے یہ سفرنامہ رسالہ ''معارف'' کے لیے تحریر کیا تھا چنانچہ یہ پہلے معارف میں قسط وار شائع ہوا اور اس کے بعد کتابی صورت میں منظر عام پر آیا۔یہ ایک ایسا سفرنامہ ہے جس میں سید سلیمان ندوی نے اپنے مطالعے کے وسیلے سے مسلمانوں کے شاندار ماضی کو نادر بادشاہ کے آزاد افغانستان میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔چار دن کے قلیل عرصے میں سید صاحب نے افغانستان کی سیاست، سماجی، تہذیبی، تمدنی، تاریخی، جغرافیائی، مذہبی، مجلسی، معاشی، علمی، تعلیمی اور معاشرتی زندگی کو نہ صرف بغور دیکھا بلکہ نہایت خوبی کے ساتھ اپنے سفرنامے میں سمو دیا ہے۔ان کے لیے ایسا کرنا اس لیے ممکن ہوسکا کہ وہ اپنے مطالعے کے ذریعے افغانستان آنے سے پہلے افغانستان کی سیاست اور تاریخ و جغرافیہ سے واقف ہو چکے تھے۔ یہاں پہنچ کر انھوں نے اپنے مشاہدات سے ہر چیز کو اس کے صحیح پس منظر میں دیکھا اور سمجھا۔سید صاحب کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ کوچہ و بازار کی سیر کرتے اور بذات خود ہر جگہ پہنچ کر مشاہدہ کرتے مگر انھوں نے یہ سفر اپنے مطالعہ کے زور پر کیا اور ہر قسم کی معلومات قاری کو بہم پہنچائیں۔

انسانی فطرت کی عکاسی

افغانستان کے جغرافیائی نقوش اور تاریخی آثار کو دیکھ کر سید سلیمان ندوی نے کبھی تو انسانی فطرت کی عکاسی کی ہے اور اس کے روشن کارناموں کو اجاگر کیا ہے اور کہیں عبرت ناک واقعات سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔اس قسم کی کوششیں پند نصائح یا وعظ و تلقین سے نہیں بلکہ ان مناظر کے حوالے سے کی گئی ہیں جو تضادات کے ذریعے غیر محسوس تبدیلی لا سکتے ہیں۔غزنی کو دیکھ کر سید صاحب نے خوشی کا اظہار کیا کیونکہ وہ غزنی کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے۔وہی غزنی جو محمود غزنوی کا دارالحکمت تھا اور جہاں سمناتھ کے مندر سے اس کے دروازے اُکھاڑ کر لائے گئے تھے۔ وہی غزنی جو اس زمانے کے عالم اسلام کا دل تھا۔

(75)

1936-ارنسٹ ہیمنگوے

ERNEST HEMINGWAY

اس نے 1954ء میں ادب کا نوبل پرائز حاصل کیا تھا۔اس کے تقریباً سات ناول

اور چھ افسانوں کے مجموعے شائع ہوئے جبکہ اس کی موت کے بعد جو ایک خودکشی تھی

ارنسٹ ہیمنگوے (1899-1961ء) ایک مشہور امریکی ادیب، ناول نگار اور افسانہ نویس بیسویں صدی کے انگریزی ادب میں ایک بڑا نام ہے۔اس نے 1954ء میں ادب کا نوبل پرائز حاصل کیا تھا۔اس کے تقریباً سات ناول اور چھ افسانوں کے مجموعے شائع ہوئے جبکہ اس کی موت کے بعد جو ایک خودکشی تھی مزید تین ناول چار افسانوں کے مجموعے اور تین غیر افسانوی کام شائع ہوئے۔

پہلی جنگ عظیم میں شرکت

ارنسٹ ہیمنگوے نے امریکی ریاست الی نوائے میں پرورش و تعلیم پائی اور تعلیم کے بعد کنساس سٹی اسٹار نامی اخبار میں کچھ دن کام کرتا رہا۔پھر پہلی جنگ عظیم کے آغاز میں وہ ایک ایمبولنس ڈرائیور کی حیثیت سے اطالوی محاذ جنگ یورپ میں شریک جنگ ہوا اور 1918ء میں شدید زخمی ہو گیا جس کے بعد وہ امریکہ واپس آ گیا۔اس کے جنگ عظیم اول میں شرکت کے اس تجربے پر اس نے 1929ء میں اپنا عظیم ناول A Farewell To Arms لکھا۔

1921ء میں اس نے ہیڈلے رچرڈسن نامی خاتون سے شادی کی جو جس کی چار بیویوں میں سے پہلی تھی۔شادی کے بعد یہ جوڑا پیرس منتقل ہو گیا جہاں وہ ایک امریکی اخبار کے لیے ایک غیر ملکی نامہ نگار کی حیثیت سے کام کرنے لگا اور 1920ء کی دہائی کے جدیدیت پسند ادیبوں اور مصوروں سے بہت متاثر ہوا۔

پیرس میں قیام

پیرس میں قیام کے دوران ہی 1926ء میں اس کا ناول The Sun Also Rises شائع ہوا۔اس دوران

1927ء میں اس نے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دی اور دوسری بیوی پاولین پفیر سے شادی کر لی۔ ہسپانوی خانہ جنگی کی نامہ نگاری کرنے کے بعد واپسی پر اس خاتون سے بھی علیحدگی ہو گئی۔ ہسپانوی خانہ جنگی کے پس منظر میں ارنسٹ ہیمنگوے نے اپنا ناول For Whom The Bells Tolls(1940ء) لکھا۔ 1940ء میں اس نے مارتھا گیلی ہوم نامی خاتون سے شادی کر لی مگر اس وقت ان دونوں میں علیحدگی ہو گئی جب لندن میں ارنسٹ ہیمنگوے کی ملاقات دوسری جنگ عظیم کے دوران میری ویلش سے ہوئی۔

افریقہ کی سیاحت پر

1952ء میں اس کے ناول The Old Man And The Sea کی اشاعت کے فوراً بعد ارنسٹ ہیمنگوے افریقہ کی سیاحت پر روانہ ہوا جہاں رونما ہونے والے دو ہوائی حادثوں میں وہ مرتے مرتے بچا جس کے بعد اس نے فلوریڈا میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور بعد ازاں وہ کیوبا میں رہائش پذیر ہو گیا جہاں 1961ء میں اس نے خود کو گولی مار کر خودکشی کر لی۔

وینس میں قیام

1948ء میں ارنسٹ ہیمنگوے نے اپنی بیوی میری ویلش کے ساتھ یورپ کی سیاحت کی تھی اور وہ کئی ماہ تک اٹلی کے شہر وینس میں مقیم رہا تھا۔ وینس میں قیام کے دوران ارنسٹ ہیمنگوے ایک 19 سالہ لڑکی ایڈریانہ کے عشق میں گرفتار ہو گیا۔ اس عشق کا فسانہ اس نے اپنے ناول Across The River Into Trees میں بیان کیا ہے۔ افریقہ کی سیاحت کے دوران ارنسٹ ہیمنگوے دو فضائی حادثوں میں شدید زخمی ہو گیا تھا۔

ہسپانوی سفر کی روئیداد

ارنسٹ ہیمنگوے کا ناول The Sun Also Rises اس کے ہسپانوی سفر کی روئیداد پر مشتمل ہے۔ اسی طرح اس کی بعد از وفات شائع ہونے والی آپ بیتی A Moveable Feast بھی اس کے کئی ایک سفروں کی روئیداد پر مشتمل ہے۔ انھیں کتابوں کی وجہ سے ارنسٹ ہیمنگوے کو ناقدین ادب سفرنامہ نگاروں کی فہرست میں شامل کرتے ہیں۔

(76)

ولفریڈ تھیسیجر-1945

ALFRED THESIGER

یہ سفرنامہ اس کے پیدل اور اونٹ پر عرب کے مشہور صحرا ربع الخالی The Empty Quarter of Arabia کو عبور کرنے کی داستان ہے۔

ولفریڈ تھیسیجر (1910-2003ء) اسے مبارک بن لندن Mubarak Bin London کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ وہ انگریز سیاح اور طالع آزما تھا۔ اسے اس کے سفرناموں کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ اس کا سب سے مشہور سفرنامہ Arabian Sands ہے۔ یہ سفرنامہ اس کے پیدل اور اونٹ پر عرب کے مشہور صحرا ربع الخالی The Empty Quarter of Arabia کو عبور کرنے کی داستان ہے۔ یہ کتاب 1959ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کا دوسرا اہم سفرنامہ The Marsh Araba ہے جو 1964ء میں شائع ہوا تھا۔ ولفریڈ تھیسیجر نے اپنی تقریبا 38000 سفری تصاویر آکسفورڈ یونیورسٹی کو بطور عطیہ دی تھیں۔

جھیل ایبے تک سیاحت

ولفریڈ تھیسیجر ایتھوپیا کے دارالحکومت عدیس ابابا میں پیدا ہوا اور ایتھوپیا میں برطانوی کونسل جنرل ولفریڈ گلبر تھیسیجر کا بیٹا تھا۔ اس کا دادا افریڈرک لارڈ چیمسفورڈ بھی برطانیہ کے طبقہ امراء سے تعلق رکھتا تھا۔ ولفریڈ تھیسیجر نے ایٹان کالج اور میگڈیلین کالج آکسفورڈ سے تعلیم پائی۔ اسی دوران وہ آکسفورڈ کے مہم جوئی کے کلب کا خزانچی بنا دیا گیا (1932-1930) میں ولفریڈ ایتھوپیا واپس آیا۔ اسے ایتھوپیا کے شہنشاہ ہیل سیلاسی نے اپنے جشن تاجپوشی میں ذاتی طور پر مدعو کیا تھا۔ 1933ء میں جب وہ افریقہ سے واپس لوٹا تو اسے رائل جیوگرافیکل سوسائٹی نے دریائے ایواش R.Awash کی مہم کا سربراہ مقرر کیا اور اس طرح وہ آوسا سلطنت Aussa Sultant میں جھیل ایبے LakeAbbe سیاحت کرنے

والا پہلا یورپی سیاح قرار پایا۔ دوسری جنگ عظیم کے آغاز کے بعد ولفریڈ نے سوڈان ڈیفنس فورس میں شرکت کی۔ اس کے بعد اسے عرب دنیا میں ایک سپیشل مشن پر شام بھیجا گیا اور اس نے 1943ء سے 1945ء تک شمالی افریقہ میں میجر کی حیثیت سے فوجی خدمات انجام دیں۔

پاکستان اور کینیا میں

ولفریڈ تھیسیجر اس کی عرب مہمات کی وجہ سے مشہور ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد ولفریڈ تھیسیجر عرب دنیا کے سفر پر نکلا۔ اس نے کچھ سال عراق کے دلدلی علاقوں میں بسر کیے۔ اس کے بعد وہ ایران، کردستان اور فرانسیسی مغربی افریقہ کی سیاحت پر نکلا۔ اس دوران اس نے برصغیر میں پاکستان کی سیاحت بھی کی۔ اس کے علاوہ وہ کئی سال تک شمالی کینیا میں بھی مقیم رہا۔

صحرائے ربع الخالی کی سیاحت پر

1945ء میں ایک ماہر حشرات الارض Entomologist او، بی لین O.B.Lean نے ٹڈی دل کے حملے کے خلاف مشرق وسطی میں چلائی گئی اپنی مہم میں تھیسیجر کو شریک کار بنایا اور اس کے ذمہ ٹڈیوں کی پیدائش اور انڈے دینے کے مقامات کی تلاش کی گئی خاص طور پر جزیرہ نما عرب کے جنوبی گوشے میں۔ اس ٹڈیوں کے پیدائشی مقامات کی تلاش کی ٹیم میں اسے دو مرتبہ صحرائے ربع الخالی کو عبور کرنا پڑا اور وہ سلطنت عمان کے اندرونی حصوں تک گیا۔ اس دوران وہ اپنے عرب بدو راہنماؤں اونٹوں پر اور پیدل سفر کرتا رہا اور اسے مقامی بدوی قبائل کے حملوں کیساتھ ساتھ کئی اور خطرات کا سامنا کرنا پڑا۔ تھیسیجر کا پہلا عبور صحرا کا سفر اکتوبر 1946ء میں شروع ہوا۔ وہ اور اس کے بدوی ساتھی سلالہ کے مقام سے اس مہم پر نکلے۔ سلالہ سلطنت عمان کے صوبے ظوفار میں واقع ہے۔ سلالہ سے انھوں نے نخلستان مغشین Mughshin تک سفر پہلے مرحلے میں مکمل کیا۔ یہاں سے اس کا عبور صحرا کا سفر کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا۔ اس کے ساتھیوں میں سے کئی ایک صحرا میں سفر نہیں کرنا چاہتے تھے اور اس صحرائی سفر سے نالاں تھے۔ تھیسیجر نے اپنے صرف چار ساتھیوں کے ساتھ عبور صحرا کا خطرناک سفر جاری رکھا اور وہ ابوظبی میں واقع نخلستان لیوا تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے واپسی کا سفر بھی سلالہ تک اسی راستے سے کیا اور وہ 23 فروری 1947ء کو سلالہ واپس پہنچا۔ اس نے اپنا دوسرا عبور صحرا سفر دسمبر 1947ء میں شروع کیا تھا جب کہ اس کا سفرنامہ 1959ء میں شائع ہوا تھا۔

(77)

1952۔ ہنرخ ہیر پر

HENRICH HARPER

ان سب نے مل کر یہ چوٹی سر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس چوٹی کو سر کرنے میں سب سے بڑا خطرہ برفانی ایوالانچ کا تھا جو مسلسل گرتے رہتے تھے مگر آخر کار یہ چوٹی انھوں نے سر کرلی۔

ہنرخ ہیر پر (1912-2006ء) ایک آسٹریا کا کوہ پیما، جغرافیہ دان اور مصنف تھا۔ اس نے سوئٹزرلینڈ میں چار افراد کی ایک ٹیم کے ساتھ شمالی جانب سے Eiger نامی چوٹی سر کی تھی جو اس کی شہرت کا باعث بنی تھی۔

ہمالیائی کوہ پیمائی کی مہم

ہنرخ ہیر پر آسٹریا میں پیدا ہوا اور وہیں اس نے تعلیم پائی۔ کوہ پیمائی شروع ہی سے ہنرخ ہیر پر کا جنون رہا تھا۔ ہمالیائی کوہ پیمائی کی مہم میں شمولیت کے لیے نام کمانے کے لیے ہیر پر اور اس کے ایک کوہ پیما دوست نے سوئٹزرلینڈ آلپس کی چوٹی آئیگر Eiger کو شمال سمت سے سر کرنے کا عزم کا۔ اس برفانی چوٹی کو White Spider بھی کہتے ہیں۔ اس کو سر کرنے کی کوششوں میں کئی لوگ جان گنوا چکے تھے جس کی وجہ سے سوئس شہر برن کے حکام نے اس چوٹی کو سر کرنے پر پابندی لگا دی تھی مگر ہیر پر نے اپنی یونیورسٹی کے ذریعے اس چوٹی کو سر کی اجازت حاصل کرلی (1938ء) جب وہ اس چوٹی کو سر کررہے تھے تو ان کی ملاقات آدھے راستے کو طے کرنے کے بعد ایک اور کوہ پیما ٹیم سے ہوئی جو جرمنی سے تعلق رکھتی تھی۔ اس طرح ان سب نے مل کر یہ چوٹی سر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس چوٹی کو سر کرنے میں سب سے بڑا خطرہ برفانی ایوالانچ کا تھا جو مسلسل گرتے رہتے تھے مگر آخر کار یہ چوٹی انھوں نے سر کرلی۔

نانگا پربت کی چوٹی سر کرنے کے لیے

1939ء میں ہیر پر نے اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ نانگا پربت کو سر کرنے کے لیے برطانوی ہندوستان کا رخ

کیا۔ اگست 1939ء میں وہ کراچی پہنچ گئے مگر نانگا پربت کے اس راستے کو منجمد پا کر انھوں نے وطن واپس لوٹنے کا فیصلہ کیا۔ اسی دوران وہ ایران بھی جانا چاہتے تھے برطانوی فوج نے انھیں کراچی سے کئی سو کل میٹر دور ایران کے راستے پر انھیں اپنی حفاظت میں لے لیا۔ اسی دوران 3 ستمبر کو جنگ عظیم دوم کا آغاز ہو گیا اور انھیں احمد نگر میں بمبئی کے قریب ایک فوجی کیمپ میں بند کر دیا گیا۔

سات سال تبت میں قیام

اس کیمپ سے انھوں نے فرار ہو کر گویا تبت جانے کا فیصلہ کیا اور وہ بالآخر 1944ء میں تبت پہنچ جانے میں کامیاب ہو گئے اور 1951ء تک اگلے سات سال اس نے تبت میں گزارے۔ اسی دوران 1950ء میں کمیونسٹ چین نے تبت پر حملہ کیا تھا۔ تبت میں قیام کے دوران ہیرر اور اس کے ساتھی کے دلائی لامہ (تبت کا مذہبی راہنما) سے تعلقات استوار ہو گئے اور وہ تبت کے 14 ویں دلائی لامہ کے مغربی زبانوں کے استاد اور قریبی دوست بن گئے اور انہوں نے تبت کی حکومت میں غیر ملکی ترجمان کی ملازمت اختیار کر لی۔ دلائی لامہ نے اسے آئس اسکیٹنگ پر ایک دستاویزی فلم بنانے کا کہا۔ یاد رہے کہ ہیرر نے ہی آئس اسکیٹنگ کو تبت میں متعارف کرایا تھا۔

تبت کا سیاحت نامہ

1952ء میں ہیرر تبت سے واپس آسٹریا لوٹا اور اس نے تبت کی سیاحت پر اپنی کتاب Seven Years in Tibet مکمل کی۔ اس کتاب نے شاندار کامیابی حاصل کی اور اس کا دنیا کی 53 زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ صرف امریکہ میں اس کتاب کی 30 لاکھ سے زائد جلدیں فروخت ہوئی تھیں۔ اس کتاب پر 1956ء اور 1997ء میں فلمیں بھی بنائی گئیں جو باکس آفس پر انتہائی کامیاب رہیں۔

(78)

1953۔ محمود نظامی

انھیں زیادہ شہرت ان کے سفر نامے ''نظر نامہ'' کے سبب ملی۔ نظر نامہ میں انھوں نے ان ملکوں کی سیاحت کا حال لکھا ہے جو انھوں نے 1953ء میں یونیسکو کے زیر ہدایت کی تھی۔

محمود نظامی (1911-1960ء) ادیب اور سفر نامہ نگار، لاہور میں اپنے نانا مرزا نظام الدین بیگ کی آغوش میں ایک عرصہ گزارا اور اسی نسبت سے نظامی کہلائے۔ اسلامیہ کالج لاہور سے 1932ء میں بی اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ قیام پاکستان کے بعد ریڈیو پاکستان پشاور کے علاقائی ناظم مقرر ہوئے۔ بعد ازاں متعدد ریڈیو اسٹیشنوں پر خدمات انجام دیں۔ حکومت پنجاب کے تعلقات عامہ کے محکمہ کے ڈائریکٹر رہے۔ انشائیے مضامین اور ڈرامے بھی لکھے لیکن انھیں زیادہ شہرت ان کے سفر نامے ''نظر نامہ'' کے سبب ملی۔ نظر نامہ میں انھوں نے ان ملکوں کی سیاحت کا حال لکھا ہے جو انھوں نے 1953ء میں یونیسکو کے زیر ہدایت کی تھی۔

ماضی کے دریچوں میں سیاحت

''نظر نامہ'' محمود نظامی کا وہ سفر نامہ ہے جس میں انھوں نے مصر اور دیگر ممالک کو ماضی کے دریچوں سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ چونکہ محمود نظامی ریڈیو سے وابستہ رہے تھے اس لیے انھوں نے اس سفر نامہ میں ''فلیش بیک'' کی تکنیک استعمال کی ہے جس کے ذریعے وہ ماضی میں پہنچ جاتے ہیں۔ اپنے اس سفر نامے کا دیباچہ انھوں نے عذر گناہ کے عنوان سے 1954ء میں تحریر کیا تھا جبکہ ''نظر نامہ'' 1958ء میں شائع ہوا تھا۔ اسی سفر نامہ میں انھوں نے حالات زندگی کے عنوان سے اپنے سفر زندگی کی تفصیل بھی دی ہے اور دیگر پانچ عنوانات کے تحت یہ سفر نامہ رقم کیا ہے (1) بازار مصر (2) روم نامچہ (3) بر سبیل لندن (4) شب طلوع پیرس (5) بالآخر میکسیکو

سفر کا آغاز

22 اکتوبر 1952ء کو محمود نظامی نے راولپنڈی سے اپنے سفر کا آغاز کیا اور 24 اپریل 1953ء کو مصر، لبنان،

اٹلی، سوئٹزرلینڈ، فرانس، برطانیہ، ریاست ہائے متحدہ امریکہ، کینیڈا، جزائر بہاماس، کیوبا اور میکسیکو کا چکر لگا کر وہ واپس کراچی پہنچے۔ محمود نظامی کے سفرنامے ''نظر نامہ'' کو اردو ادب میں کافی اہمیت حاصل رہی ہے کیونکہ وہ وہ پہلا سفرنامہ ہے جس میں نہ صرف جدید سفرنامہ کی بنیاد رکھی بلکہ ایک ایسا انداز تحریر بھی ایجاد کیا جو معلومات سے زیادہ دل و دماغ کو اپنے جذباتی سیل طوفان میں بہ لے جاتا ہے۔ اپنے اسی انداز تحریر سے محمود نظامی نے سفرناموں کا روایتی انداز تحریر اور رجحان بدل کر رکھ دیا اور قاری کو اپنی قلمی سحر کاری سے مسحور کر دیا۔ انھوں نے حتی الوسع یہ کوشش کی ہے کہ جو کچھ وہ خود دیکھتا ہے قاری کو بھی دکھائے۔ ایک مقام پر وہ خود لکھتے ہیں کہ:

''اس سفر کے دوران میں انسان زیادہ مقامات کو زیادہ سہولتوں اور تفصیل سے دیکھ سکتا ہے۔ میں لندن میں تھا تو باد و باراں کے باوجود پیدل چلتا تھا۔ نیویارک میں بھی میرا یہی معمول رہا اور برف، بارش، ژالہ باری اور تیز ہواؤں کے باوجود اس کے بازاروں اور سڑکوں پر دلچسپی کی چیزوں کو دیکھتا دور تک نکل جاتا۔''

ایک رپورتاژ

محمود نظامی کا ''نظر نامہ'' ایک ایسی تحریر ہے جو لکھی تو گئی رپورتاژ کے انداز میں لیکن اسے شہرت ملی سفرنامہ کے طور پر۔ یہاں تک کہ مختلف یونیورسٹیوں نے اسے شامل نصاب کر لیا تھا۔ ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

''مینار کبیر'' (اہرام کبیر چوتھے شاہی خاندان کے دوسرے بادشاہ خوفو نے اپنے مقبرے کے لیے تعمیر کیا تھا۔ چونکہ قدیم مصروں کے عقیدے کے مطابق مردے کا تمام اثاثہ اور دھن دولت اس کے ساتھ دفن کی جاتی تھی۔ اس لیے خوفو کو اس بیش بہا زر و مال کی حفاظت کا بڑا خیال تھا جو سالہا سال کی فوج کشی اور پیہم فتوحات سے جمع کیا تھا۔ اس گنج گراں مایہ کو لٹیروں کی دستبرد سے مصئون و محفوظ رکھنے کے لیے اس نے اپنے مرقد کو ایک سنگین حصار کی صورت میں تعمیر کیا جس کی ساخت میں قد آدم پتھر کے کئی لاکھ تیس تیس چالیس چالیس ٹن وزنی ٹکڑے استعمال کیے گئے)'' (نظر نامہ از محمود نظامی)

(79)

1954۔ ماہر القادری

یہ چہرہ جس پر گناہوں کی سیاہی بھری ہوئی ہے، کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
مواجہ شریف کے سامنے لے جانے کے قابل ہے؟"

ماہر القادری (1907-1978ء) ممتاز شاعر اور صحافی اصل نام منظور حسین تھا اور ماہر تخلص کرتے تھے۔ سلسلہ طریقت قادریہ سے نسبت کے سبب ماہر القادری کہلائے۔ ہندوستان کے صوبہ یوپی کے ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے میٹرک کیا۔ 1934ء میں روزنامہ "مدینہ" بجنور سے چھ ماہ وابستگی رہی اور ساتھ ہی بچوں کے رسالے "غنچہ" کی بھی ادارت کے فرائض انجام دیے۔ اسی سال عراق کا سفر اختیار کیا اور شاہ عراق سے ملاقات کی۔ حیدر آباد دکن میں بھی بارہ تیرہ برس رہے۔ مہاراجا سرکشن بہادر بھی ان کے معتقد تھے۔ بمبئی میں کچھ عرصہ فلمی دنیا سے بھی وابستگی رہی۔ کئی فلمی نغمے لکھے جو مقبول ہوئے مگر انھیں فلمی ماحول راس نہ آیا۔

کاروان حجاز

10 نومبر 1947ء کو ہجرت کر کے کراچی آ گئے۔ اپریل 1949ء میں "فاران" جاری کیا۔ پاکستان آ کر علاقہ خلیل عرب سے عربی سیکھی۔ 1954ء میں زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل ہوئی اور اس سفر کی روئیداد انھوں نے اپنے سفر نامے "کاروان حجاز" میں قلمبند کی۔ 1969ء میں جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کی علمی اور دینی تنظیموں کی دعوت پر افریقہ کا سفر کیا۔ مئی 1978ء میں مشاعرے کے سلسلے میں سعودی عرب گئے اور مشاعرے میں شرکت سے قبل ہی 12 مئی 1978ء کو وہیں انتقال کیا۔ انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں ان کے دو سفر نامے بہت اہم ہیں جن میں سے ایک "سیاحت نامہ ماہر" اور دوسرا "کاروانِ حجاز" ہے۔

سفرحج پر

ماہر القادری نے سفر حج بحری جہاز میں طے کیا تھا۔ وہ 13 جولائی 1954ء کو کراچی سے جدہ کے لیے روانہ ہوئے اور 10 اکتوبر 1954ء کو واپس آئے۔ تقریباً تین ماہ کا عرصہ انھوں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بسر کیا اور اپنے مشاہدات اور تاثرات کو ڈائری کی صورت میں مرتب کرتے رہے۔

جذب وشوق حب رسولؐ

یہ سفرنامہ ماہر کے سوز دروں، جذب وشوق، حب رسول ﷺ توحید پرستی اور دینی غیرت کا خوبصورت مرقع ہے۔ اس میں عقیدت بھی ہے اور جذباتی وارفتگی بھی مگر منفرد بات یہ ہے کہ ماہر کے ہاں جوش اور ہوش پہلو بہ پہلو سفر کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ ''کاروانِ حجاز'' میں اپنی تاریخی دینی اور سیاسی معلومات سے قاری کے دل ودماغ کو منور کرتے چلے جاتے ہیں۔ مکہ معظمہ کے قرب میں پہنچ کران کی سوچ کا دھارا یہ صورت اختیار کرتا ہے۔

''مکہ کی آبادی آگئی، رات کا وقت ہے، عقیدت کہتی ہے کہ اسے دل میں اتار لیجیے۔ اس پاک اور مبارک شہر کا سب سے بڑا شرف یہ کہ یہ انسانیت کے محسن اعظم اور دنیا کے سے بڑے انسان اور خاتم الانبیاء، محمد عربی ﷺ (فداابی وامی) کا مولد ومنشا ہے۔''

روضۂ اقدسؐ پر حاضری

جب نبی اکرم ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضری کا مبارک مرحلہ آتا تو ماہر اپنے جذبات کی عکاسی کچھ یوں کرتے ہیں:

''قصد ہے اور کہاں حاضری کا قصد ہے؟ وہاں جہاں کی تمنا اور آرزو نے بزم تصور کو سدا آباد رکھا ہے۔ خوشی کی کوئی انتہا نہیں۔ جسم کے روئیں روئیں سے مسرت کی خوشبو نکل رہی ہے۔ خوشی کے ساتھ ساتھ دل پر ایک دوسرا عالم بھی طاری ہے۔ یہ چہرہ جس پر گناہوں کی سیاہی بھری ہوئی ہے، کیا حضور نبی کریم ﷺ علیہ الصلوۃ والتسلیم کے مواجہ شریف کے سامنے لے جانے کے قابل ہے؟''

مدینہ منورہ سے ماہر القادری کو گہری قلبی محبت تھی اسکا اندازہ اس اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔

مدینہ منورہ کے کتوں سے محبت

''یوں تو مدینہ کی ہر چیز دلکش وحسین ہے اور مجھے تو یہاں کے کتوں میں بھی محبوبیت کی ادا نظری

آئی۔'' مگر یہاں کا جیسا پانی روئے زمین پر کہیں نہ ہوگا۔ شیریں، سبک اور خنک بھی۔ گرمی کے زمانے میں نل کا پانی صراحی میں بھر دیجیے، زیادہ سے زیادہ گھنٹہ بھر میں ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اس پانی کا گلاس کبھی لبوں سے ہٹانے کا دل نہیں چاہتا۔''

دوسرا سفرنامہ

یوں کہیے کہ ''کاروان حجاز'' عشق رسول (کے اسلوب میں گندھا ہوا ہے۔ ان کے دوسرے سفرنامے ''سیاحت نامہ ماہر'' میں انھوں نے اپنے دو سفروں کی تفصیلات یکجا کردی ہیں۔ اس میں انھوں نے اپنے اگست 1976ء اور مارچ 1969ء کے سفروں کی روئیداد رقم کی ہے۔ مارچ 1969ء میں وہ جشن نزول قرآن کونسل کی دعوت پر عازم سفر ہوئے تھے اور انھوں نے جنوبی افریقہ کے مختلف شہروں کے علاوہ کینیا، اٹلی، سپین، انگلستان، پیرس، جینوا، استنبول، بیروت، دمشق و حجاز مقدس کی سیاحت کی۔ چار ماہ کے اس سفر میں جب وہ بیروت سے جدہ پہنچتے ہیں تو لکھتے ہیں:

''وہاں پہنچ کر ایسا محسوس ہوا کہ کہ اب تک تو میں مسافر کی حیثیت سے سفر میں تھا اب اپنے وطن سے دور گھر میں ہوں۔ دین کا رشتہ دنیا کے تمام رشتوں سے زیادہ قوی اور پائیدار ہے۔''

اگست 1976ء میں ماہر القادری دوسری مرتبہ انگلستان کے سفر پر روانہ ہوئے اور اس ملک کے مختلف شہروں کی سیاحت کرنے کے علاوہ وہ واپسی پر قاہرہ آئے اور پھر ایک بار حجاز پہنچے کہ اس سرزمین کی زیارت کے بغیر ان کے ذوق سفر کی تسکین نہیں ہوتی تھی۔ اس سفر کے مشاہدات، تجربات نومبر دسمبر 1976ء اور جنوری مارچ 1977ء کے فاران میں شائع ہوئے تھے۔ بعد ازاں انھیں کتابی شکل دے گئی۔

1959۔ آئن فلیمنگ

IAN FLEMING

وہ عظیم مصنف جس کا تخلیق کردہ جاسوسی کردار جیمز بانڈ اس دور کا سب سے بڑا جاسوس ہے

جیمز بانڈ کا خالق

آئن فلیمنگ (1908-1964ء) ایک انگریز صحافی، ناول نگار، بحریہ کا انٹیلی جنس آفیسر تھا اور اپنے تخلیق کردہ کردار جیمز بانڈ James Bond کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ اس نے جیمز بانڈ سیریز کے کئی ایک ناول لکھے تھے جو بعد ازاں پردہ سیمیں پر کامیاب جاسوسی فلموں کے طور پر پیش کیے گئے۔

آئن فلیمنگ ایک امیر خاندان سے تعلق رکھتا تھا اس کا باپ رابرٹ فلیمنگ 1910ء سے برطانوی پارلیمنٹ کا منتخب رکن تھا۔ آئن فلیمنگ نے ایٹان ETON اور سینڈھرسٹ جیسے تعلیمی اداروں میں تعلیم پائی اور ایک مصنف بننے سے پہلے اس نے کئی اداروں میں کام کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران آئن فلیمنگ نے برطانوی بحریہ میں انٹیلی جنس آفیسر کی خدمات انجام دیں اور اسی دوران آپریشن گولڈن آئی پر کام کیا۔ اس نے جنگ عظیم کے بعد صحافت کے پیشے کو اپنایا۔ بحریہ میں انٹیلی جنس کے شعبے میں کام کرنے اور صحافت کو اپنانے سے اسے جیمز بانڈ سیریز کے کئی ناولوں کے پلاٹ خود بخود مل گئے۔

گیارہ ناول

آئن فلیمنگ نے اپنا پہلا جیمز بانڈ ناول CASINO ROYALE,1952 میں مکمل کیا۔ اس کا پہلا ناول انتہائی کامیابی سے ہمکنار ہوا اور اس ناول کی بہت سی جلدیں مارکیٹ میں فروخت ہوئیں۔ اس کامیابی کے بعد اس

نے گیارہ جیمز بانڈ ناول اور دو مختصر کہانیاں لکھیں جو تقریباً تیرہ سال کے عرصہ (1953-1966ء) میں شائع ہوئیں۔ یہ تمام ناول اور کہانیاں ایک سیکرٹ ایجنٹ جیمز بانڈ 007 کے گرد گھومتی ہیں جسے M16 کے خفیہ نام سے بھی موسوم کیا جاتا تھا

سفرنامہ مشرق و مغرب

اور وہ اپنے کوڈ 007 سے بھی بہت مشہور ہوا۔ اپنے ان جاسوسی ناولوں کے علاوہ آئن فلیمنگ نے ایک سفرنامہ Thrilling Cities بھی لکھا تھا۔ یہ سفرنامہ برطانیہ میں پہلی بار 1963ء میں شائع ہوا تھا۔ جن شہروں کی سیاحت کی روئیداد آئن فلیمنگ نے اپنے اس سفرنامے میں بیان کی ہے وہ ہانگ کانگ، میکاؤ، ٹوکیو، ہونولولو، لاس اینجلس، لاس ویگاس، شکاگو، نیویارک، ہیمبرگ، برلن، ویانا، جنیوا، نیپلز اور مانٹی کارلو ہیں جو دنیائے مغرب و مشرق کے نمائندہ شہر ہیں۔

''تھرلنگ سٹیز'' شروع میں لندن کے اخبار سنڈے ٹائمز میں قسط وار شائع ہوا تھا اور آئن فلیمنگ کے دو سفروں کی روئیداد تھی جن میں سے پہلا سفر 1959ء میں دنیا کے گرد کیا گیا تھا جبکہ دوسرا سفر 1060ء میں تکمیل پذیر ہوا تھا۔ اس دوسرے سفر میں آئن فلیمنگ نے براعظم یورپ کے شہروں کا سفر کیا تھا۔ دنیا کے گرد کیے جانے والا آئن فلینگ کا پہلا سفر سنڈے ٹائمز کے ایڈیٹر لیونارڈ کے اصرار پر کیا گیا تھا اور اس سفر کی روئیداد اس اخبار میں اتنی پسند کی گئی کہ آئن فلیمنگ کو دوسرا سفر محض سفری روئیداد یا سفرنامہ لکھنے کے لیے کرنا پڑا۔ اس سفرنامہ کو جب کتابی شکل دی گئی تو اس میں ان شہروں کی بہت سی تصاویر بھی شامل کردی گئی تھیں۔ اس کتاب میں آئن فلیمنگ نے دنیا کے ان تیرہ مشہور شہروں کا سفرنامہ اضافہ کے ساتھ تحریر کیا تھا۔

دنیا کے گرد پانچ ہفتے

1959ء کو سنڈے ٹائمز کے فیچر ایڈیٹر لیونارڈ رسل نے آئن فلیمنگ کو تجویز پیش کی تھی کہ وہ دنیا کے گرد پانچ ہفتے کا سفر اختیار کرے۔ سفر کے تمام اخراجات سنڈے ٹائمز نے ادا کرنا تھے۔ آئن فلینگ کو رسل نے اس سفر کے دوران سفری فیچر لکھ کر ٹائمز کو بھیجنے کی فرمائش کی تھی۔ پہلے پہل تو آئن فلیمنگ نے یہ تجویز قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر جب رسل نے اسے ترغیب دلائی کہ دنیا کے گرد اس سفر میں آئن فلیمنگ کو اپنے جاسوسی کردار جیمز بانڈ کی اگلی کتاب لکھنے کے لیے بہت سا مٹیریل بھی ملے گا تو وہ سفر کرنے پر رضا مند ہو گیا۔

ہانگ کانگ میں

آئن فلیمنگ نے سفری اخراجات کے لیے 500 پونڈ کی رقم قبول کی اور برطانوی فضائی کمپنی BOAC کی پرواز میں سفر کرتے ہوئے پہلے سٹاپ کے طور پر ہانگ کانگ پہنچ گیا۔ ہانگ کانگ کی سیاحت کے دوران اس کی راہنمائی اس کے دوست رچرڈ ہفس نے کی۔ وہ آسٹریا میں اخبار سنڈے ٹائمز کا نمائندہ تھا۔ رچرڈ ہفس کو بعد ازاں آئن فلیمنگ

نے جیمز بانڈ سیریز کے کے کردار Underson Kikko کے طور پر پیش کیا تھا جواس کے ناول You Only Live Twice کا ایک کردار ہے۔

اگلی منزل ٹوکیو

ہانگ کانگ کے بعد آئن فلیمنگ کی اگلی منزل ٹوکیو تھی۔ٹوکیو میں تین دن کا قیام کرنے کے بعد آئن فلیمنگ نے جزائر ہوائی کے شہر ہونولولو کی راہ لی۔اس پرواز کے دوران اس کا ڈگلس DC.6 طیارہ انجن میں آگ لگنے سے تقریباً تباہ ہوگیا تھا مگر اس نے ویک آئی لینڈ میں ایک ایمرجنسی لینڈنگ کرلی تھی۔ہونولولو کے بعد آئن فلیمنگ اپنے دنیا کے گرد اس سفر میں لاس اینجلس پہنچا جہاں اس نے بہت اہم مقامات بشمول سیکرٹ پولیس کے ہیڈکوارٹرز کی سیاحت کی اور اپنے ناول Diamonds For Ever کے لیے مٹیریل اکٹھا کیا۔آئن فلیمنگ کی اگلی منزل نیویارک تھی۔اس کی اس سفری روئیداد کا سنڈے ٹائمز میں آغاز 24 جنوری-196ء سے ہوا اور یہ سفری روئیداد 28 فروری 1960ء کو اختتام پذیر ہوئی۔ اس دوران سنڈے ٹائمز کے چیئرمین رائے تھامسن اس کے ان سفری مضامین سے بڑے محظوظ ہوئے اور انھوں نے آئن فلیمنگ کو کئی اور شہروں کا سفر کر کے نئے سفری آرٹیکل لکھنے کی فرمائش کی اور آئن فلیمنگ کو ریوڈی جنریو، بساآئریز، ہوانا اور مانٹریال جیسے امریکی شہروں کے متعلق لکھنے کو کہا مگر آئن فلیمنگ نے یورپ کے شہروں کو دوسرے ونگ کے سفر کے لیے منتخب کی اور سنڈے ٹائمز کے لیے ان یورپی شہروں کے احوال پر مشتمل ایک نئی سیریز لکھی۔

(80)

1960۔احتشام حسین

احتشام حسین نے صمیم قلب سے اس کا اعتراف کیا ہے کہ مطالعہ کتنا ہی وسیع ہو، مشاہدے اور زندگی کی جدوجہد میں شریک ہو کر تجربہ حاصل کرنے کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔

احتشام حسین (19721912ء) اردو کے نقاد اور سفر نامہ نگار اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔1935ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے کیا۔ 1936ء میں لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں استاد مقرر ہوئے۔ پھر الہ آباد یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے صدر رہے۔تنقید میں ان کا نظریہ مارکسی ہے۔اسلوب منطقی اور مدلل ہونے کے ساتھ شگفتگی کی طرف مائل اور مؤثر ہے۔ان کے مضامین کے کئی مجموعے اور سفر نامہ شائع ہو چکے ہیں۔''ساحل اور سمندر'' ان کا معروف سفر نامہ ہے۔یہ امریکہ، لندن اور پیرس کے سفری احوال کا تفصیلی احاطہ کرتا ہے اور ان کے وسیع مطالعے کا آئینہ دار ہے۔

مشاہدات و تجربات

احتشام حسین نے صمیم قلب سے اس کا اعتراف کیا ہے کہ مطالعہ کتنا ہی وسیع ہو، مشاہدے اور زندگی کی جدوجہد میں شریک ہو کر تجربہ حاصل کرنے کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔دنیا کی کسی بھی چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے، چھونے اور محسوس کرنے سے جو واقفیت حاصل ہوتی ہے وہ کتابوں کے مطالعے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔''ساحل اور سمندر'' میں ان داخلی کمزوریوں کے علاوہ جن کا احتشام حسین نے اعتراف کیا ہے ذہنی تحفظات اور نظریات نے بھی ان کے سفر سے ہم آہنگ ہونے میں روکاوٹ پیدا کی ہے۔بنیادی طور پر وہ سوشلسٹ نظریہ کے حامی تھے اور اس کے متعلقین سے کچھ ایسی وابستگی رکھتے تھے کہ خاندان سے زیادہ دن دور رہنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے سفر تو ضرور کیا لیکن مسرت اور وارفتگی کی وہ کیفیت ان پر کبھی طاری نہیں ہوئی جو سفر کا حاصل

اور سیاح کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ سفر میں وہ اکثر افسردہ، رنجور اور بجھے بجھے نظر آتے ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

اقتباس

''کل شام تھوڑی دیر کے لیے محمد کاظم صاحب معہ اہلیہ کے آ گئے، دلچسپ باتیں کرتے رہے، اس میں جی بہلا رہا۔ ان کا تقاضا یہ تھا کہ سید صاحب آپ یہاں آئے ہیں ہر چیز دیکھ لیجیے۔ دنیا میں ایسی جگہ کوئی نہیں۔ میں کہتا ہوں ضرور جی ہاں، میری بھی یہی خواہش ہے لیکن انھیں کیسے بتاؤں کہ میں کیسی تنہائی محسوس کر رہا ہوں۔'' (ساحل اور سمندر صفحہ 215)

لیکن یہی احتشام حسین جب تعلیم گاہوں اور کتابوں کی دنیا میں پہنچتے ہیں تو ان کا مزاج یکسر بدل جاتا ہے۔ اب وہ نہ گھر کو یاد کر کے پریشان ہوتے ہیں اور نہ ان پر تنہائی اور افسردگی کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔

دس مہینے کے سفر کی روئیداد

احتشام حسین کا یہ سفرنامہ دس مہینے کے طویل سفر کی روئیداد ہے۔ وہ جہاں بھی گئے ہم وطنوں کو شریک سفر کرنے کے خیال سے ڈائری مرتب کرتے رہے۔ انھوں نے ہر اہم چیز پر اپنا تاثر رقم کیا اور ردعمل ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں تک کہ خواب کے واقعات کو بھی مفصل بیان کر دیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ سفرنامہ، سفرنامہ نگار کے مربوط و مسلسل تاثرات کا مفصل بیانیہ ہے۔

(81)

1962 ڈاکٹر عبادت بریلوی

''ارض پاک سے دیار فرنگ تک'' ان کے اس سفر کی روئیداد یا سفر نامہ ہے جس میں انھوں نے لندن کی ہر زاویے سے تصویر کشی کی ہے۔ لندن نے بھی انھیں مایوس نہیں کیا اور اپنے تمام اسرار ان پر منکشف کر دیے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی اردو کے مشہور نقاد ہیں۔ ایک نقاد کی حیثیت سے انھوں نے تفہیم و تجزیہ اور تلاش و جستجو جیسے تحقیقی اور تنقیدی عناصر سے کام لیا ہے۔ یہی دو عناصر دورانِ سفر ان کے کام آئے۔

لندن کا سفر

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے 1962ء میں لندن کا سفر کیا تھا۔ یہ سفر درس و تدریس کے وسیلے سے کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں انھیں لندن کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور ان کا وہاں قیام پانچ برس رہا۔ دوران قیام اگرچہ انھیں اپنے وطن خصوصاً لاہور کی یاد برابر ستاتی رہی لیکن لندن نے بھی ان کی خاطر خواہ پذیرائی کی اور آغوش محبت وا کیے رکھی۔ اس طرح احساسِ تنہائی کا شدت سے مداوا ہو گیا اور ڈاکٹر عبادت بریلوی اطمینان کے ساتھ تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ لندن میں انھیں نہایت مخلص اساتذہ اور وسیع حلقہ احباب میسر آیا جس کی وجہ سے انھوں نے اپنا یہ وقت ہنسی خوشی گزارا۔

''ارض پاک سے دیار فرنگ تک''

ان کے اس سفر کی روئیداد یا سفر نامہ ہے جس میں انھوں نے لندن کی ہر زاویے سے تصویر کشی کی ہے۔ لندن نے بھی انھیں مایوس نہیں کیا اور اپنے تمام اسرار ان پر منکشف کر دیے۔ البتہ لندن کا معاشرتی اور تہذیبی ماحول انھیں ایک آنکھ نہ بھایا۔ اخلاقی اقدار اور جنسی بے راہ روی سے انھیں بڑا دکھ پہنچا۔ جنسی معاملات میں حیا سوز اظہار کو دیکھ کر ڈاکٹر

عبادت بریلوی دلگیر اور غم زدہ ہو جاتے ہیں۔ مغرب کی جنسی بے راہ روی کے عبرت ناک مناظر انھوں نے کچھ اس دردناک انداز میں بیان کیے ہیں کہ مشرق کا قاری اپنے معاشرے کو فخر و محبت کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔ لندن کے تعلیمی تربیتی، تہذیبی اور معاشرتی زندگی کو مختلف زاویوں سے دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسلوب سادہ شگفتہ اور زبان سلیس ہے۔

ترکی میں دو سال

ڈاکٹر عبادت بریلوی کا دوسرا سفرنامہ ''ترکی میں دو سال'' ہے۔ مشاہدات کی گہرائی اور تجربے کی وسعت کا غماز ہے۔ ترکی میں بھی ان کے سفر کا مقصد درس و تدریس ہی تھا مگر یہاں سر بسر خوشی کا عالم ہے۔ یہاں ان کے قلم میں دلبری، بانکپن اور شوخی آ گئی ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی ترکی میں دو سال رہے۔ وہاں انھوں نے ترک قوم کی تہذیب و تمدن اور ثقافت کے بہت سے پہلو دیکھے اور نہایت خوبی کے ساتھ ان کا تعارف کرایا۔ عبادت بریلوی اس بات سے خوش اور مطمئن ہیں کہ ترک پاکستان سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ اس کے سچے ہمدرد اور مخلص دوست ہیں۔ خوش گوار نفسیاتی ردعمل کے طور پر وہ بھی ان کے شہروں اور قصبوں سے بے حد متاثر ہیں اور کھل کر ان کی تعریف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انقرہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

انقرہ میں پھولوں کا موسم

''انقرہ پھولوں کا شہر ہے۔ موسم بہار میں یہاں پھول کھلتے بھی ہیں اور دکانوں پر بکتے بھی ہیں۔ جس زمانے میں انقرہ کا موسم خراب ہوتا ہے اور باغوں میں پھول نہیں ہوتے تو پھول باہر سے بھی منگوائے جاتے ہیں'' (ترکی میں دو سال صفحہ 67)

(82)

1964ء۔ بیگم اختر ریاض الدین

بیگم اختر ریاض الدین کی زبان اور ان کا بیان اتنا خوبصورت ہے کہ ان کے سفرنامہ پر حکمرانی کرتا نظر آتا ہے۔

بیگم اختر ریاض الدین (پ 1928) انگریزی ادب کی پروفیسر ہیں۔ تقریباً آٹھ سال تک ''پاکستان ٹائمز'' سے وابستہ رہیں۔ ان کے شوہر میاں ریاض الدین وزارت خارجہ سروسز میں تھے۔ اس لیے بیگم اختر ریاض الدین کو ان کے ساتھ غیر ممالک کے سفر کرنا پڑے۔ اپنے ہر سفر کو اس نے اپنے سفرناموں میں سمودیا ہے۔ ان کے سفرناموں کے مجموعے ''سات سمندر پار'' اور ''دھنک پر قدم'' بہت اہم ہیں۔

سفرنامہ پر حکمرانی

بیگم اختر ریاض الدین کی زبان اور ان کا بیان اتنا خوبصورت ہے کہ سفرنامہ پر حکمرانی کرتا نظر آتا ہے۔ ان کے سجے سنورے جملے، نادر اور انوکھی تشبیہات ان کا تحریر کا خاصا ہیں۔ بیگم اختر نے اپنے سفرناموں میں جغرافیائی اور تاریخی حقائق بیان کرنے سے گریز کیا ہے وہ صرف اپنے تاثرات قلم بند کرتی نظر آتی ہیں۔

دھنک پر قدم:

اس سفرنامے میں بیگم اختر ریاض الدین کا طرز نگارش محمود نظامی سے ملتا جلتا ہے مگر دونوں میں ایک فرق واضح ہے۔ محمود نظامی نے عبرتوں کو جگایا ہے اور بیگم اختر ریاض الدین نے مسرتیں تقسیم کی ہیں۔ جہاں محمود نظامی ماضی کی شوکت رفتہ میں کھو کر تاریخ کے سمندر میں غوطہ زن ہو جاتے ہیں اور جن آنکھوں سے وہ تاریخی مناظر دیکھتے ہیں انھیں میں اشکوں کے چراغ بھی روشن کر دیتے ہیں۔ بیگم اختر ریاض الدین تاریخ سے ہاتھ ملاتی ہیں اور حال اور ماضی دونوں پر ان کی گرفت مضبوط ہے اور وہ دونوں پر فتح حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ چونکہ بیگم صاحبہ کو انگریزی صحافت کا بھی تجربہ ہے اور اس تجربہ سے انھوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ دھنک پر قدم سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

''میرے لیے اس جزیرہ (ہوائی)'' کی سب سے بڑی خوبی اس کی آزادی تھی، ایک روحانی اور

ذہنی آزادی۔ اس گمنامی کی آزادی جسے پانے والا ہی جانتا ہے...... عام بازاروں میں سڑکوں پر
لوگ ننگے پیر، نیم برہنہ پھرتے ہیں۔ حد ہے کہ کالج یونیورسٹی کی جماعتوں میں حاضری لگوانے
چلے جاتے ہیں۔" (دھنک پر قدم صفحہ 41)

بیگم اختر ریاض الدین کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے ایک غیر جانب دار سیاح کی حیثیت سے واقعات اور مناظر کو دیکھا اور پرکھا ہے۔ ان کے پاس ایک تخلیق کار کا دل اور مصور کی آنکھ ہے۔ ان کے قلم نے "حسن فطرت کو شاعرانہ نثر کے پیکر میں صفحہ قرطاس پر مرتسم کر دیا ہے۔ ان کا قلم مناظر کو غیر جامد اور متحرک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور جزئیات کا خوبصورت انتخاب مناظر کو رنگ بہ رنگا بناتا ہے۔

سات سمندر پار

بیگم اختر ریاض الدین کا یہ سفرنامہ پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی کے زیر اہتمام 1964ء میں شائع ہوا تھا۔ اس سفرنامے میں بیگم صاحبہ کے ٹوکیو، ماسکو، کراچی، نیپلز اور قاہرہ، لندن اور نیویارک کے سفر شامل ہیں۔ سات سمندر پار میں انھوں نے اپنی سیاحت مصر بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

"ہمارا جہاز نہر سویز میں آہستہ آہستہ ایک عجیب بے اعتنائی کے ساتھ داخل ہوا۔ ہم سب باہر عرشے پر نکل آئے اور مختلف خیالات میں ڈوب گئے۔ سب زیادہ تر خاموش تھے اور اپنی اپنی یادوں سے ہم کلام، فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" کوئی سویز کی تاریخ میں گم تھا، کوئی قاہرہ کی شبانہ رنگینیوں کے پروگرام میں، کوئی فہرست خرید و فروخت میں تو کوئی ابھرتے ہوئے چاند کے رومان میں۔ میں اکیلی کھڑی موجوں کی تنظیم کو دیکھ رہی تھی۔ (سات سمندر پار بیگم اختر ریاض الدین)

(83)

1966۔ جمیل الدین عالی

جمیل الدین عالی ایک آوارہ منش اور سیلانی قسم کے بے تکلف انسان ہیں جو اپنے سفرناموں میں اپنے سفری تجربات بے تکلف بیان کرتے ہیں۔

جمیل الدین عالی (پ 1926ء) معروف شاعر، نقاد، گیت نگار اور سفرنامہ نگار ہیں "دنیا مرے آگے، تماشا مرے آگے" اور "آئس لینڈ" کے عنوان سے ان کے تین سفرنامے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ جمیل الدین عالی کا یہ سفرنامہ 1963ء سے 1966ء روزنامہ جنگ کراچی کے سنڈے ایڈیشن میں چھپتا رہا۔ اخباری صفحات میں اس بکھرے ہوئے سفرنامے کو مشفق خواجہ، ابن انشا اور جمال پانی پتی نے کتابی صورت دی تھی۔۔ ضخامت زیادہ ہو جانے کی وجہ سے اس سفرنامے کو دو جلدوں "دنیا مرے آگے" اور "تماشا مرے آگے" میں منقسم کر دیا گیا تھا۔ اور دو الگ الگ کتابوں کی صورت میں شائع کیا گیا تھا۔

ایک جہاں گشت سیاح

جمیل الدین عالی ایک کالم نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جہاں گشت سیاح بھی ہیں۔ ان کا پاؤں ہمیشہ سفر میں رہتا تھا۔ انھوں نے دنیا کے بیشتر ممالک کی سیاحت کی۔ ان کے سفر کے ثمرات سفرناموں کی شکل میں اردو ادب کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ "دنیا مرے آگے" ان کا پہلا سفرنامہ ہے جس میں فرانس، برطانیہ، روس، مصر، لبنان، ایران اور دہلی کے سفائر کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ دوسرا سفرنامہ "تماشا مرے آگے" جرمنی، اٹلی، سوئٹزرلینڈ اور ہالینڈ کے سفر کی داستان ہے۔ یہ سفرنامے یورپ اور ایشیا کے بہت سے ممالک کی سیر کراتے ہیں کہ قاری گھر بیٹھے بیٹھے تقریباً آدھی مہذب دنیا کا سفر جمیل الدین عالی کے سفرناموں کے ذریعے کر سکتا ہے۔ جمیل الدین عالی کے سفرنامے روایت اور جدت کا حسین امتزاج ہیں۔ وہ جب کسی ملک کی تاریخ بیان کر لیتا ہے اور جغرافیائی و سیاسی معلومات فراہم کر لیتا ہے تو سفرنامہ ہمیں روایتی

معلوم دیتا ہے لیکن یہ روایت صرف موضوع اور مواد تک محدود رہتی ہے۔ جہاں تک اظہار کا تعلق ہے وہ عالی کا اپنا ہے۔ اہم معلومات کے علاوہ جمیل الدین عالی نے اپنے سفرناموں میں دلچسپی کا سامان بھی مہیا کیا ہے۔

عالی جب یورپ کے کوچہ بازار سے گزرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جمیل الدین عالی سفرنامے کو محض ذریعہ اظہار بناتے ہیں کہ یورپ کی ساری ترقی ان کی تحریر میں سمٹ آتی ہے اور ساری چمک دمک اور آداب والفاظ عالی نے یورپ کی عظمت بیان کرنے کے لیے تخلیق کیے ہیں۔ کئی مقامات پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جمیل الدین عالی سفرنامے کو تفریح طبع کا ذریعہ سمجھتے ہیں بعض جگہ بالکل جاسوسی فلموں جیسا انداز اختیار کر لیا گیا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

جاسوسی فلم کا منظر

''میں نے کوشش کی کہ جیب میں ہاتھ ڈال کر اندر ہی اندر ٹٹولوں اور ایک نوٹ برآمد کر لوں مگر وہ صاحب کچھ اور سمجھے اور انھوں نے فوراً میرا ہاتھ پکڑ لیا ''اوہو تو آپ کے پاس ریوالور بھی ہے'' یہ کہہ کر انھوں نے میرے شانے والے ہاتھ سے میرے منہ کی سیدھ میں ایک زوردار گھونسہ چلا دیا جو میرے دائیں کلّے کی آخری داڑھ پر پڑا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میں خون نگل رہا ہوں۔ شاید میرا احساس یہ تھا کہ میں کوئی مار دھاڑ والی فلم دیکھ رہا ہوں۔ اتنے میں برابر والی گلی سے ایک مضبوط اور خوش شکل خاتون برآمد ہوئی جوان کا دوسرا گھونسہ دیکھ کر چیخنے لگیں مرڈر! مرڈر! جس سے وہ صاحب گھبرا گئے۔ میں نے جلدی سے اپنی فیلٹ ہیٹ منہ کے آگے کر لی اور دونوں مٹھیاں بنا کر جوابی گھونسا مارا جوان کی ناک پر پڑا اور وہ چکرا کر گر پڑے اور پھر اٹھ کر بھاگ اٹھے'' (دنیا مرے آگے صفحہ 31)

جمیل الدین عالی ایک آوارہ منش اور سیلانی قسم کے بے تکلف انسان ہیں جو اپنے سفرناموں میں اپنے سفری تجربات بے تکلف بیان کرتے ہیں۔

(84)

1967۔ابن انشا

ان کی اس کتاب کی مقبولیت اتنی ہے کہ اب تک اس کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔لاہور اکیڈمی لاہور نے 2007ء میں اس کتاب کا بائیسواں ایڈیشن شائع کیا تھا۔

ابن انشا اردو ادب کی اہم ترین شخصیات میں سے ایک تھے۔وہ بیک وقت شاعر،ادیب،کالم نگار اور مزاح نگار تھے۔ریڈیو پاکستان اور نیشنل بک سینٹر سے منسلک رہے۔نیشنل بک فاؤنڈیشن کا رابطہ اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو سے تھا اور اسی رابطے کی بنا پر ابن انشا کو پوری دنیا کی سیر و سیاحت کے مواقع میسر آئے۔1967ء میں ابن انشا یونیسکو کی دعوت پر یورپ اور مشرق وسطیٰ کے سیاحتی دورے پر نکلے۔ان کا یہ سفر تین ماہ کے عرصہ پر محیط تھا جس میں یورپ کے شہر و ممالک میں پیرس،لندن،جرمنی،سوئٹزرلینڈ،ویانا اور مشرق کے ممالک میں قاہرہ،لبنان اور شام شامل ہیں۔ابن انشا نے اپنی یہ سفری روئیداد ''روزنامہ جنگ'' میں کالم کی صورت میں شائع کرائی۔پھر 1971ء میں ان کالموں کو یکجا کر کے ''آوارہ گرد کی ڈائری'' کے نام سے ان کے پہلے سفرنامے کی شکل دی گئی۔

ابن بطوطہ کے تعاقب میں

ابن انشا کا دوسرا سفرنامہ ''ابن بطوطہ کے تعاقب میں'' ہے جس میں انھوں نے جرمنی،لندن،جاپان،فلپائن، سری لنکا اور ایران کے لیے کیے گئے اپنے سفر کی روئیداد بیان کی ہے۔۔ابن انشا کا یہ سفرنامہ پہلی بار 74ء میں شائع ہوا تھا اس کتاب کی مقبولیت اتنی ہے کہ اب تک اس کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔لاہور اکیڈمی لاہور نے 2007ء میں اس کتاب کا بائیسواں ایڈیشن شائع کیا تھا۔اس کتاب کا دیباچہ ''سیاح کی مناجات'' کے عنوان سے ابن انشا نے خود لکھا تھا اور اس کتاب میں 145 ذیلی عنوانات ہیں جن میں جاپان،فلپائن،سری لنکا،ایران،جرمنی اور لندن کی سیاحت کا احوال دیا گیا ہے۔

آدھی دنیا کا سفر

اپریل 1974ء میں شائع ہونے والے اس سفرنامے میں ابن انشا نے 1963ء کے سفر ایران اور 1964ء کے سفر سری لنکا کے دوران لکھے گئے سفری کالموں کے علاوہ اپنی عمر کے آخریں برسوں کے تمام سفروں کی روئیداد بھی شامل کردی ہے۔ ایران اور لنکا کے علاوہ مصر، شام، روم، افغانستان، ہند، بنگال، انڈونیشیا کی سیاحت بھی ابن بطوطہ نے کی تھی اور ابن انشا اس کے نقش قدم پر چلے تھے۔ ابن بطوطہ اور ابن انشا میں اگرچہ ساڑھے چھ صدیوں کا فاصلہ ہے مگر ابن انشا نے اپنے اس سفرنامہ کا نام ابن بطوطہ کے تعاقب میں رکھا تھا۔ ابن انشا کے ان سفرناموں میں طنز ومزاح کا عنصر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

غسل خانے کی تلاش میں

''فرینکفرٹ میں ہم نے غسل خانہ جانا تھا تو اس کا دروازہ ہی نہ ملا۔ ہم نے منیجر کو بلا کر کہا کہ دروازہ کہاں ہے؟ اس نے کہا کہیں بھی نہیں ہے کیونکہ آپ کے کمرے کے ساتھ غسل خانہ نہیں ہے'' اس پر ہم نے کہا جناب ہمیں غسل خانہ چاہیے اس کے ساتھ کمرہ ہو یا نہ ہو کچھ پروا نہیں۔ ہم غسل خانے کے تخت طاؤس پر بیٹھ کر غور وفکر کرتے ہوئے وقت گزار لیں گے۔''

چلتے ہو تو چین کو چلیے

ایسی شگفتگی تحریر ہر ایک کے بس کے بات نہیں بلکہ ابن انشا ہی کا خاصہ ہے۔ ''چلتے ہو تو چین کو چلیے'' ابن انشا کا تیسرا معروف سفرنامہ ہے۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''ہم نے بہت کوشش کی کہ ہمارے چین جانے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو، لیکن تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ'' یہ بات نہیں کہ ہم چھپ چھپا کر بھیس بدل کر بلا پاسپورٹ چین جا رہے تھے یا مغربی دنیا سے اس امر کو چھپانا مقصود تھا مگر اصل میں ہمسایوں اور دوستوں کی فرمائشوں سے بچنا مقصود تھا۔'' (چلتے وہ تو چین کو چلیے)

ابن انشا کا یہ سفرنامہ بھی بہت دلچسپ اور طنز ومراح سے بھرا ہوا ہے۔

(85)

1967ء۔ قرۃ العین حیدر

انھوں نے کئی ادبی ایوارڈ حاصل کیے اور انھیں بھارت کے گیان پیٹھ ایوارڈ سے بھی نوازا گیا
جو بھارت کا سب سے بہترین ادبی ایوارڈ ہے۔

قرۃ العین حیدر بنیادی طور پر ایک ناول نگار ہیں اور افسانہ نویس بھی۔ اردو میں قرۃ العین حیدر نے جیسی شہرت پائی ہے بہت کم ناول نگاروں کو نصیب ہوئی۔ انھوں نے کئی ادبی ایوارڈ حاصل کیے اور انھیں بھارت کے گیان پیٹھ ایوارڈ سے بھی نوازا گیا جو بھارت کا سب سے بہترین ادبی ایوارڈ ہے۔ اردو میں یہ ایوارڈ فراق گورکھپوری کے بعد صرف قرۃ العین حیدر کو ہی ملا ہے۔

منفرد تخلیق کار

قرۃ العین حیدر ایک منفرد تخلیق کار ہیں۔ ان کا مخصوص اسلوب نگارش اردو ادب میں اپنی الگ پہچان رکھتا ہے۔ یہ اسلوب ہندوستان کے دیومالائی قصوں، دبستانوں، صوفیوں اور سنتوں کے روحانی وسیلوں اور لکھنؤ کی تہذیب و معاشرت کے نشیب و فراز سے ابھرتا ہے۔ ان کا یہ طرز نگارش کبھی نہیں بدلتا چنانچہ ان کے سفرنامے بھی اس مخصوص لب و لہجے سے مبرا نہیں ہیں۔ ''جہان دیگر' اور ''دکھلایئے لے جا کر اسے مصر کا بازار'' قرۃ العین حیدر کے معروف سفرنامے ہیں۔ ان کے سفرناموں میں تصوراتی پیکر حقیقی کردار بن کر ابھرتے ہیں۔ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ حال میں سفر کرتے کرتے اچانک ماضی میں پہنچ جاتی ہیں اور حال سے ماضی اور ماضی سے حال میں سفر کرتے ہوئے تہذیبی اور تاریخی معلومات کے قیمتی موتی پروتی رہتی ہیں۔ ان کے سفرناموں میں ظاہری مناظر و مظاہر کی اہمیت نسبتاً کم ہے اس لیے کہ وہ ظاہر سے زیادہ باطن میں سفر کرتی ہیں۔ ان کی شخصیت میں افکار و معانی کی ایک دنیا آباد ہے۔ وہ ذہن اور ذات کی مسافرہ ہیں۔ زندگی کی

معمولی جزئیات سے ایسے نکات برآمد کر لیتی ہیں کہ قاری کے ذہن کے تمام گوشے منور ہو جاتے ہیں۔ قرۃ العین حیدر اپنے سفری کرداروں کو اس انداز سے متعارف کراتی ہے کہ ہر شخص ان میں اپنا باطن دیکھ سکتا ہے۔

تحیر انگیز سفرنامے

ناول کی طرح ان کے سفرنامے بھی تحیر سے خالی نہیں۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس تحیر کو زائل نہیں ہونے دیتیں جو ان کے سفرناموں کو داستان اور ناول سے قریب کرتا ہے اور قاری کو ان سے دور نہیں ہونے دیتا۔ وہ اپنے تبصروں سے بھی اس احساس تحیر کو زندہ رکھتی ہیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

دکھلایئے جا کے اسے مصر کا بازار

''صحن کے شمالی سرے پر ایک بے حد حسین اٹھارہ انیس برس کی لڑکی سبز رنگ کے فراک میں ملبوس سبز ہیٹ لگائے بہت سے مردوں کے ہجوم میں گھری ہوئی ہے۔ لمبا ایجنٹ بھی وہاں پہنچا ہوا تھا اور اس کی کرسی کا طواف کر رہا تھا'' کس قدر خوبصورت لگتی ہے؟ اورنگ دھتی نے کہا..... لگتا ہے جیسے وہ سورگ کے صفحوں میں سے نکل کر آئی ہو، الویرا نے کہا...... وہ بڑی تمکنت کے ساتھ گویا تخت پر بیٹھی تھی اور اس کے عشاق اس کے سامنے درباریوں کی طرح کھڑے ہوئے تھے۔ لمبے ایجنٹ سمیت کئی ایک نے جھک جھک کر اسے پیار بھی کیا۔'' مڈل ایسٹ میں بیہودگی کی انتہا ہے۔ واقعی شارمین نے کہا..... سن رسیدہ اور خاموش طبیعت ڈاکٹر رائے چودھری جو اپنی نوجوان بیوی کی سہیلیوں میں بہت کم بات کرتے تھے شفقت سے مسکرائے'' میں اس خوشگوار نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم ہندوستانی عورتیں کتنی ہی جدید اور آزاد خیال کیوں نہ بن جاؤ رہو گی وہی ہندوستانی عورت۔''

(دکھلایئے لے جا کے اسے مصر کا بازار)

پاکستان سے واپسی

قرۃ العین حیدر (1927-2007ء) مشہور ادیب سجاد حیدر یلدرم کی صاحب زادی تھیں۔ انھوں نے لکھنؤ یونیورسٹی سے انگریزی ادبیات میں ایم اے کیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان آئیں مگر کچھ عرصہ بعد واپس بھارت چلی گئیں۔ ان کی اردو کہانیاں عریاں، حیا سوز اور شہوت انگیز ہیں۔ ان کی تصنیف میں آگ کا دریا، آخر شب کے ہم سفر، ہاؤسنگ سوسائٹی وغیرہ اہم ہیں۔

(86)

1968۔قدرت اللہ شہاب

شہاب نامے کے خالق اور پاکستان کے سرکاری حلقوں کے راز داں جن کا اپنا
ایک اسلوب نگارش ہے،ان کے ساتھ سفر کیجیے

تو ابھی رہگزر میں ہے

''اے بنی اسرائیل'' اور''تو ابھی رہگور میں ہے'' قدرت اللہ شہاب کے سفرنامے ہیں۔ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سفرنامہ نگار نے زمینی حالات و واقعات سے زیادہ باطنی کیفیت کے ذریعے کیفیات کا احوال بیان کیا ہے۔قدرت اللہ شہاب نے اپنے سفری تجربات ومشاہدات کے ذریعے قاری کے دیدہ دل کو تحیر یا مسرت سے ہمکنار کرنے کی بجائے اس کے باطن کو منقلب کرنے کی کوشش کی ہے۔بالالفاظ دیگران کے سفرناموں میں ادراک کی سطح پر سفر کرنے کی شعوری کوشش کی گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے سفرنامہ کسی ملک کے تاریخ وجغرافیہ اور تہذیب وتمدن سے بہت کم تعلق رکھتے ہیں۔انھیں مملکتوں کی سیاسی ہنگامہ آرائی اور قدرتی مظاہر سے بھی کوئی دلچسپی نہیں۔وہ انسان پر نظریں جمائے رہتے ہیں اوراس کے باطن کی گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں۔وہ انسانی دماغ سے رابطہ قائم کرتے ہیں اور کسی ایک بات،ایک منظر،ایک واقعہ یا ایک خیال کے توسط سے دور تک اور دیر تک سفر کرتے ہیں۔اس سفر میں ان کا ذہن مختلف سمتوں میں پرواز کرتا ہے اور وہ کہیں خود کلامی کے ذریعے اپنا مافی الضمیر ادا کرتے ہیں تو کہیں تجزیہ اور تبصروں کے ذریعے قاری کے جذبات کو ابھارتے ہیں۔(1920-1986)

ادراک کو جھنجوڑنے والے

قدرت اللہ شہاب انسان کے ادراک کو جھنجوڑتے اور جذبات کو ابھارنے کی کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں۔

اس عمل کی بہتات نے ان کے سفرناموں کے فطری انداز کو خاصا نقصان پہنچایا ہے۔قدرت اللہ شہاب پاکستان کے مشہور مصنف تھے اور سول سروس میں تھے۔انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے انگلش کیا تھا۔ بہار اور اڑیسہ میں رہے اور 1947ء میں پاکستان آ گئے۔شہاب نامہ ان کی سب سے معروف تصنیف ہے۔

(87)

1968-شورش کاشمیری

آغا شورش کاشمیری، شاعر، ادیب، خطیب اور صحافی ار سرکاری حلقوں پر نکتہ چینی کرنے کے ماہر

آغا شورش کاشمیری (1917-1975ء) ان کا اصل نام عبدالکریم تھا۔ وہ امرتسر میں پیدا ہوئے۔ نامساعد حالات کی بنا پر میٹرک کے بعد تعلیم جاری نہ رکھ سکے تاہم انھوں نے ذاتی طور پر مطالعہ جاری رکھا اور تقریباً ہر قابل ذکر کتاب پڑھ ڈالی۔ شعروشاعری کا ذوق ابتداء ہی سے رکھتے تھے۔ روزنامہ ''سیاست'' میں نظمیں لکھنا شروع کیں۔ تحریک شہید گنج میں اڑھائی سال قید کی سزا ہوئی۔ اس کے بعد باقاعدہ سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔ مولا اظفر علی خاں سے تلمذ فیض حاصل کیا۔ سولہ برس کی عمر میں دوبارہ بغاوت کے جرم میں دوسال کی سزائے قید ہوئی۔ رہا ہونے کے بعد لاہور میں نظر بند رہے۔ پھر رہا ہونے کے بعد ایک باغیانہ تقریر کی پاداش میں پھر ڈیڑھ سال کے لیے قید کر دیے گئے۔ دوسری جنگ عظیم چھڑ جانے کے بعد ایک اور باغیانہ تقریر کی پاداش میں ڈیفنس آف انڈیا کے تحت سات سال قید کی سزا ہوئی۔ رہا ہونے کے بعد بھی لاہور میں نظر بند تھے کہ آزادی سے چھ ماہ پہلے ان کی پابندیاں ختم کر دی گئیں۔

قیام پاکستان کے بعد کچھ عرصہ ''زمیندار'' اور آزاد کی شعبہ ادارت میں رہے۔ پھر اپنا ہفت روزہ ''چٹان'' جاری کیا۔ قیام پاکستان کے بعد بھی حکومت پر نکتہ چینی کی پاداش میں متعدد بار قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں۔

سفرنامہ حج

''شب جائے کہ من بودم'' ان کا سفرنامہ حج ہے جو 1971ء میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔ یہ ان کا ایک تاثراتی سفر نامہ ہے جس میں انہوں نے جغرافیائی اور تاریخی معلومات کے ساتھ ساتھ اپنے تاثرات بھی بیان کیے ہیں جو اس سفرنامہ کو ایک یادگار کتاب بناتے ہیں۔

(88)

1970۔ مستنصر حسین تارڑ

ان کے سفر ناموں کی شمولیت سے اردو ادب کے وقار میں اضافہ ہوا ہے۔ مستنصر کے سفر ناموں کا مطالعہ سبھی نے ذوق وشوق سے کیا کہ انھوں نے سفر نامے کو ادب کی مقبول ترین صنف بنادیا

اردوسفرنامے میں ایک عظیم نام

مستنصر حسین تارڑ (2016-1939ء) نئے اردو سفرنامے کا ایک نہایت اہم نام ہے۔ان کے سفرنامے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تارڑ نے ایک حقیقی سیاح کی مانند اپنے سفر کو کسی مقصد کی ڈور میں نہیں باندھا۔ ہر منزل ان کے لیے رہگور ہے اور ہر رہگور ایک منزل تھی۔اس طرح خود سفر ہی ان کا مقصودِ سفر ہو جاتا ہے اور ایک ٹوٹے ہوئے پتے کی مانند اِدھر سے اُدھر اُڑتے پھرتے ہیں اور ایک آوارہ گردی طرح دیس بدیس کی سیر کرتے نظر آتے ہیں۔اس طرح جہاں گردی یا آوارہ گردی میں ان کے حواس خمسہ ہر وقت بیدار رہتے ہیں۔انھیں حواس خمسہ کے ذریعے وہ سفر کی تمام جزئیات محفوظ کرتے جاتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کے ثمرات سفر ''نکلے تیری تلاش میں''،''اندلس میں اجنبی''،''خانہ بدوش'' اور ''ہنزہ داستان'' جیسے لاجواب سفرناموں کی شکل میں موجود ہیں۔یہ وہ سفرنامے ہیں جن کی شمولیت سے اردو ادب کے وقار میں اضافہ ہوا ہے۔ مستنصر کے سفرناموں کا مطالعہ سبھی نے ذوق وشوق سے کیا۔ان کی بدولت اردو کے قارئین میں سفر نامے پڑھنے کا شوق بیدار ہوا اور سفرنامے کی مقبولیت میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ان کی مقبولیت کی وجہ سے سفرنامہ نگاری کو تقویت ملی اور سفرنامہ لکھنا ایک فیشن سا ہو گیا۔ مگر سفرناموں کی اس بھیڑ میں مستنصر حسین تارڑ کا چہرہ صاف پہچانا جاتا ہے۔ مستنصر ایک سچے سیاح کی مانند سفر کو زحمت نہیں سمجھتے بلکہ اکتساب مسرت کا وسیلہ تصور کرتے ہیں۔ باریک بینی اور جزئیات نگاری میں انھیں کمال حاصل ہے، منظر کیسا بھی ہو اور کہیں بھی ہو، ان کی تیز نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتا۔ایک منظر ملاحظہ کیجیے:

''میرے ساتھ بیٹھی ہوئی پستہ قد اور قابل رشک صحت کی مالک لڑکی نیلے رنگ کی چست پتلون اور

کالے سوئٹر میں ملبوس ہے۔ سوئٹر لمبائی میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے پتلون تک پہنچتے پہنچتے رہ گیا تھا۔ وہ بار بار دونوں ہاتھوں سے کھینچ کر سوئٹر اور پتلون کے درمیان کے فاصلے کو پر کرنے کی کوشش کرتی مگر ہاتھ کے ہٹتے ہی جسم کے بالائی حصے کے کھنچاؤ کی وجہ سے سوئٹر سکڑ کر پھر اپنی پرانی حالت پر آ جاتا اور پتلون کی بیلٹ کے عین اوپر اس کا سفید پیٹ نظر آنے لگتا۔ دوسری لڑکی نے جس کا چہرہ لمبوترا تھا اپنے کندھوں پر ایک کھیس نما شال اوڑھ رکھی تھی۔" (اندلس میں اجنبی)

نکلے تری تلاش میں اور خود بھی کھو گئے

ان کا پہلا سفرنامہ "نکلے تری تلاش میں" تھا جو 1970ء میں شائع ہوا تھا۔ اس سفرنامے میں مستنصر حسین تارڑ نے کچھ ایسے خوبصورت کرداروں سے بھی ملاقات کرائی کہ قاری ان کرداروں کے حسن میں کھو جاتا ہے۔ جدید سفرناموں میں اس قسم کی ملاقاتوں کا انداز افسانوی اور داستانی ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ خوبصورت لڑکیاں ان سفرنگاروں کی منتظر رہتی ہیں، بس ان کا گھر سے نکلنا شرط ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کے یہاں اس قبیل کے کرداروں کی تعداد نسبتاً کم ہے مگر ربیکا بہر حال موجود ہے جو اس کے پہلے سفر وینس میں اس سے ملتی اور قریب ہونے کی کوشش کرتی ہے۔ بہر حال مستنصر سفرنامے کو نئی جہت دینے والے سیاح ہیں۔

پچاس سے زائد کتابوں کا مصنف

مستنصر حسین تارڑ نے پچاس سے زائد کتب لکھیں ان کی وجہ شہرت ان کی سفرنگاری ہے۔ اگرچہ انھوں نے ناول اور ڈرامہ نگاری، افسانہ نگاری بھی کی ہے۔

مستنصر حسین تارڑ یکم مارچ 1939ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مشن ہائی سکول رنگ محل اور مسلم ماڈل ہائی سکول سے تعلیم حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج سے ایف اے کرنے کے بعد انھوں نے برطانیہ اور یورپ کے دوسرے ملکوں کا رخ کیا جہاں انھیں فلم تھیٹر اور ادب کو نئے زاویے سے سمجھنے کے مواقع حاصل ہوئے۔ 1957ء میں شوق آوارگی انھیں ماسکو میں منعقد ہونے والے یوتھ فیسٹول میں لے گیا جس کی روئیداد انھوں نے روزنامہ "قندیل" میں شائع کی۔ 1969ء میں وہ یورپی ممالک کی سیاحت پر روانہ ہوئے اور پھر انھوں نے "نکلے تری تلاش میں" اپنا پہلا سفرنامہ مرتب کیا اور پھر یہ سلسلہ 2016ء تک چلتا رہا اور انھوں نے تقریباً 22 سفرنامے لکھے۔

(89)

1970-عطاالحق قاسمی

شوق آوارگی میں قاسمی صاحب نے بعض مقامات پر امریکی معاشرے کو طنز و تضحیک کا نشانہ بھی بنایا ہے۔عطاالحق قاسمی
کے سفرناموں سے کہیں بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ کسی ایسی جگہ کے حالات لکھ رہے ہیں
جہاں پہنچ کر لوگ مرعوب ہو جاتے ہیں اور احساس کمتری کا شکار ہونے لگتے ہیں

عطاالحق قاسمی پاکستان کے ایک طرح دار ادیب، سفرنامہ نگار اور مزاحیہ کالم نگار ہیں۔وہ ایک طویل عرصہ سے روزنامہ ''جنگ'' سے وابستہ ہیں۔ایم۔اے کرنے کے بعد تدریس سے وابستہ ہو گئے اور ایم اے او کالج لاہور میں لیکچرار کی خدمات انجام دیں۔نوائے وقت میں ایک عرصہ تک ''روزن دیوار'' کے نام سے مزاحیہ کالم لکھتے رہے ہیں۔اس پر انھیں آدم جی ایوارڈ بھی ملا تھا۔''خند مکرر'' ان کی اہم تصنیف ہے۔اخباری کالموں کا دوسرا انتخاب ''عطایئے'' ہے شوق آوارگی، جلاوطن اور مسافتیں ان کے سفرنامے ہیں۔

عطاالحق قاسمی کے بارے میں خالد محمود صاحب اپنی کتاب میں رقم طراز ہیں کہ قاسمی صاحب ایک یار باش قسم کے زندہ دل، لطیفہ سنج، جملے باز اور منچلے انسان ہیں۔احباب کی محفلوں میں ان کے جملوں کی بازگشت دیر تک سنائی دیتی ہے۔قاسمی صاحب نے امریکہ کا سفر کیا تو یہ ساری خصوصیات ان کے ساتھ تھیں اور جب سفرنامہ لکھنے بیٹھے تو اپنے قلم کو اور لطیف اور شگفتہ بنالیا۔اس سفرنامہ کا نام ''شوق آوارگی'' ہے اس نام ہی سے ان کی افتاد طبع کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

شوقِ آوارگی

عطاالحق قاسمی ایک تخلیق کار ہیں۔سفرنامہ لکھتے وقت بھی یہ تخلیق کار ان کے ساتھ رہتا ہے اور کامیاب وقائع نگار کے انداز میں سفرنامہ ڈکٹیٹ (Dictate) کراتا ہے۔شوق آوارگی میں قاسمی صاحب نے بعض مقامات پر امریکی معاشرے کو طنز و تضحیک کا نشانہ بھی بنایا ہے۔عطاالحق قاسمی کے سفرناموں سے کہیں بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ کسی ایسی جگہ کے حالات لکھ رہے ہیں جہاں پہنچ کر لوگ مرعوب ہو جاتے ہیں اور احساس کمتری کا شکار ہونے لگتے ہیں بلکہ اکثر مقامات

پر وہ ایک ایک فاتح نظر آتے ہیں جو اپنے مفتوحہ علاقے کی سیر کو نکلتا ہے۔ ایک منظر دیکھیے اور ایک مقام پر سفر کے دوران پیش آنے معمولی اور عام واقعہ کو عطاالحق قاسمی کے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے ملاحظہ کیجیے:

شوقِ آوارگی سے اقتباس

''ہم اب تک دو تین میل دور نکل چکے تھے لیکن وہ ڈیپارٹمنٹل سٹور کہیں نظر نہیں آیا جہاں مسعود مجھے لے جانا چاہتے تھے۔ یہاں سڑکوں کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں جہاں روزمرہ کی چیزیں دستیاب تھیں۔ طویل سفر اور صلیبیں اٹھا کر چلنے کی وجہ سے میرا جوڑ جوڑ دُکھ رہا تھا۔ اوپر سے اس واک نے میرے لیے 'مرے کو مارے شاہ مدار' والی صورت حال پیدا کر دی۔ اس پر میں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور زمین پر پتھلا (چوکڑی) مار کر بیٹھنے کو تھا کہ مسعود نے ہنستے ہوئے مجھے اس حرکت سے باز رہنے کو کہا اور برابر والی دکان کے کاؤنٹر والی لڑکی سے راستہ پوچھنے کے لیے اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ دور سے میں نے دیکھا تو لڑکی کے پنکھڑی ایسے ہونٹ اور مسعود کی کمانی دار گردن حرکت میں تھے، وہ گردن کو کبھی آگے پیچھے ہلاتا اور کبھی بڑی بیدردی سے بائیں یا دائیں لڑھکا دیتا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دکان سے باہر نکلا۔ ٹھیک ہے میں سمجھ گیا اور مجھے ایک بار پھر پیچھے لگا لیا۔'' (شوق آوارگی صفحہ 349)

(90)

1975- پال تھیراکس

PAUL THEROUX

یہ سفرنامہ بطور سفرنامہ نگار اس کی پہلی کامیابی تھی اور بعد ازاں اس شاہکار نے سفرناموں کی صنف میں ایک کلاسیک کا درجہ حاصل کر لیا

پال تھیراکس (1941ء-؟) ایک امریکی سفرنامہ نگار اور ناول نگار ہیں۔ وہ اپنے سفرنامہ "دی گریٹ ریلوے بازار (The Great Railway Bazar) کی وجہ سے مشہور ہیں۔ ان کا یہ سفرنامہ 1975ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ان کے بے شمار ناول ایسے ہیں جن پر بعد ازاں فیچر فلمیں بنائی گئیں جیسے 1981ء میں شائع ہونے والا ناول (The Mosquito coast) ایک ایسا شاہکار ناول ہے جس پر اسے ایوارڈ دیا گیا اور اسی نام سے اس ناول پر فیچر فلم بھی بنائی گئی تھی۔

مالاوی میں ناول پر پابندی

پال تھیراکس امریکی ریاست میساچوسٹس میں پیدا ہوا اور رومن کیتھولک والدین کا بیٹا تھا۔ اس کی والدہ ایک اسکول ٹیچر تھیں اور اس کا باپ ایک سیلز مین تھا۔ پال تھیراکس نے میڈورڈ ہائی اسکول میں تعلیم پائی اور پھر یونیورسٹی آف میساچوسٹس سے 1963ء میں گریجوایشن کی ڈگری حاصل کی۔ 1963ء ہی میں پال تھیراکس نے افریقی ملک مالاوی Malawi میں ایک استاد کی حیثیت سے ملازمت کی۔ اس دوران اس نے مالاوی کے وزیراعظم کے ایک مخالف کی یوگنڈا کی طرف فرار ہونے میں مدد کی جس کی پاداش میں اسے مالاوی سے نکال دیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد اس نے اپنا ناول Jnngle Lover لکھا جس پر مالاوی میں تیس سال تک پابندی عائد رہی کہ اس ناول میں اس نے مالاوی کے سیاسی معاملات کو پیش کیا تھا۔

پال تھیراکس اس کے بعد یوگنڈا آ گئے اور میکریری یونیورسٹی میں پڑھانے لگے۔ یوگنڈا میں قیام کے دوران

1967ء میں اس کا پہلا ناول Waldo شائع ہوا تھا 1972ء میں پال تھیرا کس لندن میں رہائش پذیر تھا کہ اس نے برطانیہ سے جاپان تک بذریعہ ٹرین سفر کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس کے اس سفر کی روئیداد ہی 1975ء میں ''دی گریٹ ریلوے بازار'' کے نام سے چھپی تھی اور اس کا مشہور زمانہ سفرنامہ بن گئی تھی۔ یہ سفرنامہ بطور سفرنامہ نگار اس کی پہلی کامیابی تھی اور بعد ازاں اس شاہکار نے سفرناموں کی صنف میں ایک کلاسیک کا درجہ حاصل کرلیا۔ اس سفرنامہ کے بعد پال تھیرا کس نے کئی اور سفرنامے بھی لکھے جن میں The Old Patagonian Express جو بوسٹن سے ارجنٹینا تک ریل میں سفر کی کہانی پر مشتمل سفرنامہ ہے۔ اس کے علاوہ Kingdom By Sea برطانیہ کے جزائر کے پیدل سفر کی روئیداد ہے۔ اس کے علاوہ اس نے قاہرہ سے کیپ ٹاؤن تک براعظم افریقہ کے اندرون میں سفر کیا اور The Dark Star Safary سفرنامہ لکھا۔

مقبول ترین سفرنامہ

اس کا سفرنامہ ''دی گریٹ ریلوے بازار'' اس کے 1973ء میں لندن سے براعظم یورپ اور مشرق وسطیٰ سے ہوتے ہوئے برصغیر پاک و ہند اور جنوب مشرقی ایسیائی ممالک سے گزر کر جاپان تک چار مہینے پر مبنی سفر کی داستان ہے۔ اس سفر میں واپسی اس نے ٹرانس سائبرین ریلوے میں سفر کر کے کی تھی۔ اس سفر کا پہلا حصہ بھارت تک سفر پر مشتمل ہے اور Hippie Trail کہلاتا ہے۔ ''دی گریٹ ریلوے بازار'' کی تقریباً 15 لاکھ جلدیں فروخت ہوئیں اور یہ ایک بیسٹ سیلر کتاب ثابت ہوئی۔

انتیس سال بعد دوبارہ

2006ء میں پال تھیرا کس نے اپنے 1973ء سے سفر کا اعادہ کیا اور دوبارہ برطانیہ سے جنوب مشرق ایشیا تک ریلوے میں سفر کیا۔ اس نے انتیس سال بعد دوبارہ کیے گئے اپنے اس سفر میں لوگوں اور مقامات کو بہت بدلا ہوا پایا۔ اگرچہ وہ اپنے پہلے سفرنامہ کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہو چکا تھا مگر اس نئے سفر میں ان ملکوں کے لوگوں نے اسے نہیں پہچانا۔ اپنے اس نئے سفر کی روئیداد اس نے اپنے ایک نئے سفرنامہ Ghost TrainTo Easter Star میں پیش کی ہے۔

(91)

1978۔ ممتاز مفتی

ممتاز مفتی صاحب ایوان ادب کی سربرآوردہ شخصیت ہیں۔ ان کے علی پور کے ایلی کو کون نہیں جانتا؟ ممتاز مفتی صاحب (1905ء۔) ممتاز افسانہ نگار، ناول نویس اور سفرنامہ نگار۔ مشرقی پنجاب میں پٹیالہ میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ کالج لاہور سے بی اے کیا۔ مختلف اسکولوں میں بارہ سال تک تدریس کے فرائض ادا کیے۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان ایرفورس، آزاد کشمیر ریڈیو، پبلک سروس کمیشن میں اور وزارت اطلاعات میں خدمات انجام دیں۔ ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا جیتا جاگتا ثبوت ان کے افسانے اور ناول ہیں۔ امیر خسروؒ کے عرس کی تقریبات میں شرکت کے لیے بھارت گئے تھے۔ وطن واپس پر ''بھارت یاترا'' نامی سفرنامہ لکھا۔ اسی طرح خود لکھتے ہیں کہ 1968ء میں انھوں نے حج میں حاضری دی تھی۔ واپسی پر ان کے دل میں آیا کہ حج بیت اللہ پر کچھ لکھیں۔ قاسم محمود صاحب جو ان دنوں سیارہ ڈائجسٹ کے مدیر تھے ان کے اصرار پر انھوں نے حج بیت اللہ پر اپنے رپورتاژ قلم بند کرنا شروع کیے جو سولہ قسطوں میں سیارہ ڈائجسٹ میں شائع ہوئے۔ مفتی صاحب اس سلسلے کو مزید آگے بڑھانا چاہتے تھے مگر بقول ان کے اسلام کے اجارہ داروں نے انھیں اس مقدس موضوع پر لکھنے سے روک دیا۔ 1978ء میں مفتی صاحب کا یہ رپورتاژ 'لبیک'' کے نام سے ایک کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس میں انھوں نے چند ابواب کا اضافہ بھی کیا۔

تخریب و تعمیر کا رپورتاژ

''لبیک'' کے متعلق نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ کہا جا سکتا ہے کہ ممتاز مفتی نے حقیقت کے مینار کو منہدم کر کے نور کا مینار استوار کیا ہے اور ''لبیک'' اسی تخریب و تعمیر کا رپورتاژ ہے۔ اس رپورتاژ میں ممتاز صاحب کا لہجہ بیک وقت احساس شکست کی عکاسی بھی اور احساس فتح مندی بھی۔ اس سے مترشح اور یہ ناسٹیلجیا اور فینٹسی کا دلچسپ امتزاج ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

صحنِ کعبہ میں

''عین اس وقت زائرین کے انبوہ سے ایک شور اٹھا حاضر ہوں اے میرے اللہ میں تیرے حضور حاضر ہوں۔ سارا میدان لبیک کے نعروں سے گونج اٹھا۔

وہ سب مغرب کی طرف رخ کیے کھڑے تھے اور سورج کی طرف دیکھ رہے تھے جو تیزی سے افق کی جانب گرتا جارہا تھا۔

جوں جوں وہ لبیک پڑھتے جاتے ان کا جوش وخروش بڑھتا جارہا تھا۔ جذبہ جوار بھاٹا بنتا جارہا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں کی تسبیحیں بھول چکے تھے۔ تسبیحیں ان کے ہاتھوں میں یوں لٹک رہی تھیں جیسے بے جان ہو چکی ہوں۔ وہ سفید پتھر کو بھول چکے تھے۔ وہ پتھر جو حج سے لے کر اب تک ان کا نگاہوں کا مرکز بنا رہا تھا۔ وہ پتھر جسے وہ عملی طور پر نہ سہی لیکن ذہنی طور پر سجدے کرتے رہے تھے۔ وہ پتھر اب اتنی بڑی بھیڑ میں اکیلا تھا۔ چاروں طرف جذبات کا تلاطم بڑھتا جارہا تھا۔''

(لبیک صفحہ 150)

مدینہ منورہ میں حاضری

مفتی صاحب مدینہ منورہ میں حاضری کے موقع پر لکھتے ہیں:

''نال مرے کوئی چلے۔

پھر جب ہم مدینہ شریف میں پہنچے تو قدرت نے کہا تھا کہ آپ مسجد نبوی ہو آئیں میں اس حالت میں نہیں ہوں کہ حاضری دے سکوں اور میں خوشی خوشی مسجد تک پہنچا لیکن اندر داخل ہونے کی ہمت نہ پڑی تھی اور میں مسجد کے گرد طواف کرتا رہا تھا۔

اس روز 16 مارچ کا دن تھا۔ 1968 واں سال تھا۔ مسجد نبوی میں ابھی فجر کی اذان نہیں ہوئی تھی۔ اس روز بھی قدرت نے مجھے صبح کاذب کے منہ اندھیرے میں جگایا دیا تھا۔ پھر ہم دونوں باب جبرائیل میں داخل ہو کر حجرہ پاک میں پہنچے تھے۔'' (لبیک صفحہ 227)

(92)

1980- مچل پالن

MICHAEL PALIN

مچل پالن ایک انگریز مزاح نگار، اداکار اور مصنف ہیں۔ وہ ٹیلی وژن پر پروگرام بھی پیش کرتے ہیں۔ ان کا تعلق ایک مزاحیہ گروپ مانٹی پائتھن Monty Python سے ہے۔ مزاح نگاری کرتے کرتے انھوں نے سفرنامہ نگاری بھی شروع کی اور ٹیلی وژن کے لیے کئی سفری دستاویزی فلمیں بھی بنائیں۔ اس سلسلے میں پالن نے قطب شمالی، قطب جنوبی کے علاوہ صحارا، ہمالیہ، مشرقی یورپ اور جنوبی امریکہ میں برازیل تک سفر کیے۔ 2000ء میں مچل پالن کو سفری دستاویزی فلمیں بنانے پر کمانڈر آرڈر آف دی برٹش ایمپائر کا اعزاز دیا گیا۔ اس کے علاوہ 2009ء سے 2012ء تک مچل پالن رائل جغرافیکل سوسائٹی برطانیہ کا صدر بھی رہا۔ 12 مئی 2013ء کو پالن کو BAFTA کی فیلوشپ دی گئی جو اس کی زندگی کا سب سے بڑا ایوارڈ تھا۔

دنیا کے گرد ریلوے سفر

مچل پالن کی پہلی سفری دستاویزی فلم Documentary بی بی سی ٹیلی وژن کی فلم سیریز Great Railway Journey of the World تھی جو 1980ء میں پیش کی گئی۔ اس سفری دستاویزی فلم کی تیاری کے لیے مچل نے یونائیٹڈ کنگڈم برطانیہ میں لندن سے کیل آف لوکاش تک ریلوے میں سفر کیے۔ اسی سیریز کے تحت پالن نے 1994ء میں آئرلینڈ کے گوشے گوشے تک سفر کیے۔ 1989ء میں مچل پالن نے بی بی سی ٹیلی وژن سے Around the World In 80 Days نامی پروگرام کیا جس میں اس نے جولیس ورن کے اس ناول میں دیے گئے سفر کی تقلید میں دنیا کے گرد سفر کیا۔ اس پر اس کی دستاویزی فلم بڑی مقبول ہوئی۔

قطب شمالی سے قطب جنوبی تک

اس کی ایک اور اہم دستاویزی فلم Pole To Pole تھی جو 1992ء میں بھی ریلیز ہوئی۔ یہ مچل کے قطب شمالی سے قطب جنوبی تک کیے گئے سفر کی روئیداد تھی۔ 1995ء میں مچل نے Ful Circle With Michale ٹیلی وژن پروگرام کیا جو بحرالکاہل کے اردگرد واقع سرزمینوں کا سفر تھا۔ اس سفر میں مچل نے تقریباً پچاس ہزار میل یا اسّی ہزار کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا۔ اس کا یہ سفر ڈائمنڈ آئی لینڈ سے شروع ہو کر آبنائے بیرنگ پر ختم ہوا تھا۔ اس پروگرام میں اس نے براعظم ایشیا، امریکہ اور اوشیانا کا سفر کیا تھا۔

ہیمنگوے کے نقش قدم پر

1999ء میں مچل پالن نے ارنسٹ ہیمنگوے کی نقش قدم پر نامی پروگرام کیا اور اس مشہور امریکی ادیب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے امریکہ، یورپ، افریقہ اور بحیرہ کیریبین کا سفر کیا۔ 2001ء اور 2002ء میں پیش کیا جانے والا پروگرام Sahara With Michael Palin یہ مشہور زمانہ صحرا میں کیے گئے سفر کی دستاویزی فلم سیریز تھی۔

2003ء اور 2004ء میں مچل پالن نے Himalaya With Plain نامی سفری دستاویزی پروگرام کیا۔ اس ٹیلی وژن پروگرام میں مچل پالن نے ہمالیائی خطوں کا سفر کیا۔

2006ء میں اس کا پروگرام Michael Palin`s New Europe پیش کیا گیا جس میں اس نے وسطی یورپ اور مشرقی یورپ کے ملکوں کا سفر کیا۔ بعدازاں مچل پالن نے اسی نام سے سفرنامہ بھی تحریر کیا۔

پاکستان کے علاقوں پر ٹیلی سیریز

مچل پالن نے درہ خیبر، پشاور اور چترال، گلگت اور K2 کی چوٹی تک سفر کی ایک سیریز بھی کی تھی۔ پاکستان میں اس نے اپنا پروگرام North By North West بھی کیا تھا۔ برصغیر کے بارے میں اس کا ایک اور پروگرام A Passage to India نامی پروگرام ہے۔ تبت کے بارے میں اس نے The Roof of the World نامی پروگرام کیا۔ اسی طرح بھوٹان سے خلیج بنگال تک'' اس کا ایک اور ٹیلی پروگرام ہے جو اس کے بھوٹان سے بنگلہ دیش تک کے سفر پر مشتمل ہے۔ اپنے سفروں پر مچل پالن نے سفرنامے بھی لکھے ہیں جن میں Sahara سب سے اہم کتاب یا سفرنامہ ہے۔ بہرحال وہ جدید زمانے میں دنیا کے مختلف خطوں میں کیے گئے اپنے سفائر کی وجہ سے جدید زمانے کا سب سے زیادہ سفر کرنے والا ''ٹیلی سیاح'' قرار پاتا ہے۔

(93)

1986۔ڈینی سن بیروک

DENNISON BERWICK

دریائے گنگا کے کنارے

ڈینی سن بیروک ایک برطانوی نژاد کینیڈین سفر نامہ نگار ہے۔ وہ برطانوی قصبے مغربی یارک شائر میں 19 مئی 1956ء کو پیدا ہوا۔اس نے ٹرنٹی کالج سے تعلیم حاصل کی۔ 1980ء میں وہ کینیڈا منتقل ہو گیا۔1986ء میں اس نے بھارت کے مشہور دریائے گنگا کے ساتھ ساتھ تقریباً 3000 کلومیٹر کا پیدل سفر کیا۔اس کے علاوہ اس نے جنوبی امریکہ میں بہنے والے مشہور دریا ایمیزن Amazon کے کناروں پر بھی سفر کیا۔ان دونوں سفروں کی روئیداد اس نے اپنے سفر ناموں A Walk Along The Ganges اور Amazon and Savages میں تحریر کی۔اس کے علاوہ اس نے کینیڈا کے مسیحی عبادت گاہوں کے متعلق Canadia Retreat Guide ایک گائیڈ بھی مرتب کی ہے۔2004ء میں آنے والے سونامی کے بعد ڈینی سن بروک انسانی ہمدردی کی بنیاد پر انڈونیشیا میں سماٹرا اور دیگر جزائر پر بھی خدمات انجام دیتا رہا۔اس کا سفر نامہ ''گنگا کے ساتھ ساتھ A Walk Along the Gnges، 1986ء میں شائع ہوا تھا۔اس سفرنامے میں اس نے اپنے گنگا کے ساتھ کیے ہوئے 2000 میل کے پیدل سفر کی روئیداد بیان کی ہے۔گنگا کے کنارے سفر کرنے کا تصور اس کے ذہن میں بچپن میں آیا تھا اور جب سے ہی وہ اپنے اس تصور کو حقیقت کا روپ دینا چاہتا تھا۔پھر ایک دن اس نے اپنا یہ طویل پیدل سفر مکمل کیا اور اس کی روئیداد فلم بند کر کے شائع کرائی۔

(94)

ڈاکٹر سلیم اختر

ادب اور لاشعور پر انھیں داؤد ادبی انعام ملا۔

ڈاکٹر سلیم اختر (1934ء۔) ادیب، نقاد اور محقق، پنجاب یونیورسٹی سے 1961ء میں ایم اے کیا۔ کچھ عرصہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری اور پنجاب پبلک لائبریری میں خدمات انجام دیں۔ پھر 1962ء میں ایمرسن کالج ملتان، گورنمنٹ کالج، وحدت روڈ لاہور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ 1972ء میں واپس لاہور آ گئے اور گورنمنٹ کالج سے وابستہ ہو گئے۔ 1978ء میں اردو میں تنقید کا نفسیاتی دبستان کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا۔ 1959ء سے افسانے، تنقیدی مضامین اور نفسیاتی مضامین لکھنے کا آغاز کیا تھا اور ہر سال اردو ادب کا جائزہ پیش کرتے رہے ہیں۔ ادب اور لاشعور پر داؤد ادبی انعام ملا۔

اہم تصانیف میں باغ و بہار، فکر اقبال کے منور گوشے، عورت، جنس اور جذبات، مرد جنس کے آئینے میں، اقبال ممدوح عالم، عجب سیر تھی وغیرہ ہیں۔

"عجب سیر تھی"

"عجب سیر تھی" اس کا سفرنامہ ہے جو انھوں نے بھارت کی سیاحت پر لکھا ہے۔ وہ خود اس سفرنامہ کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ:

> "پیارے قارئین! اگر آپ نے اس اسلوب کے رومانی جذباتی بلکہ ہیجانی سفرنامے کی توقع پر اس تحریر کا مطالعہ شروع کیا ہے تو براہ کرم اپنا وقت ضائع مت کیجیے، کہیں اور دستک دیجیے۔ میں تو ایک بے ضرر قلم کار اور خشک مقالات قلم بند کرنے والا نقاد ہوں۔ لہٰذا میری بھارت یاترا میں آپکو ایسا

مصالح یا پھر گرم مصالح نہیں ملے گا بلکہ میں تو خود اس مخمصے میں ہوں کہ یہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں اسے سفرنامہ بھی کہا جاسکتا ہے یا نہیں۔ شاید یہ رپورتاژ ہو، ورنہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کہ یہ سرے سے کچھ بھی نہ ہو بجز یادوں پر مبنی ایک تاثراتی تحریر کے۔"

یوں انہوں نے اپنے اس سفرنامے "عجب سیر تھی" کا آغاز ہی عجیب طریق پر کیا ہے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

"صاحبو! قصہ مختصر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب سے پاکستان بنا تھا ہم بھارت نہ جاسکے تھے، حالانکہ بچپن اپنا انبالہ، بمبئی اور پونا میں گزرا تھا مگر بھارت جانے کی صورت نہ بنی تھی۔ لہٰذا جب پروفیسر نذیر احمد صاحب کی طرف سے غالب انسٹی ٹیوٹ (نئی دہلی) کے بین الاقوامی، غالب سیمینار میں شرکت کرنے کا دعوت نامہ ملا تو دلی مسرت ہوئی۔ یہ سیمینار دسمبر میں ہونا تھا اور دعوت نام دو تین ماہ پہلے ملا تھا۔"

ماریشس اور ڈنمارک کے سفر کی روئیداد

عجب سیر تھی" میں ڈاکٹر سلیم اختر صاحب نے اپنے ماریشش میں قیام اور ڈنمارک کے سفری روئیداد بھی بیان کی ہے۔ ماریشش کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تو صاحبو! افریقہ کے پہلو میں بحر ہند کا یہ جزیرہ بلحاظ آسٹریلیا کا ہم پلہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یورپ کے ٹورسٹ سردی سے بھاگ کر اور ایشیائی گرمی سے گھبرا کر ماریشش کا رخ کرسکتے ہیں۔ یقیناً قدرت ماریشش پر مہربان ہے۔ قدرت پھلوں اور نایاب پھولوں کے ساتھ اور بھی کئی رُخ سے مہربان ہے۔"

(95)

اشفاق احمد

تلقین شاہ ان کا مشہور ریڈیو فیچر تھا۔ متعدد کتابوں پر انھیں انعام ملا۔

پاکستان کی ایک علمی و ادبی شخصیت تھے۔

اشفاق احمد (1925ء) معلم، صحافی، ادیب، ڈرامہ نگار اور سفر نامہ نگار مکتسر ضلع فیروز پور بھارت میں پیدا ہوئے اور نمنٹ کالج لاہور سے ایم اے اردو کیا اور دیال سنگھ کالج لاہور میں لیکچرار مقرر رہوئے۔ پھر دو سال روم یونیورسٹی اٹلی میں اردو کے لیکچرار رہے۔ وطن واپسی پر ماہنامہ لیل ونہار نکالا۔ پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج میں پنجابی کے اعزازی لیکچرار رہے۔ اسی دوران آر سی ڈی کی علاقائی تنظیم کے ثقافتی انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر رہے اور مرکزی اردو ترقیاتی بورڈ وزارت تعلیم لاہور کے ڈائریکٹری حیثیت سے بھی فرائض ادا کیے۔ وہ پنجابی، اردو، انگریزی، فرانسیسی اور اطالوی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔ تلقین شاہ ان کا مشہور ریڈیو فیچر تھا۔ متعدد کتابوں پر انھیں انعام ملا۔ ان کی اہم تصانیف ''ٹاہلی دے تھلے'' شہر کنارے، اجلے پھول وداع جنگ، مہمان بہار اور سفر در سفر شامل ہیں۔

ہندوستان کی مسلم تاریخ میں سفر

سفر در سفر ان کا سفر نامہ ہے جس میں وہ بیک وقت براعظم یورپ اور اس کی تاریخ و جغرافیہ میں سفر کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے پاکستانی شمالی علاقوں کے سفر کو بھی بیان کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ہندوستان کی مسلم تاریخ میں بھی سفر کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''یوں تو بہت سے بادشاہوں کی زندگیاں فسق وفجور وارلہو ولعب میں گزریں اور ان کے مظالم سے بستیوں کے درو دیوار خون ناحق سے رنگین ہوتے رہے اور اس کے باوجود ان کے عہد کی وسعتوں میں کمی نہ ہوئی لیکن مردان درویش اور مقربان الٰہی کی بے ادبی کرنے والے بادشاہوں کے

اوقات ان پر جلد ہی تنگ ہو گئے ..... سلطان قطب الدین مبارک شاہ پر جب فضل ایزدی کے دروازے بند ہوئے تو اس نے اچانک حضرت نظام الدین اولیا کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور بے شرمی سے کہا کرتا تھا کہ جو حضرت نظام الدین کا سر کاٹ کر لائے ....''

(96)

ذوالفقار احمد تابش

ذوالفقار احمد تابش نئے سفرنامہ نگاروں میں خوبصورت اسلوب کے مالک ہیں جو ایک اچھے سفرنامے کا طرہ امتیاز ہوتا ہے۔ تجربات کا تنوع، مشاہدے کی وسعت، اظہار کی وصداقت ان کے سفرناموں کی خوبیاں ہیں۔ ذوالفقار احمد تابش میں اخلاقی جرات کمال کی ہے۔ وہ مناظر ومظاہر کے منہ میں زبان رکھ دینے کے فن سے واقف ہیں۔ فطری مناظر سے ہم کلامی انھیں بہت پسند ہے۔ ایسے مواقع پر ان کے جذبات واحساسات میں وارفتگی پیدا ہوجاتی ہے۔ ان کے سفر کی ایک منزل سری لنکا ہے جس کا تہذیبی مزاج بظاہر ان کے متصوفانہ تصورات سے متصادم نظر آتا ہے مگر ذوالفقار احمد تابش متضاد مزاج رکھنے والے حریفوں کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرنے کی اچھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اجنبی ملک کا جغرافیہ ہو یا تاریخ انہیں ہر چیز سے دلچسپی ہے۔ رہن سہن اور رسوم ورواج سے واقیت حاصل کرنا انھیں بہت پسند ہے۔ بے جان مناظر کو وہ اپنے قلم سے جاندار بنا دیتے ہیں۔ معمولی سے معمولی اور غیر اہم واقعہ کو یادگار بنا دینا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں۔

نثر میں شاعری

ذوالفقار احمد تابش نثر میں شاعری کرتے ہیں۔ ان کے اسلوب نگارش میں انشائیہ کی جھلک ہے مناظر حسن انھیں حیرت ومسرت کے جذبات سے لبریز کر دیتے ہیں اور وہ ان جذبات کو اپنے لطیف وشگفتہ اسلوب نگارش کے وسیلے سے قاری کی طرف منتقل کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

''راؤنڈ دی ورلڈ'' ذوالفقار احمد تابش کا ایسا سفرنامہ ہے جس میں انھوں نے اپنے دنیا میں گرد سفر کی روئیداد بیان کی ہے۔ اسی طرح ''جوار بھاٹا'' بھی ان کا اہم سفرنامہ ہے۔

(97)

1989ء۔ حکیم محمد سعید دہلوی

حکیم محمد سعید نے سفر نامہ لکھنے کی روایت میں ایک صاف ستھرے اور شائستہ اسلوب کا اضافہ کیا اور اردو زبان کی ترویج و ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے

حکیم محمد سعید دہلوی (1920-1998ء) دہلی میں پیدا ہوئے۔ یونانی طبیہ کالج دہلی میں طب کی تعلیم حاصل کی۔ قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے کراچی آ گئے اور 1948ء میں ہمدرد فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی۔ شعبۂ طب میں خدمات انجام دے کر دنیا بھر میں شہرت و عزت پائی۔ سندھ کے صوبائی گورنر کے منصب پر فائز رہے۔ انھیں پیشہ ورانہ مصروفیات کے سبب دنیا بھر کے ممالک کی سیاحت کا موقع ملا اور انھوں نے بہت سے سفرنامے لکھے جن میں نقش سفر، جاپان کہانی، سعید سیاح قطر میں، درون روس، سعید سیاح قاہرہ میں اور سعید سیاح اسکندریہ میں وغیرہ وغیرہ۔ حکیم محمد سعید نے سفرنامہ لکھنے کی روایت میں ایک صاف ستھرے اور شائستہ اسلوب کا اضافہ کیا اور اردو زبان کی ترویج و ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ یہاں ہم ان کے دو سفرناموں کا ذکر کر رہے ہیں جن میں سے ایک ''درون روس'' اور دوسرا ''نقش سفر'' ہے۔ پہلے کے نام سے ظاہر ہے کہ وہ روس کے سفر کی روئیداد ہے جبکہ نقش سفر ان کے سفرِ مصر کی کہانی ہے۔

حکیم صاحب ماسکو میں

نومبر 1989ء حکیم محمد سعید صاحب روس کے دورے پر گئے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کہ موسکو میں اس دن درجہ حرارت 3 سنٹی گریڈ تھا یعنی منفی درجہ حرارت سے صرف تین درجہ بلند۔ اس کا مطلب تھا کہ ماسکو میں شدید سردی تھی۔ اس دورے میں حکیم محمد سعید صاحب نے روس میں ماسکو، تاشقند، باکو، لینن گراڈ کی سیاحت کی۔

سیاحت نامہ مصر

حکیم محمد سعید صاحب کا دوسرا سفرنامہ نقش سفر'' مصر کا ساحت نامہ ہے۔ حکیم صاحب نے لکھا ہے کہ ہم قاہرہ

کے بازاروں میں کافی گھومے۔اس دن قاہرہ میں یوم آزادی منایا جارہا تھا۔حکیم محمد سعید صاحب نے اس سفرنامے میں قاہرہ کے قریب واقع اہرام مصر اور ابوالہول کا ذکر بھی کیا ہے۔اس سفرنامے کے علاوہ حکیم صاحب نے بچوں کے لیے دو سفر نامے سعید سیاح اسکندریہ میں اور سعید سیاح قاہرہ میں لکھے ہیں جن میں آسان پیرائے میں اپنی سیاحت مصر بیان کی ہے۔

(98)

1995-بل برائسن

BILL BRYSON

CNN ٹیلی وژن نے اپنے ایک تبصرے میں A Walk In the woods کو انگریزی زبان میں لکھا جانے والا سب سے بہترین مزاحیہ سفرنامہ قرار دیا ہے اور نیویارک ٹائمز نے کہا تھا کہ اس سفرنامے کے اوراق کو پلٹتے ہوئے قاری خود کو بل برائسن کے اس سفر میں شریک پاتا ہے۔

بل برائسن (1951ء ۔) ایک مشہور اینگلو امریکن سفرنامہ نگار ہے۔ وہ امریکہ میں پیدا ہوا اور بلوغت کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد سے برطانیہ میں مقیم ہے۔ 1995ء سے 2003ء تک وہ واپس امریکہ چلا گیا تھا۔ 2005ء تک وہ درہیم یونیورسٹی کا چانسلر رہا۔

بل برائسن کو برطانیہ میں اس کے سفرنامہ Notes From a Small Island سے شہرت حاصل ہوئی۔ اس سفرنامے میں اس کی جزائر برطانیہ کی سیاحت کی روئیداد بیان کی گئی ہے۔ یہ سفرنامہ 1995ء میں شائع ہوا تھا۔ 2003ء میں شائع ہونے والی اس کی کتاب A Short History of Nearly Every Thing نے اسے شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔

بل برائسن امریکی ریاست آئیوا Iowa میں پیدا ہوا اور اس نے 1973ء میں پہلی مرتبہ برطانیہ کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ اس کے بعد اس نے برطانیہ ہی میں مقیم ہونے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ایک دماغی ہسپتال میں ملازمت اختیار کی تھی اور شادی کے بعد وہ 1975ء میں واپس امریکہ چلا گیا جہاں اس نے 1977ء میں ڈریک یونیورسٹی سے گریجوایشن مکمل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے صحافت کو بطور پیشہ اپنایا اور اخبار Borne Mouth Evening Echo کے لیے کام کرنے لگا اور ایڈیٹر کے عہدے تک پہنچا۔ 1987ء میں اس نے صحافت کو چھوڑ دیا اور 1990ء میں آزادانہ طور پر لکھنے لگا۔ 1990ء کی دہائی میں وہ امریکہ میں مقیم تھا مگر اس دوران اس نے برطانوی اخبارات کے لیے لکھنے کا سلسلہ

جاری رکھا۔ برطانوی اخبارات میں چھپنے والے یہ کالم بعدازاں I Am A Stranger Here Myself نامی کتاب میں شائع ہوئے۔

بطور صحافی بل برائسن نے 2006ء میں اس وقت کے وزیراعظم برطانیہ ٹونی بلیئر سے سائنس اور تعلیم کے موضوع پر ایک انٹرویو کیا جو کافی مقبول ہوا۔

A Walk In The woods:Red Is Covering America On The Appalchian Trail اس کی 1998ء میں شائع ہونے والی خودنوشت ہے۔ یہ کتاب مزاح کے انداز میں لکھی گئی ہے۔ یہ بل برائسن اوراس کے دوست اسٹیفن کاٹز Stephen Katz کی امریکی جنگلات کی سیاحت کی روئیداد ہے۔ اس کتاب پر 2005ء میں ایک فیچر فلم بنانے کا اعلان کیا گیا تھا۔ یہ فلم جنوری 2015ء میں نمائش کے لیے پیش کی گئی۔

CNN ٹیلی وژن نے اپنے ایک تبصرے میں A Walk In the woods کو انگریزی زبان یں لکھا جانے والا سب سے بہترین مزاحیہ سفرنامہ قرار دیا ہے اور نیویارک ٹائمز نے کہا تھا کہ اس سفرنامے کے اوراق کو پلٹتے ہوئے قاری خودکو بل برائسن کے اس سفر میں شریک پاتا ہے۔

(99)

1997ء۔ امجد اسلام امجد

امجد اسلام امجد کو تمغہ حسن کارکردگی سے نواز اجاچکا ہے اور فی زمانہ کسی تعارف کے محتاج نہیں

امجد اسلام امجد، ستارہ امتیاز، پاکستان کے مشہور ڈرامہ نگار شاعراور سفرنامہ نگار ہیں۔ انھیں ان کی ادبی خدمات پر حکومت پاکستان نے ستارہ امتیاز سے نوازا ہے۔

امجد اسلام امجد لاہور میں 1944ء میں پیدا ہوئے اور انہوں نے گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائن سے گریجوایشن کیا اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اردو ادب کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے اپنے ادبی مستقبل کا آغاز ایم اے او کالج لاہور سے بطور لیکچرار کیا۔ بعدازاں 1975ء سے 1979ء تک آپ پاکستان ٹیلی وژن کے ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔ 1989ء میں آپ کو اردو سائنس بورڈ کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ چلڈرن لائبریری کے پروجیکٹ ڈائریکٹر کے طور پر بھی کام کرتے رہے ہیں۔

امجد اسلام امجد کے کئی ٹیلی پلے سیریز پاکستان ٹیلی وژن پر پیش کی جاچکی ہیں ان میں مشہور سیریز ''وارث'' بھی شامل ہے۔ 2008ء سے آپ روزنامہ ایکسپریس میں ''چشم تماشہ'' کے نام سے کالم بھی لکھ رہے ہیں۔ امجد اسلام امجد کو تمغہ حسن کارکردگی سے نوازا جاچکا ہے۔ ان کا سفرنامہ شہر در شہر'' ایک خوبصورت سفرنامہ ہے جس میں انھوں نے اپنی ٹورنٹو کینیڈا کی سیاحت بیان کی ہے۔ روانگی سفر کے متعلق رقم طراز ہیں:

''ایرفرانس کے جمبو جیٹ طیارے میں ہم تینوں کے علاوہ رنگدار نسل کے صرف دو مسافر تھے ان میں سے ایک میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ جنوب مشرقی ایشیا کے تمام ملکوں کے باشندے نقوش کے اعتبار سے اتنی گہری مماثلت رکھتے ہیں کہ ان کی قومیت کا کوئی اندازہ نہیں ہو پاتا۔ میں نے اپنے ہم نشین کی طرف چور آنکھوں سے دیکھا جو انگریزی کا ایک ناول انتہائی خشوع وخضوع سے پڑھ رہا تھا۔ اس کا تعلق چین، جاپان، انڈونیشیا، کوریا، ویت نام یا اسی طرح کے کسی

بھی ملک سے ہوسکتا تھا۔ ہمارا پیرس پہنچنے کا وقت صبح سات بجے تھا جبکہ میری گھڑی ساڑھے نو بجا رہی تھی۔ ہم نے سوچا ہم خواہ مخواہ اپنے پی آئی اے والوں کو برا بھلا کہتے ہیں جبکہ اس حمام میں تو سبھی ننگے ہیں۔ عین اسی وقت ایر ہوسٹس کی پہلے فرانسیسی اور پھر انگریزی میں آواز آئی کہ ہم پیرس کے ہوائی اڈے پر اترنے والے ہیں۔ وہاں درجہ حرارت 4 درجہ سنٹی گریڈ کا ہوگا اور پیرس کے وقت کے مطابق ہم وہاں سات بجے لینڈ کریں گے۔'' میں نے مڑ کر پروین کی طرف دیکھا وہ بھی اپنی گھڑی دیکھ رہی تھی۔ مجھے ایک دم یاد آیا کہ دوبئی کی ایک فلائٹ پر بھی ٹائم زون کا یہ مسئلہ پیدا ہوا تھا۔''

(100)

2006۔ ایلزبتھ گلبرٹ

GILBERT ELIZABTH

1997ء میں ہی ایلزبتھ گلبرٹ کی پہلی تصنیف Pilgrimage کو پشکلات پر ائز ملا۔

ایلزبتھ گلبرٹ ایک امریکی مصنف، ناول نگار اور انشا پرداز، افسانہ نگار اور سفر نامہ نگار، ایلزبتھ اپنے شاہکار Eat, Pray . Love کی وجہ سے جانی جاتی ہیں۔ ان کی اس تصنیف کو نیویارک ٹائمز نے 2010ء میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتب قرار دیا تھا۔ 2010ء میں ان کی اس کتاب پر ایک فیچر فلم بھی بنائی گئی تھی۔

ایلزبتھ گلبرٹ امریکی ریاست کنکٹی کٹ کے ایک قصبے واٹر بری Water Bury میں 18 جولائی 1969ء کو پیدا ہوئی۔ اس کے والدین سویڈن سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا خاندان دیہات میں ایسی جگہ رہتا تھا جہاں آس پاس کوئی ہمسایہ نہیں رہتا تھا۔ ایسے ماحول میں ایلزبتھ گلبرٹ اور اس کی ایک بہن نے تصنیف و تالیف پر زور دیا۔ ایلزبتھ گلبرٹ نے نیویارک یونیورسٹی سے سیاسیات میں گریجوایشن کی ڈگری حاصل کی اور ایک ویٹرس اور باورچی کے طور پر کام شروع کیا اور اپنی زندگی کے ان عملی تجربات کو ایک رسالے میں تحریری شکل میں پیش کیا۔ 193ء میں اس کی کتاب Pilgrimage شائع ہوئی جو افسانوں کا ایک مجموعہ تھی۔ 1997ء میں اس نے اپنی یادداشتوں کو جو ایک بار میں کام کرنے والی لڑکی کی حیثیت سے مرتب کیا۔ 1997ء میں ہی ایلزبتھ گلبرٹ کی پہلی تصنیف Pilgrimage کو پشکلات پرائز ملا۔

2006ء میں ایلزبتھ گلبرٹ کا سفرنامہ Eat, Pray, Love شائع ہوا جو ایک عورت کی اٹلی، بھارت اور انڈونیشیا میں ہر چیز کی تلاش کی کہانی ہے۔ اس کتاب کے لیے دنیا کا سفر کرنے کے لیے نے اپنے ناشر سے تقریباً دو لاکھ ڈالر بطور ایڈوانس حاصل کیے تھے۔ ایلزبتھ گلبرٹ کی ان سفری یادداشتوں پر مبنی اس کتاب کو نیویارک ٹائمز نے بہترین نان فکشن کتاب قرار دیا تھا۔

Eat,Pray, Love ایلزبتھ گلبرٹ کے دنیا کے گرد سفر کی روئیداد ہے جو اس نے اپنے شوہر سے طلاق

لینے کے بعد کیا تھا۔ یہ کتاب 187 ہفتے نیویارک ٹائمز میں بیسٹ سیلر نان فکشن کتاب کے طور پر بہترین کتابوں میں فہرست میں شامل رہی تھی۔ بعدازاں اس کتاب پر کولمبیا پکچرز نے اسی نام سے ایک فیچر فلم بنائی جو اگست 2010ء میں ریلیز ہوئی تھی۔

32 سالہ ایلزبتھ گلبرٹ ایک کامیاب مصنف اور شادی شدہ خاتون ہے مگر اس کی پہلی شادی ناکام رہی اور طلاق پر ختم ہوئی۔ اس طلاق کے بعد اس نے اپنی زندگی کا اگلا سال دنیا کا سفر کرتے ہوئے بسر کیا۔ وہ چار ماہ تک اٹلی میں مقیم رہی اور ندگی کی خوشیوں کو سمیٹنے کی کوشش میں مصروف رہی۔ تین ماہ اس نے بھارت میں لگائے اور ہندوازم کی روحانی تربیت پائی۔ اس سال کا اختتام اس نے انڈونیشا کے جزیرے بالی میں کیا اور وہ وہاں مقیم ایک برازیلی بزنس مین کے عشق میں گرفتار ہوگئی۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا کہ کولمبیا پکچرز ایلزبتھ گلبرٹ کی اس سفری یادداشتوں پر مشتمل کتاب پر فلم بنانے کے حقوق خرید لیے اور اسی نام سے ایک فلم بنائی جس میں امریکی اداکارہ جولیا رابرٹ نے ایلزبتھ گلبرٹ کا کردار ادا کیا۔ اس فلم کو ہدایت کار ریان مرفی نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ یہ فلم اگست 2010ء میں ریلیز ہوئی جبکہ اس کتاب کو پینگوئن بکس نے شائع کیا تھا۔ یہ کتاب 352 صفحات پر مشتمل ایک مجلد کتاب ہے۔

کتابیات

Travel in Arab Desert	**Doughty**
Silent Traveller in London	**Chiangyee**
Journey Without Maps	**Grahm Green**
The Sun Also Rises	**Hemingwax**
Arabian Sand	**Alfred Thesiger**
Seven Years in Tibet	**Henrich Chapper**
Thrilling Cities	**Ian Fleming**
Wikipedia	**Traveller Book**

تواریخ	ہیروڈوٹس
انڈیکا	میگا ستھنیز
یونانی مشاہیر	سلیم الرحمٰن
ابن فضلان کا سفرنامہ	
تاریخ مسعودی	المسعودی
معجم البلدان	یاقوت الحمودی
مارکو پولو کا سفرنامہ	مارکو پولو
سفرنامہ مخدوم جہانیاں	مخدوم جہانیاں
سفرنامہ ابن جبیر	ابن جبیر
سفرنامہ ابن بطوطہ	ابن بطوطہ
نزہتہ المشتاق	الادریسی

اردو سفرنامے کا تنقیدی مطالعہ	
1900 کا یورپ	منشی محبوب عالم
سفرنامہ حجاز	برکھارٹ
طوفان سے ساحل تک	محمد اسد لیوپولڈ
فرانسس برنیئر کا سفرنامہ	فرانسس برنیئر
شوقِ آوارگی	عطاء الحق قاسمی
اردو ادب میں سفرنامہ	انور سدید
الحمرا کی کہانیاں	واشنگٹن ارونگ
نقشِ فرنگ	قاضی عبدالغفار
لبیک	ممتاز مفتی
سفرِ حجاز	عبدالماجد دریابادی
سفرنامہ افغانستان	سید سلیمان ندوی
نظرنامہ	محمود نظامی
کاروانِ حجاز	ماہر القادری
ساحل اور سمندر	احتشام حسین
نکلے تری تلاش میں	مستنصر حسین تارڑ
ارضِ پاک سے دیارِ فرنگ تک	عبادت بریلوی
دھنک پر قدم	بیگم اختر ریاض الدین
دنیا میرے آگے	جمیل الدین عالی
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	ابن انشا
سفر در سفر	اشفاق احمد

بک فورٹ ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز

نام کتاب	مصنف	قیمت
وقائع سیرت نبوی ﷺ	اخلاق احمد قادری	800/-
عہد نبوی کی قرآنی خواتین	مولانا اسلم زاہد	550/-
تاریخ یورپ	ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ	800/-
تاریخ عصر قدیم	مولانا عبدالحلیم شرر	400/-
تاریخ قدیم	ضیاء الدین اکمل	300/-
قدیم دنیا کی تاریخ و تہذیب	ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ	350/-
ہینی بال کی عسکری مہمات	ترجمہ: شیخ ریاض احمد	425/-
تاریخ کا مطالعہ	باری علیگ	350/-
فتح قسطنطنیہ	بدرالدین احمد	200/-
سیر دہلی	خواجہ حسن نظامی دہلوی	200/-
واقعات عالم	عدنان رشید چودھری	350/-
ناقابل تسخیر ذہن انسانی	ترجمہ محمد صفدر	200/-
دنیا کا سب سے بڑا موجد	محمد سعید	300/-
تاریخ قیصران روم	ترجمہ: اخلاق احمد قادری	470/-
تاریخ انحطاط زوال روما	ترجمہ: اخلاق احمد قادری	550/-
کشف المحجوب	حضرت داتا گنج بخش	600/-

نام کتاب	مصنف	قیمت
ہندوستان کے قدیم شہروں کی تاریخ	وسیم احمد سعید	350/-
تاریخ فرعون	خواجہ حسن نظامی	400/-
قدیم مصر	جے آر رائے	200/-
حضرت خالد بن ولیدؓ	ابوزید شلمی	300/-
مسلمان شاہی خاندان	سٹینلے لین پول	325/-
(ہیروڈوٹس کا سفرنامہ)	ترجمہ: شیخ ریاض احمد	200/-
سلطان صلاح الدین ایوبی	ترجمہ: فرید ابوحدید	360/-
مجموعہ حکایات سعدی و رومی	انتخاب: ڈاکٹر پروین کلو	650/-
تاریخ واسرار اہرام عالم	ترجمہ و تحقیق: اخلاق احمد قادری	500/-
ہنسی کے کرشمے	عبدالحمید عامر شیخ	330/-
گوتم بدھ	ڈاکٹر محمد حفیظ	240/-
تاریخ اقوام عالم قدیم	سینولیس	450/-
چنگیز خان اور منگول سلطنتیں	ترجمہ: جنید احمد	250/-
صحت مند طویل زندگی گزارنے کے سنہرے اصول	شکیل احمد	325/-
قدرت کی شفا بخش غذائیں	تالیف: سید ارتضٰی علی کرمانی	450/-
دنیا کے 100 نامور سیاح اور ان کے سفرنامے	ترجمہ: اخلاق احمد قادری	600/-